فہرست مسائل

جنازہ سے متعلق مسائل

زکوٰۃ سے متعلق مسائل

روزہ سے متعلق مسائل

حج سے متعلق مسائل

جماعت کا بیان

بعد میں آنے والے صف کس طرح بنائیں؟

سوال:- جو لوگ نماز شروع ہونے کے بعد مسجد آئیں، آگے کی صف پوری ہو چکی ہو، تو انہیں نئی صف میں کس طرح کھڑا ہونا چاہئے؟ کیا وہ دائیں جانب سے کھڑا ہو؟ (نام غیر مذکور)

جواب:- جو لوگ بعد میں آئیں، نئی صف بن رہی ہو، لیکن اتنے لوگ نہیں ہوں کہ صف مکمل ہو سکے تو وسطی حصہ سے نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہئے، جیسے جیسے نمازی آتے جائیں دائیں اور بائیں صفیں بڑھتی جائیں، یہ نہ ہو کہ بعد میں آنے والے بالکل دائیں طرف کھڑے ہو جائیں اور باقی صف خالی رہے۔(۱)

سوال:- جو لوگ مسجد میں بعد میں آئیں اور جماعت شروع ہو چکی ہو، تو ان کو صف میں کس طرح جڑنی چاہئے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک طرف کی صف پوری ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف کی صف خالی رہ جاتی ہے، ایسے میں بعد میں آنے والا کیا کرے؟ (محمد فاروق، نرمل)

جواب:- صف بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اگلی صف پوری کی جائے، پھر اس

---

(۱) فتح الباري: ۲۱۵/۲، کتاب الأذان، باب میمنة المسجد والإمام

کے بعد کی، اسی طرح پیچھے کی صفیں بنائی جائیں، یہ مناسب نہیں ہے کہ پہلی صف تو پوری نہیں ہوئی اور دوسری صف میں کھڑے ہونے لگے، اگلی صف مکمل نہ ہو تو امام کے سامنے جس طرف سے صف چھوٹی ہو اس میں آ کر کھڑے ہوں، اور اگر امام کے دونوں طرف صف برابر ہو تو دائیں طرف کھڑا ہونا بہتر ہے، نیز اگر صف کے درمیان کہیں خلا ہو تو اس کو پُر کرنا چاہئے:

"ینبغي أن یکملوا ما یلي الإمام من الصفوف ، ثم ما یلي ..... وإذا استوی جانبا الإمام فإنه یقوم الجائي عن یمینه إلی آخره" (۱)

صف کی خالی جگہ کو پُر کرنا

سوال:- بعض دفعہ آگے کی صف میں جگہ خالی ہوتی ہے، مگر وہاں تک پہنچنے کے لئے پچھلی صف کے نمازی کے سامنے سے گزرنا پڑتا ہے، اگر صف کے خلا کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی آداب کے خلاف ہے اور نمازی کے سامنے سے گزر کر جایا جائے تو اس کی بھی ممانعت ہے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(سید عبد الرشید، پھول باغ)

جواب:- اگر آگے کی صف میں جگہ خالی ہو تو صفوں کے بیچ سے نکلتے ہوئے آگے کی صف پُر کر لینی چاہئے، چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"فلو شرعوا وفي الصف الأول فرجة له خرق الصفوف" (۲)

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۳۵۳

(۲) رد المحتار: ۲/۳۱۰

نیز یہ بات بھی درست ہے کہ صف کے کنارے سے داخل ہو اور سامنے سے گزرتے ہوئے خالی جگہ کو پُر کرے؛ کیوں کہ جن لوگوں نے درمیان میں خلاء چھوڑا ہے، وہ اس کے ذمہ دار ہیں، صف پُر کرنے کے لئے نمازی کے سامنے سے گزرنے والے پر اس کا گناہ نہیں۔

"وفي آخر الصفوف مواضع خالية ، فالداخل أن يمر بين يديه ليصل الصفوف : لأنه أسقط حرمة نفسه فلا يأثم المار بين يديه " (۱)

نماز کی صف میں خلا

سوال:- فرض نمازوں کی صف بندی میں جان بوجھ کر بیچ میں بعض لوگ عمداً جگہ کو خالی چھوڑ دیتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ (محمد اکبر، ٹولی چوکی)

جواب:- جماعت کی نماز میں صف کی بڑی اہمیت ہے، اور صف کی درستگی کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے باتوں کا حکم دیا ہے، ایک یہ کہ صف سیدھی ہو، لوگ آگے پیچھے نہ ہوں، دوسرے: صف میں خلاء نہ ہو، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہوا کرتے تھے، قد و قامت اور جسامت میں فرق کے لحاظ سے یہ بات تو ممکن نہیں ہے کہ تمام نمازیوں کے مونڈھے ایک دوسرے سے ملے رہیں؛ اس لئے یہ تعبیر بطور محاورہ کے ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ صفوں میں اتصال رکھتے تھے کہ ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوتے تھے، بیچ میں فاصلہ نہیں رہنے دیتے تھے: "... كان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه " (۲)؛ اس لئے

---

(۱) منية المصلي وغنية المتملي : ص: ۲۳۳

(۲) بخاری ، كتاب الجماعة والإمامة ، باب لزاق المنكب بالمنكب الخ ، حدیث نمبر: ۲۹۲

صفوں کے درمیان عمداً جگہ خالی چھوڑ دینا درست نہیں، فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر پہلی صف میں دو نمازیوں کے درمیان جگہ خالی رہ گئی ہو اور دوسری صف مکمل ہو گئی ہو تو آنے والے نمازی کو چاہئے کہ دوسری صف کو پھاڑتے ہوئے پہلی صف میں پہونچ کر جو جگہ خالی ہے، اسے پُر کر دے۔

صف میں اتصال اور حدیث نبوی ﷺ

سوال:- بعض احباب نماز میں بہ حالت قیام پاؤں سے پاؤں ملانے پر بہت زور دیتے ہیں اور اس کو حضور ﷺ کی سنت اور آپ کا طریقہ قرار دیتے ہیں، اس کی وجہ سے ہمارے یہاں نمازیوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو رہا ہے، براہ کرام اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں۔

(محمد اسماعیل صابری، ممبئی)

جواب:- اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا عمل ملنا دشوار ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ ہمیشہ امامت فرمایا کرتے تھے، البتہ ایک بار سیدنا حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ نماز شروع ہونے کے بعد تشریف لائے تھے؛ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بازو میں کھڑے ہوئے متصل صحابی کے ساتھ قدم ملایا تھا یا نہیں؟ اور مرض وفات میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ کر نماز ادا فرمائی، اس میں بیٹھے ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں ملتا کہ آپ ﷺ کے پاؤں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں سے ملے ہوئے تھے، جہاں تک زبانی ارشاد کی بات ہے تو میرے حقیر علم کے مطابق ایسی کوئی روایت نہیں، جس میں آپ ﷺ نے پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہونے کا حکم دیا ہو؛ البتہ آپ ﷺ نے مونڈھے سے مونڈھے ملانے یا گردنوں کو ایک دوسرے کے برابر کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں گردنوں کو ایک دوسرے کے

بالمقابل رکھنے کا حکم ہے: "حاذوا بالأعناق" (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں مونڈھوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل کرنے کا ذکر ہے: "وحاذوا بين المناكب" (۲)؛ ہاں بعض صحابہ کا عمل منقول ہے کہ وہ ٹخنہ سے ٹخنہ اور قدم سے قدم ملایا کرتے تھے، حضرت انسؓ اور حضرت نعمان بن بشیرؓ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ (۳)

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصد یہ ہے کہ صف میں خلا نہیں ہونا چاہئے؛ چنانچہ حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت میں ہے کہ اپنی صفوں کو سیدھا کرو، ایک دوسرے سے قریب قریب رکھو اور گردنوں کو ایک دوسرے کے مقابل کرو: "رصوا صفوفكم وقاربوا بينها" (۴) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ مونڈھے آپس میں ملا کر رکھو، فاصلوں کو پُر کردو اور شیطان کے لئے خالی جگہیں نہ چھوڑو:

"حاذوا بين المناكب وسدوا الخلل .... ولا تذروا فرجات للشيطان" (۵)

ان ارشادات میں آپ ﷺ نے صفوں کو سیدھا رکھنے اور نمازیوں کے درمیان خلا باقی نہ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے، یعنی مقصود یہ ہے کہ نمازی نمازیوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوں، ورنہ ظاہر ہے کہ مونڈھے سے مونڈھا ملا کر اور گردن کے مقابل گردن کا رکھنا ممکن نہیں؛ کیوں کہ لوگوں کے قد و قامت میں فرق ہوتا ہے، صفوں میں اتصال کے اس مقصود کو پورا کرنے کے لئے بعض صحابہ نے اجتہاد کرتے ہوئے قدم سے قدم ملا کر نماز ادا کی، اس طرح انہوں نے اپنی کوشش کے مطابق حضور ﷺ کے منشأ کو پورا فرمایا؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک نمازی کا پاؤں دوسرے نمازی کے پاؤں سے سٹا ہوا ہو؛ کیوں کہ اس سے بعض نماز پڑھنے

---

(۱) أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، حدیث نمبر: ۶۶۷
(۲) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۶۶
(۳) بخاری مع الفتح: ۲/۲۱۱
(۴) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۶۷
(۵) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۶۶۶

والوں کو بے سکونی کا احساس ہوتا ہے اور ان کی توجہ نماز سے ہٹ جاتی ہے، سنت یہ ہے کہ نمازیوں کے درمیان قطعی طور پر خلا باقی نہ رہے، بعض روایتوں میں ہے کہ خلا رہ جاتا ہے تو شیطان بکریوں کے بچے کی شکل میں بیچ میں داخل ہو جاتا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دو نمازیوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ بکری کے بچہ جیسا چھوٹا جانور درمیان سے گذر جائے —— بہر حال، ایسے مسائل میں شدت برتنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اور اس سے امت کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔

کیا بچے بڑوں کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں؟

سوال:- ہماری مسجد میں امام صاحب اس بات پر بہت اصرار کرتے ہیں کہ بچوں کو پیچھے کھڑا کیا جائے، صف میں نہیں رکھا جائے، مگر بچے کو پیچھے رکھا جاتا ہے تو وہ شرارت کرنے لگتے ہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ (محمد محسن، ورنگل)

جواب:- جو بچے بہت کم سن اور بے شعور ہوں اور ان سے پیشاب وغیرہ کر دینے کا اندیشہ ہو، انہیں تو مسجد میں لانا ہی نہیں چاہئے، ایسے ہی بچوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان سے مسجدوں کو بچایا جائے،(۱) اگر باشعور بچے ہوں تو انہیں مسجد میں لانا چاہئے؛ تاکہ ان کی تربیت ہو سکے، اصل طریقہ تو یہی ہے کہ ان کی مستقل صف پیچھے بنائی جائے؛ لیکن اگر تعداد کی وجہ سے بچوں کے کم ہونے کا یا نماز کے درمیان شرارت کرنے اور بڑوں کی نماز میں خلل پیدا کرنے کا اندیشہ ہو تو اس بات کی گنجائش ہے کہ بڑوں کی صف میں ہی ان کو کھڑا کیا جائے:

"ربما يتعين في زماننا إدخال الصبيان في صفوف الرجال إلخ" (۲)

---

(۱) مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاة، حدیث نمبر ۱۷۲۹

(۲) تقريرات رافعي على الرد: ۲/۳۲

جماعت میں بچے کہاں کھڑے ہوں؟

سوال:- بچے مسجد میں کس طرح نماز پڑھیں، بڑے حضرات بچوں کو آگے نماز پڑھنے نہیں دیتے اور بچے پچھلی صف میں کھڑے ہو کر کافی شور وپکار کرتے ہیں، اور اس سے سب کی نمازیں خراب ہوتی ہیں۔ (جاوید اختر، نظام آباد)

جواب:- اصل میں تو بچوں کی صف مردوں سے پیچھے ہونی چاہئے، حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر نماز پڑھ کر لوگوں کو بتایا، چنانچہ پہلے مردوں کی صفیں لگائیں، پھر ان کے پیچھے بچوں کی، اس کے بعد نماز پڑھائی؛ (۱) لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب بچے نابالغ اور ذی شعور ہوں اور نماز کے درمیان شور وشغب نہ کرتے ہوں، اگر بچے چھوٹے ہوں اور شور کرتے ہوں، تو انہیں بڑوں کی صف میں شامل کر لینا چاہئے، چنانچہ علامہ رافعی نے علامہ رحمتی کا قول اسی طرح نقل کیا ہے:

"ربما يتعين في زماننا إدخال الصبيان في صفوف الرجال ؛ لأن المعهود منهم إذا اجتمع صبيان فأكثر تبطل صلاة بعضهم ببعض و ربما تعدى ضررهم إلى فساد صلاة الرجال" (۲)

"ہمارے زمانہ میں یہ بات متعین ہے کہ بچوں کو بھی مردوں ہی کی صف میں رکھا جائے، اس لئے کہ یہ بات گویا طے شدہ ہے کہ جب چند بچے جمع ہو جائیں تو وہ ایک دوسرے کی نماز کو خراب کر کے ہی چھوڑتے ہیں اور بعض اوقات بڑوں کی نماز

---

(۱) سنن أبي داؤد، حديث نمبر: ٦٧٧، باب مقام الصبيان من الصف

(۲) تقريرات رافعي على الشامي : ۲/۷۴

خراب کرنے کا باعث بھی بنتے ہیں"

بس جہاں بچوں کے شور اور بڑوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہو، وہاں بہتر یہی ہے کہ بچوں کو بڑے اپنی صف میں شامل کریں۔

مسجد میں چھوٹے بچے

سوال:- بعض لوگ اپنے ساتھ چھوٹے بچوں کو مسجد میں لے کر آتے ہیں، خاص کر جمعہ کے دن نماز کے دوران یہ بچے شور وغل کر کے نماز میں خلل ڈالتے ہیں اور یہ مصلیوں کے سامنے گھومتے پھرتے رہتے ہیں، ایسے میں کیا لوگوں کی نماز درست ہو جاتی ہے اور ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟ (بابو اکیا، کوہیر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ایسے بچوں کو مسجد میں لانے سے منع فرمایا ہے، جن میں ابھی شعور کی اس درجہ کمی ہو کہ وہ مسجد اور نماز کی اہمیت کو محسوس نہیں کرتے ہوں: جنبوا مساجدکم الصبیان والمجانین (۱)؛ اس لئے اتنے چھوٹے بچوں کو مسجدوں میں نہیں لانا چاہئے جو بچے نسبتاً بڑے اور سمجھدار ہوں انہیں مسجد میں لانا درست ہے؛ بلکہ تربیتی نقطۂ نظر سے بہتر ہے؛ البتہ دو باتوں کا خیال رکھنا چاہئے، ایک یہ کہ والدین انہیں مسجد اور نماز کا ادب واحترام سکھائیں؛ تاکہ نمازیوں کو دشواری اور مسجدوں کی بے حرمتی نہ ہو، دوسرے یہ کہ اگر کئی بچے ہوں تو ان کی صف بڑوں کے پیچھے رکھی جائے، بڑوں کی صف کے بیچ میں نہ رکھی جائے —— جہاں تک بچوں کے نمازیوں کے سامنے گھومنے پھرنے کی بات ہے تو ان کو منع کرنا چاہئے؛ لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی "ولو مر مار في موضع سجوده لا تفسد ، وإن أثم " (۲) بلا وجہ نمازی کے سامنے سے گذرنے والا گنہگار ہوتا ہے، بچوں کو یہ بات سمجھانی چاہئے۔

---

(۱) مصنف عبد الرزاق ، حدیث نمبر : ۱۷۲۶

(۲) فتاوی ہندیہ : ۱۰۴/۱ ، نیز دیکھئے : البحر الرائق : ۲/۲ ، رد المحتار : ۳۹۸/۲

تا کہ ان کی تربیت ہو، لیکن نابالغ بچوں کو احکام شریعت کے مکلف نہیں ہیں؛ اس لئے ان شاء اللہ وہ گنہگار نہیں ہوں گے۔

بالائی منزل کے مصلی تحتانی منزل میں کھڑے ہوئے امام کی اقتداء کرسکتے ہیں

سوال:- ہمارے محلہ کی مسجد پہلے ایک منزلہ تھی، بعد کو دوسری منزل تعمیر کی گئی، اس لئے پہلی منزل کی چھت میں کوئی روشن دان نہیں ہے، جس سے امام کی نقل و حرکت دیکھی جا سکے، یا براہ راست ان کی آواز سنی جائے؛ البتہ مائیک کا بہت معقول انتظام موجود ہے، کیا ایسی صورت میں اوپری منزل پر نماز پڑھنے والوں کی نماز میں کوئی فرق آئے گا؟ (حمید احمد خاں، بشیر پیٹ)

جواب:- اقتدا درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مقتدی امام کی نقل و حرکت سے واقف ہو سکے، امام کو دیکھنا یا براہ راست اس کی آواز سننا ضروری نہیں؛ لہٰذا اگر روشن دان نہیں ہے؛ لیکن مائیک کے واسطہ سے امام کے ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہونے کی کیفیت معلوم ہو، تو یہ کافی ہے اور اقتدا درست ہو جائے گی، واللہ اعلم۔

نفل نماز کی جماعت

سوال:- کیا نفل نمازوں کی جماعت جائز ہے؟ رمضان المبارک میں صلاۃ التسبیح اور نماز تہجد کا جماعت کے ساتھ اہتمام کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ (محمد احمد، شیخوپورہ)

جواب:- رمضان کے علاوہ جماعت کے ساتھ کسی نفل کا اس طرح ادا کرنا کہ لوگوں کو جماعت میں شرکت کی دعوت دی گئی ہو، حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، فقہ حنفی کی مشہور

کتاب "الدر المختار" میں ہے:

"ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذالك لو على سبيل التداعي" (۱)

اس سے صرف تراویح کی نماز مستثنیٰ ہے — عام فقہاء احناف کی رائے میں رمضان المبارک میں بھی نماز تہجد جماعت کے ساتھ ادا نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ اس میں کراہت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے؛ لیکن چوں کہ کتب فقہ میں قیام رمضان میں جماعت کی اجازت ملتی ہے:

"إن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان" (۲)

اور قیام رمضان میں تہجد بھی شامل ہے؛ اس لئے ہندوستان میں بعض بزرگوں کے یہاں تہجد کو جماعت سے پڑھنے کا معمول تھا، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری (خلیفہ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی) اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے یہاں بھی نماز تہجد جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی تھی، جہاں تک "صلاۃ التسبیح" کی بات ہے تو اس میں جماعت کا کوئی ثبوت نہیں۔

عیدگاہ میں صفوں میں فاصلے کے ساتھ نماز کی ادائیگی

سوال: - اگر عید کی نماز عیدگاہ میں ہو رہی ہو اور صفوں کے درمیان بیچ میں کئی صفوں کا فصل ہو تو کیا پیچھے کی صف میں کھڑے ہونے والوں کی نماز درست ہو جائے گی؟ (شفیع احمد، ملک پیٹ)

جواب: - چونکہ نماز عیدین یا نماز جنازہ کے لئے مخصوص کردی گئی ہو، وہ بھی اس مسئلہ میں مسجد ہی کے حکم میں ہے، جیسے مسجدوں میں فصل کے باوجود اقتداء درست ہو جاتی ہے، اسی طرح ان مقامات پر بھی صفوں کے فصل کے ساتھ اقتداء درست ہو جائے گی، البتہ یہ جگہیں دوسرے احکام جیسے جنبی کے داخل ہونے کی ممانعت وغیرہ کے لحاظ سے مسجد کے حکم میں نہیں ہیں۔

(۱) الدر المختار مع رد: ۲/ ۵۰۰

(۲) رد المحتار: ۲/ ۵۰۰

" وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء و إن انفصل الصفوف رفقا بالناس لا في حق غيره " (۱)

اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں نماز درست ہو جاتی ہے۔

جامع مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے یا مسجد محلہ میں؟

سوال:- ہمارے شہر میں جامع مسجد بھی ہے، جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور محلہ کی مسجد بھی ہے، جس میں جمعہ نہیں ہوتا ہے تو ہمارے لئے پنج وقتہ نماز کس مسجد میں ادا کرنا بہتر ہے؟

(محمد عامر، ناندیڑ)

جواب:- محلہ کی مسجد کا قربت کی وجہ سے زیادہ حق ہے؛ اس لئے جمعہ تو جامع مسجد میں پڑھنا چاہئے؛ البتہ پانچ وقت کی نمازیں محلہ کی مسجد میں پڑھنا افضل ہے:

" ومسجد حيه أفضل من الجامع " (۲)

اگر قعدہ میں دوسرا مقتدی شریک ہو؟

سوال:- نماز باجماعت میں امام کے علاوہ صرف ایک مقتدی ہے، اگر قعدۂ اولیٰ یا اخیرہ میں ایک اور مقتدی آجائے تو کیا اس حالت میں اٹھ کر آگے بڑھ جانا چاہئے؟ یا آنے والے کو دائیں بائیں بیٹھ جانا چاہئے؟　　(محمد نظام الدین مظہری، کاماریڈی)

جواب:- اگر امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو، جو تو تیسرا شخص آجائے اور قیام کی حالت ہو تو بعد میں آنے والا مقتدی پہلے مقتدی کو پیچھے کھینچ لے، اگر قعدہ کی حالت ہو تو قعدۂ اولیٰ کی صورت میں تو امام کے قیام کا انتظار کر لے، اور امام کے کھڑے ہونے کے بعد پہلے

---

(۱) در مختار مع الرد ۳۰:۲-۴۳۳　　(۲) در مختار مع الرد ۲:۳۳۳-۳۴

مقتدی کو پیچھے کھینچ لے ، اگر آنے والے مقتدی نے اس کو قعدۂ اخیرہ سمجھا اور بیٹھ گیا تو کھڑے ہونے کے بعد امام ان مقتدیوں کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کرے اور مقتدی پیچھے ہٹ جائے ، اگر مقتدی مسئلہ سے واقف نہ ہو اور پیچھے نہیں ہٹے تو امام خود آگے بڑھ جائے اور اگر قعدۂ اخیرہ کی حالت ہو تو مقتدی بائیں جانب بیٹھ جائے :

"..... و هذا كله عند الإمكان و إلا تعين الممكن و الظاهر أيضاً أن هذا لم يكن في القعدة الأخيرة و إلا اقتدى الثالث عن يسار الإمام و لا تقدم و لا تأخر" (۱)

رکوع میں شمولیت کب سمجھی جائے گی؟

سوال:- کسی بھی نماز کی جماعت میں اگر رکوع میں شامل ہو جائیں تو اس رکعت کو شمار کیا جائے گا ، لیکن اگر کوئی شخص رکوع میں ایسے وقت داخل ہو کہ ایک مرتبہ بھی پوری طرح سبحان ربی العظیم نہ پڑھ سکے تو کیا اسے رکوع اور رکعت میں شامل سمجھا جائے گا ، یا ایک بار تسبیح پڑھنے پر ہی رکعت شمار کی جائے گی؟

(محمد اسماعیل ، مہدی پٹنم)

جواب:- اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے ایک لمحہ بھی مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا ، گو ایک تسبیح سے کم ہو تو وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا ، البتہ اگر امام رکوع سے اٹھنے کی حالت میں ہو اور مقتدی رکوع میں جانے کی حالت میں ہو تو اس رکعت کو پایا نہ ہوگا :

"ولكنه لم يدرك الركعة حيث لم يدرك في جزء من الركوع قبل رفع رأسه منه" (۲)

---

(۱) رد المحتار ۲ : ۳۰۹ (۲) مراقی الفلاح ص : ۲۴۰

حرمین شریفین میں عصر کی نماز جماعت سے پڑھنا

سوال:- حرمین شریفین میں عصر کی نماز کافی پہلے یعنی ایک ہی مثل پر ادا کرلی جاتی ہے، جب کہ احناف کے یہاں عصر کا وقت دو مثل پر شروع ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا حنفی حضرات کو جماعت کے ساتھ عصر کی نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے؟

(عبدالعزیز، مدینہ منورہ)

جواب:- امام ابو حنیفہؒ کا قول مشہور یہی ہے کہ دو مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے؛ لیکن دوسرا قول ایک مثل کا بھی ہے، دوسرے فقہاء امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور خود امام ابو حنیفہؒ کے ممتاز شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اسی کے قائل ہیں، اسی طرح مشہور حنفی فقیہ علامہ حصکفیؒ نے امام طحاویؒ وغیرہ کے حوالہ سے حنفیہ کے یہاں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے، (۱) اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے بھی اسی نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے، اس لئے جن مسجدوں میں عصر کی نماز ایک مثل ہی پر ہوتی ہو، وہاں جماعت کے ساتھ عصر پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں، ہندوستان کے علماء میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، (۲) اور حرمین شریفین میں تو ضرور ہی پڑھ لینا چاہئے؛ تاکہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ ہو۔

مسجد حرام کے باہر صفوں کے درمیان فاصلہ

سوال:- آج کل مکہ مکرمہ میں نماز کی صفیں مسجد کے باہر بھی لگ جاتی ہیں، حج ورمضان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسجد حرام کے باہر بیچ میں کئی کئی صفوں کی جگہ چھوٹی ہوئی ہوتی ہے اور اس کے بعد نمازیوں کی صفیں بن جاتی ہیں، اگر مسجد کے اندر فاصلہ ہو جائے تب تو غالباً یہ اقتداء کے ساتھ نماز کے درست ہونے میں مانع نہیں ہے؛

---

(۱) رد المحتار علی الدر ۲ / ۱۵ (۲) دیکھئے: فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۹۹

اگر مسجد سے باہر اس طرح کا فاصلہ ہو تب اقتداء کا کیا حکم ہوگا؟

(احتشام الحق ندوی، آمابورہ)

جواب:- صفوں کے درمیان فاصلہ کے سلسلہ میں فقہاء نے جو تفصیل لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر تو چند صفوں کے بقدر فصل کے باوجود بھی اقتداء درست ہو جاتی ہے؛ بشرطیکہ درمیان میں کوئی سڑک جس پر سواریاں چلتی ہوں یا کوئی نہر جس میں کشتیاں چلتی ہوں حائل نہیں ہوں، راجح و درست قول کے مطابق مکان کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے، لیکن کھلی ہوئی جگہ میں اگر دو صف کے بقدر فصل ہو تو اقتداء درست نہیں ہوگی: " ویمنع من الإقتداء ... أو خلاء في الصحراء ... یسع صفین " (۱) البتہ فقہاء نے "فناء مسجد" یعنی مسجد سے لگے ہوئے صحن کو بھی مسجد ہی کے حکم میں رکھا ہے، چنانچہ علامہ شامی بحر کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں: " ... أن فناء المسجد له حکم المسجد " (۲) پس مسجد حرام سے متصل وہ میدان جو مکانات تک چلے گئے ہیں، فناء مسجد کے حکم میں ہیں، اور اگر ان میں ایک دو صفوں کے خلاء کے ساتھ صفیں بن جائیں، تب بھی اقتداء درست ہو جائے گی۔

اگر خواتین مردوں کی صف میں شامل ہو جائیں؟

سوال:- حج کے موسم میں یہ صورت حال پیش آتی ہے کہ بعض دفعہ خواتین صفوں میں شامل ہو جاتی ہیں، ایسی صورت میں مردوں کو کیا کرنا چاہئے؟ (مصباح الدین ندوی، جوگی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے نماز میں عورتوں کو پیچھے کھڑا کرنے کا حکم فرمایا، اگر خواتین مردوں کی صف میں آجائیں تو اس حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے؛ اس لئے عورتوں کا مردوں کی صف میں شامل ہو جانا درست نہیں ہے، اگر ایک عورت نماز میں شروع سے شامل ہو اور امام صاحب نے عورتوں کی بھی نیت کی ہو تو جو مرد اس سے متصل دائیں یا بائیں طرف ہو اور جو ٹھیک اس کے بالمقابل پیچھے کی صف میں ہو، ان کی نماز فاسد ہو جائے گی اور انھیں

---

(۱) درمختار: ۲/۳۳۲   (۲) رد المحتار: ۲/۳۳۴

اپنی نماز درست ہوگی:

ثم المرأة الواحدة تفسد صلوة ثلاثة واحد عن يمينها وآخر عن يسارها وآخر خلفها وحققه في حاشية الجلبي عليه لغتبي و كذا تفسد الصلوة بهذا السبب في المسجد الحرام و المسجد الأقصى الخ "(۱)

ہاں! اگر نماز شروع ہونے کے بعد کوئی عورت آئے اور برابر میں کھڑی ہو جائے تو جس مرد کے بازو میں کھڑی ہوئی اس نے شروع سے پیچھے چلے جانے کو کہا لیکن وہ پیچھے نہیں گئی اور اسی صف میں نماز پڑھنے لگی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔(۲) یہ رائے احناف کی ہے، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگرچہ عورت کا مردوں صف میں آنا درست نہیں لیکن نماز نہ مردوں کی فاسد ہوگی اور نہ عورتوں کی۔

مقتدیوں کے لئے لمبا رکوع کرنا

سوال: امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے، اور رکوع میں اٹھنے کا ارادہ تھا، محسوس ہوا کہ کچھ لوگ نماز میں شرکت کے لئے آرہے ہیں، ایسی صورت میں ان کی رعایت کرتے ہوئے رکوع کو تھوڑا طویل کر دینا؛ تاکہ وہ بھی جماعت پا جائیں، درست ہوگا؟ ائمہ مساجد کو اس کی نوبت پیش آتی رہتی ہے۔

(عبدالدیان قاسمی، ممبئی)

جواب: حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات بچوں کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر فرما دیتے تھے؛ تاکہ ان کی مائیں نماز میں شریک ہوتی تھیں،

---

(۱) تبیین الحقائق مع حاشیة جلبی ۱/۱۳۹
(۲) دیکھئے البحر الرائق ۱/۳۴۱

اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملہ شرکا ءِ نماز کی رعایت شریعت کے خلاف نہیں، فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی آنے والے متعین شخص کے آنے کا احساس کرتے ہوئے نماز کو طویل کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس میں خیال ہوتا ہے کہ اس کی وجاہت سے متأثر ہو کر نماز طویل کی گئی ہے؛ حالانکہ نماز ہے ہی اس لیے کہ انسان اللہ کی بڑائی اور کبریائی کے سوا ساری بڑائیوں کو دل سے نکال دے، ہاں اگر کسی متعین شخص کی رعایت میں نماز کو لمبی نہ کرے، بلکہ پہچانے بغیر آنے والوں کی رعایت میں رکوع کو ایک دو تسبیح کے بقدر لمبا کر دے تو یہ درست ہے، مگر اتنی ہی مقدار رکوع کو طویل کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں؛ تا کہ دوسرے نمازیوں کے لیے گرانی کا باعث نہ ہو:

"... فإن كان الإمام عرف الذي يجئ ، يكره ؛ لأن ذلك يشبه الميل إليه ، و إن كان لا يعرف ، لا بأس بذلك مقدار تسبيحة أو تسبيحتين مقدار ما لا يثقل على من خلفه " (۱)

جماعت کا ثواب

سوال:- ہم جماعت کی آخری رکعت میں شریک ہوئے، ہماری پہلی تین رکعتیں چھوٹ گئیں، جسے ہم امام کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھتے ہیں، کیا ایسی صورت میں ہمیں جماعت سے نماز ادا کرنے کا ثواب ملے گا؟ (معصوم احمد، کاغذ نگر)

جواب:- امام مالکؒ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز کو پالیا۔

"من أدرك من الصلاة ركعة فقد أدرك الصلاة " (۲)

اس لیے ان شاء اللہ ایسے شخص کو بھی جماعت کا اجر حاصل ہوگا؛ البتہ اس کا یہ مطلب

---

(۱) کتاب التجنيس و المزيد لصاحب الهداية ۲:/۱۹

(۲) موطأ امام مالك :۱/۲۹۸

نہیں ہے کہ آدمی کسی معقول سبب کے بغیر خواہ مخواہ تاخیر سے جماعت میں پہنچے، کوشش تو یہ ہو کہ شروع ہی سے نماز میں شریک ہوں، لیکن کسی عذر کی بنا پر شروع میں شریک نہیں ہو سکا تو ایسی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں، ان شاء اللہ وہ جماعت کے اجر کا مستحق ہوگا۔

خود پچھلی صف میں کھڑے ہو کر دوسرے کو آگے جگہ دینا

سوال:- بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ صف میں ایک ہی آدمی کی گنجائش ہوتی ہے، میں نے بھی اس صف میں جگہ لینے کا ارادہ کیا اور کوئی استاذ یا بزرگ بھی صف کے آگے بڑھے، اگر میں صف میں کھڑا ہو جاؤں تو ان کو پیچھے کی صف میں کھڑا ہونا پڑے گا، ایسی صورت میں احتراماً طلبہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور استاذ کو آگے جگہ دے دیتے ہیں، کیا یہ صورت درست ہے؟ ایک استاذ نے کہا کہ ایسا کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ عبادت میں خود آگے بڑھنا چاہئے۔ (محمد ساجد، متعلم دار العلوم دیوبند)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ آگے کی صف میں جگہ حاصل کرنا فضیلت اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے؛ لیکن بڑوں کا احترام اور ان کی توقیر اس سے بھی افضل عمل ہے، اس لئے اساتذہ اور بزرگوں کے احترام میں خود پیچھے ہٹ جانا اور ان کو اگلی صف میں جگہ دے دینا بلا کراہت جائز ہے، فقہاء نے اس پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مشروب لایا گیا، آپ ﷺ کے دائیں طرف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے، جو بہت ہی کم عمر تھے، دوسری طرف بزرگ حضرات تھے، آپ ﷺ کے نوش فرمانے کے بعد جو بچ گیا، اصولی بات یہ تھی کہ وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو دیا جائے؛ کیوں کہ دائیں طرف وہی تھے؛ لیکن دوسری طرف معمر و بزرگ صحابہ بیٹھے ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے اجازت چاہی کہ اگر تم اجازت دو تو پہلے ان حضرات کو دے دوں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے

آپ ﷺ کا پس خوردہ ہونے اور اسی نسبت سے متبرک وسعادت ہونے کی وجہ سے اس کا جواب نفی میں دیا اور کہا کہ میں اس میں ایثار سے کام نہیں لے سکتا ،(۱) ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا پس خوردہ متبرک اور باعث سعادت ہے ، حضور ﷺ نے اس میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے ایثار کرنے کی خواہش فرمائی ، اس سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ فضیلت وقربت والے افعال میں بزرگوں کے مقابلہ ایثار سے کام لیا جاسکتا ہے ، علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے:

"وإن سبق أحد إلى الصف الأول فدخل رجل أكبر منه سناً أو أهل علم ، ينبغي أن يتأخر ويقدمه تعظيماً له إلخ " (۲)

اگر تشہد پورا ہونے سے پہلے امام کھڑا ہو جائے یا سلام پھیر دے؟

سوال:- بہت سی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر قعدہ میں بیٹھے ، ابھی تحیات پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ امام صاحب کھڑے ہو گئے یا قعدہ اخیرہ تھا اور امام صاحب نے سلام پھیر دیا ، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے ؟ کیا امام کے ساتھ ہی کھڑا ہو جائے اور سلام پھیر دے یا تحیات پورا کر کے کھڑا ہو اور سلام پھیرے؟

(امتیاز احمد ، مغل پورہ)

جواب:- قعدہ کی حالت میں تحیات پڑھنا یا پڑھنے کی مقدار بیٹھنا واجب ہے اور واجب کو حتی المقدور ادا کرنا چاہئے ، اگر اس کو پورا کر کے کھڑا ہو اور امام کو قیام کی حالت میں

---

(۱) بخاری ، حدیث نمبر: ۲۳۵۱ ، مسلم ، کتاب الاشربۃ ، حدیث نمبر: ۱۲۷

(۲) شامی ، کتاب الصلاۃ ، باب الإمامۃ ۲ : ۳۰۱

پالے تو واجب بھی ادا ہو جائے گا اور فرض بھی، اسی طرح اگر تشہد مکمل کر کے سلام پھیرے، تو دونوں واجب ادا ہو جائیں گے، تشہد پڑھنے کا بھی اور سلام پھیرنے کا بھی؛ اس لئے افضل طریقہ یہ ہے کہ تشہد پورا کر کے پھر کھڑا ہو یا سلام پھیرے؛ چنانچہ فقہاء نے اس کو ان صورتوں میں ذکر کیا ہے، جن میں امام کی اتباع واجب نہیں :

" إذا أدرك الإمام في التشهد وقام الإمام قبل أن يتم المقتدي أو سلم الإمام في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي التشهد ، فالمختار أن يتم التشهد ، كذا في الغياثية " (۱)

ٹخنہ سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہونا

سوال :- غیر حنفی حضرات جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے وقت سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں اور پیر پھیلا لیتے ہیں، بعض نمازیوں کو بسا اوقات اس سے شدید تکلیف (کمر میں درد وغیرہ) ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں دو راستے ممکن ہیں، یا تو ابتداء ہی میں ان سے دوری اختیار کر لیا جائے، یا پھر رکوع و سجود کی حالت میں خود اپنے پیروں کو پھیلا لیا جائے، مہربانی فرما کر بتائیں کہ کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں اور ان کا یہ عمل قابل اعتراض ہے یا نہیں؟

(ابوالمجاہد احمد جری، حیدرآباد)

جواب :- رسول اللہ ﷺ نے صفوں میں مل کر کھڑے ہونے اور فصل نہ چھوڑنے کی تلقین فرمائی ہے، اس کے لئے بطور تدبیر کے کاندھوں اور ٹخنوں کو ملانے کا ذکر آیا ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پاؤں بالکل پاؤں سے لگ جائے، یا انگلی، انگلی پر چڑھ جائے؛ بلکہ مقصود مل کر کھڑا ہونا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان میں اتنا فصل نہیں ہونا

---

(۱) ھندیہ : ۱/ ۹۰، الفصل السادس فیما یتابع الإمام وفیما لا یتابع

چاہئے کہ بکری کا بچہ نکل جائے؛ اس لئے نماز پڑھنے والوں کو ایسے عمل سے بچنا چاہئے جس سے آپ کے بازو میں نماز پڑھنے والا شخص تشویش میں پڑ جائے اور آپ کے لئے بھی یہ طرز عمل مناسب نہیں ہے، جس سے بازو کے نمازی کو تکلیف ہو، مسجد ایک دوسرے کی رعایت کرنے کی جگہ ہے، نہ کہ ایک دوسرے کو تکلیف پہنچانے کی، صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ ان کو سنجیدگی سے سمجھائیں کہ وہ اپنا پاؤں تھوڑا سا سمیٹ کر رکھیں، تاکہ پڑوسیوں کو تکلیف نہ ہو، ایسے مسائل میں نزاع اور شدت سے بچنا چاہئے اور اسلامی اخوت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔

امام کے سجدۂ سہو کے بعد اقتداء

سوال:- میں اپنے محلہ کی مسجد میں جماعت میں شامل ہوا، امام صاحب تحیات میں تھے، سلام پھیرنے کے بعد میں اٹھا اور نماز پوری کرلی، بعد میں معلوم ہوا کہ امام صاحب سجدۂ سہو کا سلام پھیر چکے تھے، نماز کا سلام باقی تھا، میں سجدۂ سہو کے بعد نماز میں شامل ہوا تو کیا میری نماز درست ہوگئی؟ (محمد احمد، نصاحب ٹینک)

جواب:- جب تک امام آخری سلام نہیں پھیر لے، وہ نماز ہی میں ہوتا ہے؛ اس لئے اگر سجدۂ سہو کرنے کے بعد بھی کوئی شخص نماز میں شامل ہو جائے، تو اس کا اقتداء کرنا درست ہوگا اور نماز ادا ہو جائے گی:

"اقتدی بإمام سلم علیه سجود السهو، إن سجد الإمام للسهو صح الاقتداء وإلا فلا" (۱)

اس لئے آپ کی نماز درست ہوگئی۔

مسجد میں دوسری جماعت

سوال:- جماعت سے مسجد میں نماز ہونے کے بعد کیا

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندیة ۱/۲۲۔

دوسری جماعت بنائی جا سکتی ہے؟

(سید جلال الدین افضل، شاہ علی بندہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں معمول مبارک ایک ہی بار کی جماعت کا تھا، فرض نماز کی ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت اس طرح کرنا کہ امام اور مقتدی اسی فرض نماز کو ادا کر رہے ہوں، حدیث سے ثابت نہیں، نیز تکرار جماعت سے اصل جماعت کی اہمیت لوگوں کے ذہن میں کم ہو جاتی ہے؛ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ اور بہت سے فقہاء کے نزدیک عام حالات میں دوسری جماعت مکروہ ہے؛ البتہ یہ کراہت اس وقت ہے جبکہ مسجد محلہ ہو، یعنی مسجد میں امام مقرر ہو اور اہل محلہ اس میں پنجوقتہ نماز ادا کرتے ہوں، اگر مسجد سوق ہو، یعنی بازار اور راستہ کی مسجد، جس میں آنے جانے والے لوگ نماز ادا کر لیا کرتے ہوں تو اس میں دوبارہ جماعت کی جا سکتی ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے پہلی جماعت کی کثرت متاثر نہیں ہوتی، اسی طرح محلہ کے لوگ نماز ادا کر لیں، اس کے بعد باہر سے آنے والے نو وارد حضرات اپنی جماعت کرلیں، یا باہر کے لوگوں نے اپنی جماعت کی اور بعد میں اہل محلہ نے جماعت کی تو اس کی بھی گنجائش ہے؛ کیوں کہ نو وارد کی جماعت کی وجہ سے مسجد کے مستقل مصلیان کی جماعت متاثر نہیں ہوتی، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ پہلے جس جگہ پر جماعت کی گئی ہے، اب وہاں سے ہٹ کر جماعت کی جائے، (۱) —— پس دوسری جماعت کی عادت بنالینا درست نہیں؛ لیکن اگر کبھی اتفاقاً کسی وجہ سے جماعت چھوٹ گئی اور اس جگہ سے ہٹ کر جماعت بنائی گئی تو اس کی گنجائش ہے۔

امام کے رکوع سے اٹھتے ہوئے مقتدی کا رکوع میں جانا

سوال:- نماز کی جماعت میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ شریک ہوا، لیکن امام صاحب جب رکوع میں گئے، تو دعاء افتتاحیہ، ثنا اور پھر سورہ فاتحہ پڑھنے میں مشغول ہو گیا، جس

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار: ۲/۲۸۸، منحة الخالق: ۱/۶۰۵

میں اس قدر تاخیر ہوئی کہ امام صاحب رکوع سے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے ہوئے اٹھنے لگے اور میں رکوع میں داخل ہوا، تو کیا نماز مکمل ہوگئی یا پھر ایک رکعت چھوٹ گئی، جسے دوبارہ پڑھنا پڑے گا، اگر دوبارہ رکعت نہیں پڑھی گئی، تو کیا دہرانا پڑے گا یا ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنے سے کام چل جائے گا، جب کہ مقتدی ہوں؟ (سید فضل جلال الدین، شاد علی بنڈہ)

جواب:- جب امام رکوع میں ہو اور اندازہ ہو کہ ثناء پڑھنے کے باوجود امام کو رکوع میں پاسکے گا، تب تو ثناء پڑھنا چاہئے، ورنہ تکبیر تحریمہ کہہ کر سیدھے رکوع میں چلا جانا چاہئے، اس کے علاوہ مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کا پڑھنا اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، بہر حال آپ کا تحریمہ درست ہوگیا، اگر آپ نے امام کے پوری طرح کھڑے ہونے سے پہلے ہی رکوع کرلیا، تو آپ اس رکعت کو پانے والے سمجھے جائیں گے اور اگر آپ کے رکوع میں جانے تک امام بالکل کھڑا ہو چکا تھا، تو آپ کی رکوع میں شرکت نہیں ہوسکی، اس لئے آپ اس رکعت کو پانے والے نہیں سمجھے جائیں گے۔(۱) ایسی صورت میں اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد آپ نے وہ رکعت ادا نہیں کی، تو آپ کی نماز ادا نہیں ہوئی، آپ کو دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے، اگر وقت کے اندر نہیں پڑھ پائے، تو اب قضاء کرنی ضروری ہے۔

مسجد میں جائے یا قیام کے ساتھ نماز ادا کرے؟

سوال:- میں ایک مریض ہوں، قلب کا عارضہ بھی ہے، گھر سے مسجد جاؤں، تو چند ہی قدم پر ہے، مگر مسجد جاؤں تو سانس پھولنے لگتی ہے، جس سے نماز میں کھڑا نہیں ہوسکتا، گھر پر نماز پڑھوں تو قیام کرسکتا ہوں اور مختصر سورت پڑھ کر فرض پورا کرلیتا ہوں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے، خود پہنچ کر جماعت میں شریک

(۱) ہدایہ ۱/۱۵۳

ہوں اور بیٹھ کر نماز ادا کر لوں یا اپنے گھر پر ہی کھڑے ہو کر فرض نماز ادا کروں؟ (احمد شریف قادری، مصری گنج)

جواب:- اس صورت میں آپ گھر ہی میں کھڑے ہو کر نماز ادا کریں، گو اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان کسی قدر اختلاف رائے ہے، مگر راجح یہی ہے؛ کیوں کہ قیام نماز کا رکن ہے، اور مسجد کی جماعت میں حاضری سنت مؤکدہ یا واجب علی الکفایہ ہے، ہاں! اگر گھر ہی میں اہلیہ کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ جماعت بنا سکتے ہوں، تو یہ بہتر ہے۔

"ولو أضعفه عن القيام الخروج لجماعة صلى في بيته قائما، به يفتى" (۱) "وجهه أن القيام فرض بخلاف الجماعة" (۲)

نماز با جماعت کی فضیلت کب حاصل ہوگی؟

سوال:- تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی فضیلت اور اس کا اجر و ثواب زیادہ ہے، تو یہ فضیلت کب حاصل ہوگی؟ کیا نماز میں شروع سے آخر تک شرکت ضروری ہے یا اکثر رکعتوں کا پانا ضروری ہے؟

جواب:- اگر آپ نماز کے آخری جز میں بھی امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائیں، جیسے قعدۂ اخیرہ میں شامل ہوں تو آپ کی نماز امام سے مربوط ہو جاتی ہے؛ اسی لئے آپ تشہد کے کلمات پڑھتے ہیں اور امام سجدۂ سہو کرے تو اس کے ساتھ شرکت کرتے ہیں اور جماعت اصل میں امام اور مقتدی کے ارتباط کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز ہی کو کہتے ہیں؛ اس لئے فقہاء احناف کے نزدیک جو رائے معتبر ہے، وہ یہ ہے کہ اگر نماز کے ایک جز میں بھی امام کے ساتھ شرکت ہو جائے تو وہ جماعت کا پانے والا سمجھا جائے گا اور ان شاء اللہ جماعت

(۱) الدر المختار: ۵/۳۰۶، باب صلاة المريض

(۲) رد المحتار: ۲/۱۳۳، باب صفة الصلاة

کی نماز کا اجر و ثواب اسے حاصل ہوگا:

"یحصل بإدراك أقل الصلاة مع الإمام ولو كان ذلك

آخر القعدة الأخيرة قبل السلام إلخ" (۱)

البتہ جتنی دیر امام کے ساتھ شرکت ہوا اسی کے لحاظ سے وہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا اس لئے کوشش یہی ہونی چاہئے کہ آدمی جلد سے جلد نماز میں پہنچے اور پوری جماعت میں شریک ہونے کی کوشش کرے۔

سبق کی وجہ سے تاخیر جماعت

سوال:- میں انٹر کا طالب علم ہوں، ہمارے کالج میں ظہر کی نماز کے وقت تعلیمی گھنٹہ رہتا ہے اور نماز کے لئے جانے کی اجازت نہیں رہتی، ایسی صورت میں کیا ہم لوگ سبق ختم ہونے کے بعد الگ جماعت بنا کر نماز ادا کر سکتے ہیں اور کیا اس میں ہمیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا پہلی جماعت میں ملتا؟ (زبیر احمد، تالاب ٹ)

جواب:- نماز میں جماعت کی بڑی اہمیت ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے؛ لیکن اگر واقعی کوئی معقول عذر ہو تو جماعت واجب نہیں رہتی؛ کیونکہ شریعت میں مجبوری کا لحاظ رکھا گیا ہے: "وتسقط الجماعة بالأعذار" (۲) قریبی مسجد میں جماعت کے وقت تعلیم اور انتظامیہ کی جانب سے چھٹی کا نہ ملنا بھی ایک عذر ہے؛ اس لئے آپ مسجد کی جماعت میں شریک نہ ہونے کی بنا پر گنہگار نہ ہوں گے؛ لیکن — جیسا کہ آپ نے لکھا ہے — آپ حضرات اپنی خصوصی جماعت بنالیں، یہ بہتر صورت ہے، اس سے جماعت کا اجر بھی حاصل ہوگا اور آپ کے رفقاء کو نماز پڑھنے کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی؛ کیونکہ اجتماعی احول کی وجہ سے نیکی کی ترغیب ہوتی ہے اور اس کا انجام دینا آسان ہوتا ہے، اگر آپ اسکول میں یا مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ جماعت بنائیں تو حسب سہولت کہیں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں اور اگر

---

(۱) کبیری: ص: ۵۱۰ (۲) الفتاوی الهندیة: ۱/۸۳

مسجد میں جماعت بنائیں، جہاں پہلے جماعت ہو چکی ہے، تو پہلے جس جگہ پر نماز ہوئی تھی، وہاں سے کسی قدر ہٹ کر جماعت بنائیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو علم نافع عطا فرمائے اور عمل صالح کی توفیق سے بھی سرفراز کرے۔

جماعت میں غیر مسلم کی شرکت

سوال:- اگر کسی غیر مسلم کو نماز باجماعت میں جان بوجھ کر یا بھول کر شامل کر لیا جائے تو کیا پڑھانے والے اور مقتدیوں کی نماز پر اس کا کچھ اثر ہوگا قرآن وسنت سے کیا غیر مسلم کو نماز میں شامل کرنے کی اجازت ہے؟

(عبدالمجیب، شاہین نگر)

جواب:- کسی غیر مسلم کو نماز میں شرکت کی دعوت دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ جب تک وہ ایمان نہیں لائے، اس وقت تک وہ شریعت کے جزوی وفروعی احکام کا مخاطب نہیں ہوتا؛ البتہ اگر دعوت کے بغیر کوئی غیر مسلم جماعت میں آکر شریک ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منافقین نماز پڑھا کرتے تھے، آپ ﷺ ان کے کفر سے واقف تھے؛ بلکہ ان میں بعض لوگوں کا کافر ہونا صحابہؓ میں معروف تھا، پھر بھی ان سے کچھ تعرض نہیں کیا جاتا تھا، غرض کہ غیر مسلم کی جماعت میں شرکت کی وجہ سے امام ومقتدی کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

جذامی کا مسجد آنا

سوال:- نماز باجماعت میں ایک ایسا شخص آتا ہے جو جذامی ہے، لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں، اور اگر وہ جماعت میں شریک ہو تو بازو والے کو نماز میں یکسوئی نہیں ہوتی، کیا ایسے شخص کو جماعت میں شریک کر سکتے ہیں، اور کیا اسے

مسجد میں آنے سے منع کیا جاسکتا ہے؟ (بلال احمد، بہار)

جواب:- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو کوئی پیاز لہسن کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے" (۱) اس حدیث کے ذیل میں علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ اس ممانعت کی وجہ فرشتوں اور مسلمانوں کو ایذاء سے بچانا ہے؛ لہذا ہر بدبودار چیز کو یہ حکم شامل ہے، خواہ وہ چیز کھائی جانے والی ہو یا نہ ہو؛ چنانچہ علامہ شامیؒ کا بیان ہے:

"جس کے منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہو، اس کا بھی یہی حکم ہوگا، یعنی اسے بھی مسجد میں آنے سے روکا جائے گا" (۲)

پھر فرماتے ہیں کہ جس شخص کو جذام یا برص ہو، اس کے لئے بدرجہ اولیٰ یہی حکم ہوگا:

"والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق" (۲)

اور سحنون مالکیؒ سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات پر جمعہ واجب نہیں ہوگا۔

لہٰذا جو شخص جذام کا مریض ہو، اسے چاہئے کہ مسجد جانے کے بجائے گھر ہی میں نماز ادا کرلے، ان شاء اللہ اس کو اس کی نیت کی وجہ سے مسجد جانے کا اجر ہوگا، نیز اپنے مسلمان بھائیوں کو اذیت سے بچنے کا ثواب مزید حاصل ہوگا، ایسے لوگوں کو خوش تدبیری اور خوش گفتاری کے ساتھ مسجد آنے سے روکا جاسکتا ہے۔

صف کے درمیان بیٹھ کر نماز ادا کرنا

سوال:- کیا مؤذن امام کے پیچھے بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کرسکتا ہے؟ واضح رہے کہ اس صورت میں صفوں کے درمیان عجب سا خلل محسوس ہوتا ہے۔

(عبدالرحیم، کریم نگر)

جواب:- معذور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور ایسا شخص امام کے پیچھے بھی

---

(۱) ترمذی: ۳/۲

(۲) رد المحتار: ۲/۴۳۵

بیٹھ کر نماز ادا کر سکتا ہے، اس کا بیٹھنا کھڑے ہونے کے حکم میں ہے، تاہم عموی طور پر اگر دشواری نہ ہو تو ایسے معذور شخص کا صف کے کنارہ بیٹھ کر نماز پڑھنا بہتر محسوس ہوتا ہے؛ تاکہ ظاہری طور پر صف میں خلل محسوس نہ ہو۔

❁❁❁❁❁

مسبوق کا بیان

مسبوق کے لئے ثناء اور تعوذ

سوال:- اگر نمازی کی ایک یا دو رکعت نماز چھوٹ جائے اور وہ نماز چار رکعت والی ہے تو نمازی امام کے سلام پھیرنے کے بعد ثناء پڑھے گا یا نہیں؟ (شیخ لیسین، آصف نگر)

جواب:- جس شخص کی بعض رکعتیں فوت ہوگئی ہوں، اس کو فقہ کی اصطلاح میں "مسبوق" کہتے ہیں، مسبوق کا حکم یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ جو رکعتیں ادا کرتا ہے، ان میں اس کی حیثیت تنہا نماز پڑھنے والے کی ہوتی ہے؛ اس لئے امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب وہ کھڑا ہو تو ثناء بھی پڑھے گا اور اعوذ باللہ بھی اور پھر قرآن مجید کی تلاوت بھی کرے گا:

" منفرد فيما يقضيه بعد فراغ إمامه فيأتي بالثناء والتعوذ ...." (۱)

چار رکعت والی نماز میں ایک رکعت پانے والا کس طرح نماز ادا کرے؟

سوال:- اگر ظہر، عصر میں ہم کو صرف اخیر کی ایک ہی

---

(۱) در مختار مع الرد: ۲/۳۴۷

رکعت باجماعت ملی تو باقی تین رکعت ہم کس طرح ادا کریں، پہلی
پہلے ایک اور رکعت پڑھ کر قعدہ میں بیٹھ کر باقی دو رکعت اس طرح
ادا کریں، یا پہلے دو رکعت پڑھ کر قعدہ سے اٹھنے کے بعد چوتھی
رکعت مکمل کریں اور اسی طرح مغرب کی نماز میں بھی اگر اخیر کی
ایک رکعت ہی جماعت سے ملے تو باقی دو رکعت ایک قعدہ سے مکمل
کریں یا دو قعدوں سے مکمل کرنا ہوگا؟ (سنند، مشیرآباد)

جواب:- ایسی صورت میں آپ چھوٹی ہوئی رکعتوں میں جو پہلی رکعت ادا کریں گے، وہ آپ کی دوسری رکعت ہوگی، اس میں آپ قعدۂ اولیٰ کریں گے:

"ولو أدرك ركعة من ذوات الأربع صلى ركعة بفاتحة و سورة و تشهد ثم صلى أخرى بفاتحة وسورة و لا يتشهد" (1)

چھوٹی ہوئی رکعتیں کس طرح ادا کی جائیں؟

سوال:- میں نے عشاء کی فرض نماز میں ایک رکعت پائی، بعد کی تین رکعتیں کس ترتیب سے پڑھی جائیں، اور کن رکعتوں میں ضم سورت کرنا ہوگا؟ (محمد حلیم، سلطان شاہی)

جواب: جب آپ چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کو کھڑے ہوں، تو پہلی رکعت کے ختم پر قعدہ کرلیں، اور قعدہ میں صرف تشہد پڑھیں، اس کے بعد دو رکعت پوری کر کے قعدۂ اخیرہ کرلیں، نیز فوت شدہ رکعتوں کو ادا کرتے ہوئے پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملائیں، اور آخری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھ لیں، فقہاء نے اس مسئلہ میں اصول لکھا ہے کہ جو چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کی جاتی ہیں، وہ قرأت کے اعتبار سے ابتدائی رکعتیں

---

(1) الفتاوی الهندية ۱/۹۱

ہیں، یعنی ان میں سورت ملائی جائے گی، اور تشہد کے اعتبار سے بعد کی رکعتیں ہیں یعنی اسے دوسری رکعت سمجھتے ہوئے قعدۂ اولیٰ کیا جائے گا:

"و يقضي أول صلاته في حق قراءة و آخرها في حق تشهد ، فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة و سورة و تشهد بينهما ، و رابعة الرباعي بفاتحة فقط و لا يقعد قبلها" (۱)

چھوٹی ہوئی رکعتوں کے ادا کرنے کا طریقہ

سوال:- ظہر، عصر اور عشاء کی چار فرض رکعت میں امام کے ساتھ دیر سے شامل ہوا، پہلی، دوسری رکعت چھوٹ گئی، تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد نماز کس طرح پوری کرنی چاہئے، پہلی دوسری چھوٹی ہوئی رکعت میں الحمد کے بعد سورہ ملانا ضروری ہے، یا صرف سورۂ فاتحہ پڑھ لینا کافی ہوگا؟ (رحیم اللہ، مغل پورہ)

جواب:- جس آدمی کی ابتدائی رکعتیں چھوٹ گئی ہوں، جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرتا ہے تو اس کے حق میں اس کی حیثیت ابتدائی رکعتوں کی ہوتی ہے؛ لہٰذا اگر پہلی اور دوسری رکعت چھوٹ گئی اور چار رکعت والی نماز تھی تو چھوٹی ہوئی نماز کو ادا کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ سورہ کا ملانا بھی ضروری ہے، ہاں اگر تیسری رکعت چھوٹی ہو تو سورہ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کرلیا جائے؛ بلکہ اگر سورۂ فاتحہ بھی نہیں پڑھ پائے تب بھی نماز ہو جائے گی:

"ولو أدرك ركعة من الرباعية فعليه أن يقضي ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة ويتشهد ، ويقضي ركعة

---

(۱) رد المحتار: ۲/ ۳۴۷

أخري كذلك ولا يتشهد ، وفي الثانية بالخيار والقراءة أفضل ، ولو أدرك ركعتين قضى ركعتين بقراءة " (۱)

مسبوق نماز مکمل کرنے کے لئے کب کھڑا ہو؟

سوال:- جو شخص بعد میں جماعت میں شریک ہوا ہو اور اس کی بعض رکعتیں چھوٹ گئی ہو، امام کے نماز مکمل کرنے کے بعد اس کو کب کھڑا ہونا چاہئے، پہلے سلام کے بعد یا دوسرے سلام کے بعد؟ (نام غیر مذکور، حیدرآباد)

جواب:- جو آدمی بعد میں آکر جماعت میں شریک ہوا، اسے "مسبوق" کہتے ہیں، مسبوق کا حکم یہ ہے کہ اگر امام پر سجدۂ سہو واجب ہو تو امام کے ساتھ ساتھ اسے بھی سجدۂ سہو کرنا پڑے گا؛ لہٰذا فقہاء نے کہا ہے کہ جب اسے اطمینان ہو جائے کہ امام پر سجدۂ سہو نہیں ہے، تب اسے بقیہ رکعتوں کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہونا چاہئے: " وينبغي أن يصبر حتى يتقين أنه لا سهو على الإمام " (۲) —— جب تک امام دوسرا سلام شروع نہ کرے اس وقت تک اس کا احتمال رہتا ہے کہ شاید امام سے سہو ہو گیا ہو، اور اسے سجدۂ سہو کی ضرورت ہو؛ اس لئے پہلا سلام پھیرنے کے بعد جب امام دوسرا سلام شروع کرے تو اس وقت مسبوق کو کھڑا ہونا چاہئے، دوسرے سلام کے مکمل ہونے کا انتظار کرنا ضروری نہیں۔

مسبوق کو کب ثناء پڑھنا چاہئے؟

سوال:- جماعت ہو رہی تھی کہ کوئی مقتدی دوسری رکعت میں شریک ہو گیا، کیا وہ تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا بھی پڑھ لے یا پہلی رکعت- جو چھوٹ گئی تھی- اس وقت ثنا پڑھے؟ افضل عمل کونسا ہے؟

(احمد سعید اطہر، منجریال)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۹۱ (۲) الدر مع الرد :۱/۳۴۲

جواب :- اگر دوسری رکعت شروع ہونے کے بعد نماز میں شریک ہوا تو اس وقت ثناء پڑھنا درست نہیں ، قیام کی حالت میں امام قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور جب امام قرآن مجید کی تلاوت کرے تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے ؛ اس لئے جب چھوٹی ہوئی رکعت کو پوری کرنے کے ارادہ سے اٹھے تو اس وقت پہلے ثنا پڑھے ، پھر سورہ فاتحہ ، ہاں جس وقت جماعت میں شریک ہوا ، اگر امام سجدہ کی حالت میں ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مقتدی کی وہ رکعت شمار نہیں ہوگی ، تو اس وقت بھی ثنا پڑھ لینے کی گنجائش ہے ؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرتے وقت ثنا پڑھی جائے ؛ کیوں کہ وہ رکعت مسبوق شخص کے حق میں پہلی رکعت ہے اور پہلی رکعت ہی ثنا پڑھنے کا اصل محل ہے ، اس کے علاوہ امام کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے ، اگر امام سجدہ میں ہو اور مقتدی سجدہ میں جانے کی بجائے ثنا پڑھنے لگے تو یہ امام کی اتباع کے مغائر ہے ۔ (۱)

مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیر دے ؟

سوال :- جماعت کے ساتھ میری ایک رکعت چھوٹ گئی ، امام صاحب کے ساتھ میں نے سلام پھیر دیا ؛ لیکن مجھے یاد آیا کہ رکعت چھوٹ گئی ہے تو میں نے ایک رکعت ادا کر لی ، کیا اس صورت میں نماز ہوگئی یا مجھے سجدہ سہو کرنا چاہئے تھا ؟

(عبد الرحیم ، آرمور)

جواب :- اگر یہ یاد رکھتے ہوئے کہ میری ایک رکعت باقی ہے امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور از سر نو نماز ادا کرنی ہوگی ، اگر یہ خیال نہ رہا ہو ، بھول کر سلام پھیرے ، تو اگر امام کے سلام سے پہلے یا اس کے ساتھ ساتھ پھیر دے تو چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے ، یہ نماز ہوگئی اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ؛ کیونکہ مقتدی کے سہو کی وجہ

(۱) البحر الرائق : ۱/۳۴۲

سے اس پر سجدہ واجب نہیں ہوتا، اور اگر امام کے سلام ختم ہونے کے بعد سلام پھیرا، تو چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے، لیکن اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا؛ کیونکہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کا حکم تنہا نماز پڑھنے والے شخص کا ہے اور تنہا نماز ادا کرنے والے سے سہو ہو تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہے:

"فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء فإن سلم، فإن كان عامدا فسدت وإلا لا، وليس السجود عليه إن سلم سهوا قبل الإمام أو معه وإن سلمه بعده لزمه لكونه منفردا حينئذ" (۱)

---

(۱) ردالمحتار: ۲/۶۹۵

امامت کا بیان

امامت کی نیت

سوال:- جب ہم فرض نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو "تابع اس امام کے" کہہ کر ہاتھ باندھتے ہیں، جو شخص امامت کررہا ہو، کیا اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ اپنے مقتدیوں کے بارے میں نیت کرے؟ (شاہ محمد یونس سرمست، رائچور)

جواب:- مقتدی کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام کی نیت کرے؛ لیکن امام کے لیے اگر اقتداء کرنے والے مرد حضرات ہوں تو ان کی نیت کرنا ضروری نہیں، ہاں، اگر اقتداء کرنے والوں میں خواتین بھی ہوں تو اس وقت حنفیہ کے نزدیک ان کی امامت کی نیت بھی کرنی چاہئے:

"وهل يحتاج إلى نية الإمامة ؟ أما نية إمامة الرجال فلا يحتاج إليها، و يصح اقتداء هم به بدون نية إمامتهم" (۱)

شافعی کے پیچھے حنفی کی نماز

سوال:- کیا امام شافعی کے مسلک سے تعلق رکھنے والے

(۱) بدائع الصنائع :۱/۳۲۰، نیز دیکھئے: فتح القدیر :۱/۲۲۲

امام کے پیچھے حنفی، مالکی اور حنبلی مقتدیوں کی نماز درست ہوسکتی ہے، جب کہ ایک مسجد میں مقتدیوں کی غالب تعداد حنفی مسلک سے تعلق رکھتی ہے؟ (مبین احمد خاں، پربھنی)

جواب :- ائمہ مجتہدین کے درمیان اکثر اختلاف 'زیادہ اور کم بہتر' کا ہے، اور ان مسائل میں اختلاف رائے حضرات صحابہ ﷺ کے عہد سے ہے، اور صحابہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے، فقہاء حنفیہ میں امام ابوبکر جصاص رازی، علامہ ابن ہمام اور ان کے استاذ شیخ سراج الدین وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے؛ البتہ جس مسجد میں جس نقطۂ نظر پر عمل کرنے والوں کی زیادہ تعداد ہو، مناسب ہے کہ اس میں اسی مسلک کا امام ہو؛ کیوں کہ امام ایسا ہونا چاہئے، جس کی طرف مقتدیوں کو زیادہ سے زیادہ رغبت ہو، اور ہم خیال ہونا بھی رغبت کے اسباب میں سے ایک ہے، —— بہر حال ایسے مسائل کو باہمی اختلاف و انتشار کا سبب نہیں بنانا چاہئے۔

امام کی جائے نماز نیچے ہو

سوال :- میں نے اہل تشیع کی مسجد میں دیکھا ہے کہ امام کے نماز پڑھانے کی جگہ مصلیوں سے قریب ایک ہاتھ نیچے ہوتی ہے، امام کا اس طرح نیچے کھڑا ہونا کیسا ہے؟ (احمد علی، سلطان شاہی)

جواب :- رسول اللہ ﷺ صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے، اور آپ کے نماز پڑھانے کی جگہ اور صحابہ کے پڑھنے کی جگہ ایک ہی ہوا کرتی تھی؛ اس لئے اہل سنت والجماعت کے نزدیک امام اور مقتدی کی سطح ایک ہی ہونی چاہئے، یہ بات کہ امام تنہا ایک ہاتھ اونچی جگہ پر ہو اور سارے مقتدی نیچے ہوں، یا مقتدی ایک ہاتھ اونچے اور امام ایک ہاتھ نیچے ہوں، مکروہ ہے، سوائے اس کے کہ کوئی عذر ہو، یا امام کے ساتھ مقتدیوں کی بھی ایک صف موجود ہو، ایسی صورت میں کراہت نہیں :

" ... و إنفراد الإمام على الدكان ... وكره عكسه في

الأصح وهذا كله عند عدم العذر " (۱)

سنت فجر پڑھے بغیر فرض کی امامت

سوال:- فجر کی جماعت کا وقت ہو چکا تھا کہ پیش امام صاحب تشریف لائے اور مکان میں بھی سنتیں پڑھ کر نہیں آئے ، ایسے میں بغیر فجر کی سنتیں ادا کئے فرض نماز کی امامت کر سکتے ہیں یا مصلیوں کو چاہئے کہ امام صاحب کے دو رکعت سنت ادا کرنے تک انتظار کریں ؟ احکام شرعی کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں تو نوازش ہوگی ۔ (محمد عبداللہ ، نجر یال)

جواب:- اولاً تو خود امام صاحب کو چاہئے کہ جماعت کے وقت سے پہلے سنت ادا کرلیں ، خواہ گھر میں ادا کریں یا مسجد میں ؛ کیوں کہ جماعت کا جو وقت متعین ہوتا ہے ، وہ منتظمین کی طرف سے وعدہ کے درجہ میں ہے کہ فلاں وقت میں جماعت شروع کردی جائے گی اور وعدہ کو پورا کرنا ضروری ہے ؛ لیکن اگر کبھی اتفاقاً امام صاحب مقررہ وقت سے پہلے سنت نہیں پڑھ سکیں تو مقتدیوں کو انتظار کرنا چاہئے اور امام کو سنت پڑھنے کا موقع دینا چاہئے ، رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک حجرۂ شریفہ میں سنت ادا کرنے کا تھا ، اور جب تک آپ ﷺ باہر تشریف نہیں لاتے صحابہ انتظار کرتے رہتے تھے ، آپ کی تشریف آوری کے بعد نماز شروع ہوتی تھی —— لیکن بہر حال فجر کی فرض نماز کا ادا ہونا سنت پڑھنے پر موقوف نہیں ہے ، اگر امام صاحب نے سنت ادا نہیں کی اور فرض نماز پڑھادی تو گو ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے ؛ لیکن کسی نقص کے بغیر مقتدیوں کی نماز فجر ادا ہوگئی ۔

صرف نماز جمعہ ہی پڑھنے والے شخص کے پیچھے نماز

سوال:- کیا کوئی مصلی ایسے امام کے پیچھے نماز جمعہ ادا

(۱) در مختار ۲ / ۵۱۳ ۔

کرسکتا ہے، جو خود بے نمازی ہو، صرف جمعہ کی ہی نماز کی امامت کرتا ہو اور مصلیوں کو یقین کے ساتھ یہ علم ہو کہ وہ صرف جمعہ کی امامت کے علاوہ دوسری کوئی نماز ادا نہیں کرتا (یعنی وہ بے نمازی ہو) تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے؟ اس کے علاوہ وہ اپنی ازدواجی زندگی (اپنی بیوی اور اولاد) کی ذمہ داری سے لاپرواہی برتتے ہوئے ان کے ساتھ نہایت گالی گلوج اور غیر اسلامی رویہ اختیار کرتا ہو، ایسا شخص کیسے امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے، ایک عام مسلمان کے لئے بھی اس طرح کی حرکات کا انجام دینا کفر کے قریب لے جاسکتا ہے تو پھر ایک امام وخطیب سے اگر اس طرح کے اعمال سرزد ہوں تو کیسے کوئی اس کی امامت قبول کرے؟

(محمد شفیق پاشاہ، لاڈ بازار)

جواب:- امام ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہئے، جو عمل کے اعتبار سے لوگوں میں زیادہ بہتر (أورع) ہو، نماز نہ پڑھنے والا شخص فاسق ہے، اور فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے: "ویکرہ تقدیم العبد والأعرابي والفاسق ... الخ" اسی طرح فاسق شخص کا امامت کرنا مکروہ ہے:

"یجوز إمامة الأعراب .... والفاسق ، إلا أنها تکرہ" (۲)

اس لئے مسجد کے ذمہ داروں کا ایسے شخص کو امام بنانا اور خود اس شخص کا اپنی کیفیت سے واقف ہونے کے باوجود امامت کرنا گناہ ہے؛ البتہ مقتدی حضرات اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں تو نماز ادا ہو جائے گی؛ بلکہ تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ ایسے شخص کے پیچھے نماز ادا کرلینا بہتر ہے:

"صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة ، أفاد أن الصلاة خلفهما أولی من الانفراد" (۳)

---

(۱) ہدایہ: ۱/۱۰۱ (۲) فتاوی ہندیہ: ۱/۸۴ (۳) رد المحتار: ۲/۳۰۱

کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کسی بھی مسلمان کے پیچھے ہو جاتی ہے، چاہے وہ نیک ہو یا بد، اور چاہے وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو:

" الصلاۃ المکتوبة واجبة خلف کل مسلم ، برًا کان أو فاجرًا ، وإن عمل الکبائر " (۱)

حاصل یہ ہے کہ:

(الف) امام صاحب کو اس حرکت سے توبہ کر لی چاہئے ، بالقصد نماز چھوڑنا تو کسی مسلمان کے بھی شایانِ شان نہیں، چہ جائیکہ کسی امام کے۔

(ب) منتظمین مسجد کو چاہئے کہ اگر یہ بات درست ہو تو امام صاحب کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں۔

(ج) مقتدیوں کو چاہئے کہ جب تک کوئی تبدیلی نہ آ جائے، کراہت خاطر کے ساتھ نماز ادا کرتے رہیں، اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو ٹوٹنے سے بچائیں۔

امامت سے پہلے صف کی درستگی کی تلقین

سوال:- نماز کے لیے اقامت کہنے کے بعد صف بندی کے لیے امام صاحب یا مؤذن صاحب کا یہ کہنا کہ پہلی صف مکمل کرو، کندھے سے کندھا ملا کر ٹھہرو، بچے پیچھے کی صفوں میں ٹھہریں، بچے شرارت کریں تو ان کو خاموش بٹھاؤ، کہاں تک درست ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طاہر، دبیخ احمد الدولہ)

جواب:- صحابہ ؓ نقل کرتے ہیں کہ جب نماز قائم کی جاتی تو حضور ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوتے ، آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک بھی ہماری طرف ہوتا اور تلقین فرماتے، اپنی صفوں کو سیدھی کرو اور مل کر کھڑے ہو: " ... أقيموا صفوفكم و تراصوا " (۲)، اس لیے

(۱) أبو داؤد ، حدیث نمبر: ۵۹۴ ، باب إمامة البر والفاجر

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۷۱۹، باب إقبال الإمام علی الناس

امام صاحب کا یا مؤذن صاحب کا اقامت کے بعد لوگوں کو متوجہ کرنا کہ وہ اپنی صفیں مکمل کرلیں بچوں کو بچوں کی صف میں کھڑا کریں اور انہیں پرسکون کردیں، جائز بلکہ مستحب ہے؛ اس لئے کہ اس سے نماز کو اس کے آداب کے ساتھ ادا کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔

امامت کی جگہ

سوال:- درمیان سے ہٹ کر ایک کونہ سے امامت کی جاسکتی ہے؟ جبکہ درمیان میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ موجود ہو؟ (سید افضل نقشبندی، شاہ علی بنڈہ)

جواب:- امام کو چاہئے کہ مسجد ہو تو محراب میں اور عام جگہوں پر درمیان میں کھڑا ہو، دونوں طرف آدھی آدھی صفیں ہوں، اگر ایک کونہ میں کھڑا ہوجائے تو اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے؛ اس لئے قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے؛ البتہ اگر امام نے نمازیوں کی کم تعداد کو دیکھتے ہوئے ایک جگہ کھڑے ہوکر نماز پڑھانی شروع کی اور بعد کو ایک طرف کی صف لمبی ہوگئی اور امام ایک کونہ میں چلا گیا تو اس میں چونکہ قصد وارادہ کا دخل نہیں؛ اس لئے کراہت بھی نہیں ہے، البتہ مسجد میں چونکہ محراب اسی مناسبت سے بنائی جاتی ہے؛ اس لئے محراب میں امام کو کھڑا ہونا چاہئے۔

امام کہاں کھڑا ہو؟

سوال:- ہمارے محلہ کی مسجد پہلے چھوٹی تھی، اسی لحاظ سے درمیان میں محراب بنائی گئی تھی، بعد میں مسجد تنگ پڑ جانے کی وجہ سے دائیں طرف سے کچھ حصہ کا اضافہ کیا گیا، اس کے لحاظ سے محراب کی جگہ درمیان میں نہیں باقی رہی، چنانچہ امام صاحب محراب کی جگہ سے تھوڑا سا دائیں طرف ہٹ کر کھڑے ہوتے ہیں، لیکن بعض مصلیوں کو اس پر سخت اعتراض ہے، براہ کرام واضح کیجئے کہ کیا اب بھی امام صاحب کو محراب ہی میں کھڑا ہونا چاہئے یا اس سے

ہٹ کر صف کے درمیان میں؟ (خواجہ جعفر امدین، عزیز باغ کالونی)

جواب:- اصل میں امام کو صف کے وسط کے مقابل سے آگے کھڑا ہونا چاہئے، تاکہ دونوں طرف کے نمازیوں کو ان کی نقل و حرکت کو دیکھنے اور آواز سننے میں سہولت ہو، نیز دیکھنے میں بھی یہ ہیئت بہتر معلوم ہوتی ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں باضابطہ محراب کی تعمیر نہیں ہوئی تھی، یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جماعت کے لئے صرف مسجد ہی متعین نہیں ہے، بعض دفعہ گھر پر بھی جماعت ہو سکتی ہے، بعض دفعہ مسافرین کو سر راہ جماعت کرنی پڑتی ہے، اگر امام کے لئے محراب میں کھڑا ہونا ضروری ہو تو ان مقامات پر تو اس کا نظم نہیں ہو سکتا، بعد کے ادوار میں سہولت کیلئے وسط صف میں محراب بنائی جانے لگی، تاکہ امام کو سہولت ہو اور اس کے کھڑے ہونے کے لئے ایک جگہ مقرر ہو جائے، اس لئے جب مسجد کی توسیع ہو چکی ہے اور محراب کی جگہ اب صف کے وسط میں باقی نہیں رہی تو موجودہ چوڑائی کے اعتبار سے جو جگہ وسط میں واقع ہو وہاں امام کو کھڑا ہونا چاہئے:

"السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألا ترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد، وهي قد عينت لمقام الإمام" (١)

البتہ مسجد کے منتظمین کو چاہئے کہ مسجد کی موجودہ وسعت کے لحاظ سے وسط میں دوسرا محراب تعمیر کریں، تاکہ کسی اختلاف کا باعث نہ بنے۔

مسجد حرام میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ

سوال:- جو لوگ محراب میں ہی امام صاحب کے کھڑے ہونے کے قائل ہیں، میں نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ مسجد حرام مکۃ المکرمہ میں جو نماز ادا کی جاتی ہے، وہاں تو کوئی محراب نہیں ہے، اس لئے محراب تو صرف خوبصورتی کے لئے ہے، محراب

(١) رد المحتار: ٢/٣١٠

میں امام کے کھڑے ہونے کی کوئی اہمیت نہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ (خواجہ مبشر الدین، عزیز باغ کالونی)

جواب:- اصل میں مسجد حرام کی خصوصی نوعیت ہے؛ کیوں کہ مسجد حرام کعبۃ اللہ کی چاروں طرف ہے، آدمی جس طرف سے کھڑا ہو جائے اور اس کا رخ کعبہ کی طرف ہو نماز ادا ہو جائے گی، امام بھی کسی سمت میں کھڑا ہو کر نماز پڑھا سکتا ہے؛ اس لئے وہاں امام کی کوئی خاص جگہ متعین نہیں کی جا سکتی، بخلاف عام مسجدوں کے، کہ وہاں قبلہ کی جہت ایک ہی طرف متعین ہے، اسی لحاظ سے پہلی صف بنتی ہے اور صف کے وسط میں امام کی جگہ مقرر کرنے کے لئے محراب بنائی جاتی ہے؛ چنانچہ مسجد حرام میں امام کے کھڑے ہونے کے لئے مقام ابراہیم کو افضل قرار دیا گیا ہے، کہ وہاں سے قریب اسے کھڑا ہونا چاہئے:

"ذكر في البدائع في بحث الصلاة في الكعبة : أن الأفضل للإمام أن يقف في مقام إبراهيم" (۱)

البتہ مسجدوں میں محراب کا ہونا اور محراب کے وسط میں امام کا کھڑا ہونا ایک متوارث عمل ہے، جو سلف صالحین کے دور سے ہوتا آیا ہے اور امام کے وسط صف میں کھڑے ہونے کی سنت پر عمل کرنا اس کی وجہ سے آسان ہو جاتا ہے؛ اس لئے اسے غیر اہم قرار دینا درست نہیں۔

توتلے شخص کی امامت

سوال:- ہمارے ایک دوست ہیں، جو بہت نیک اور پابند صوم و صلاۃ آدمی ہیں، ہم لوگ کبھی ان کو نماز کے لئے آگے بڑھا دیتے ہیں، مگر ان کی زبان میں لکنت اور توتلاہٹ بہت زیادہ ہے، وہ "ظ" کو "ش" "ز" کو "ذ" اور "ذ" کو "ذ" اور "ق" کو "ٹ" وغیرہ کی آواز میں پڑھتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی

---

(۱) رد المحتار: ۲/۳۱۰

تلاوت پر سے لوگ بلکہ بھی نہیں روک پاتے، کیا ان کو امام بنانا درست ہے اور ہم لوگوں کی نماز ان کے پیچھے ہو جائے گی؟

(علیم الدین نور خاں بازار)

جواب:- نماز اہم ترین عبادت ہے اور قرآن مجید کی تلاوت اس کا سب سے اہم جزو ہے؛ اس لئے نماز ایسے شخص کو پڑھانی چاہئے، جو درست طریقہ پر قرآن پڑھ سکتا ہو، اس کی تلاوت کی طرف لوگوں کو رغبت ہوتی ہو اور اس کی تلاوت سمجھ میں آتی ہو، کوئی شخص کتنا بھی نیک اور متقی ہو؛ لیکن اگر کسی حرف کا مسلسل غلط تلفظ کرنے پر مضطر ہو تو نہ لوگوں کو اس کا قرآن سمجھ میں آئے گا اور نہ اس کی طرف رغبت ہوگی؛ بلکہ توجہ مبذول ہونے کے بجائے اور ہٹ جائے گی؛ اس لئے جو لوگ درست طریقہ پر قرآن مجید پڑھ سکتے ہوں، ایسے معذور شخص کے پیچھے ان کی اقتداء درست نہیں ہوگی، ہاں، اگر وہ کوشش کے باوجود تلفظ کو درست کرنے پر قادر نہیں ہوں تو ان کی اپنی نماز درست ہو جائے گی:

" والفأفأة بتكرار الفاء والتمتمة بتكرار التاء فلا يتكلم إلا به .... ونحوه لا يكون إماما لغيره فصلاته جائزة لنفسه " (۱)

حافظ لڑکی کے پیچھے خواتین کی اقتداء

سوال:- حافظ لڑکیوں کے قرآن کی حفاظت کے لئے اپنے ہی مکان میں موجود خواتین کو جوڑ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھانے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر گھر میں خواتین نہ ہوں تو کیا پڑوسی خواتین بلا اعلان جمع ہو کر اس طرح تراویح پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ غالباً مسائل تراویح (ترتیب: مفتی رفعت قاسمی) میں مولانا

---

(۱) مراقي الفلاح ۱/ ۱۵۷

عبدالحئی صاحب کے حوالہ سے اس کی اجازت دی ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ (حافظہ پروین، سکندرآباد)

جواب:- اگر خواتین اپنی جماعت بنا کر نماز پڑھ لیں تو نماز کے درست ہو جانے پر تو جمہور کا اتفاق ہے، علامہ ابن ہمامؒ بڑے محقق، فقیہ اور محدث ہیں، وہ تو اس سلسلہ میں اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں:

"فإنهن لو صلين جماعة جازت بالإجماع" (۱)

مگر اجماع کا دعویٰ محل نظر ہے، مالکیہ کے یہاں خواتین کی جماعت جائز نہیں؛ (۲)

البتہ اس میں شبہ نہیں کہ خواتین کی جماعت کا اہتمام بہتر نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اسی اندیشہ کے تحت رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف مردوں پر جماعت کو واجب قرار دیا اور دوسری طرف عورتوں کے لئے مستحب بھی نہیں رکھا؛ بلکہ فرمایا کہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

"و صلاتك في دارك خير لك من صلاتك في مسجد قومك ألخ" (۳)

اس لئے خواتین کے لئے تراویح کی جماعتوں کا اہتمام ایسا عمل نہیں ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

فتنہ کا اندیشہ دو وجوہ سے پیدا ہوتا ہے، ایک تو دور دور سے خواتین کا آنا، دوسرے نماز پڑھانے والی حافظہ کی آواز؛ اس لئے اگر گھر کی خواتین یا پڑوس کی خواتین ایسے محفوظ گھر میں جمع ہو جائیں، جہاں پردہ کا پورا اہتمام ہو اور دور سے آنا نہ پڑے، نیز امامت کرنے والی حافظہ خاتون قرآن ایسی معتدل آواز میں پڑھے کہ آواز نماز میں شریک ہونے والی خواتین تک محدود

---

(۱) فتح القدیر ۳۰۲/۱ (۲) الخرشی ۱۳۵/۲

(۳) دیکھئے: مسند أحمد بن حنبل، حدیث نمبر ۲۲۵۵۰، بحوالہ جمع الفوائد ۲۰۳/۱، حدیث نمبر ۱۲۱۵، باب المساجد

رہے، غیر محرموں تک نہ پہنچے تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق خواتین امامت کرتے ہوئے صف کے بیچ میں ہی کھڑی ہوں گی، نہ کہ صف کے آگے؛ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان کے مہینہ میں خواتین کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں:

"کانت تؤم النساء فی شهر رمضان فتقوم وسطاً" (۱)

یہی رائے میرے استاذ حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی بھی ہے، چنانچہ اپنے ایک تفصیلی فتویٰ کے اخیر میں فرماتے ہیں:

> (ب) اگر اتنی بڑی جماعت کی امامت ہو، جس میں آواز معتاد آواز سے زائد ہو تو تمام قیود و شرائط کے باوجود مکروہ تحریمی و ناجائز ہوگا۔
>
> (ج) اگر ماہ رمضان میں حافظ قرآن عورتوں کی چھوٹی جماعت جس میں آواز معتاد کے اندر اندر رہے اور تمام قیود و شرائط کے اندر رہے اور عورت صف سے صرف چار انگل آگے رہے تو "الامور بمقاصدها" کے تحت یہ فعل جائز رہے گا۔
>
> (د) اگر ماہ رمضان المبارک میں صرف دو دو، تین تین عورتوں کی جماعت جو محض بہ نیت حفظ قرآن پاک اور بطور دور ہو، اور قیود و شرائط کے موافق ہو اور مکان محفوظ کے اندر ہو، جس میں آواز اپنی معتاد آواز سے زائد نہ رہے تو بلا شبہ جائز رہے گی؛ بلکہ "الأمور بمقاصدها" کے تحت مستحسن بھی ہو سکتی ہے۔ والعلم عند اللہ" (۲)

---

(۱) کتاب الآثار: حدیث نمبر: ۲۱۷، باب المرأة تؤم النساء و کیف تجلس فی الصلاة

(۲) مطبوعہ رسالہ تراویح، رسالہ نمبر: ۱، صفحہ نمبر: ۸۳

بغیر داڑھی مونچھ والے بالغ لڑکے کی امامت

سوال:- میں کبھی کبھی اپنی جگہ اپنے ایک شاگرد کو امامت کی ذمہ داری سونپ کر جاتا ہوں، اس کی عمر اٹھارہ سال ہے؛ لیکن ابھی تک اسے داڑھی یا مونچھ نہیں آئی ہے؛ البتہ بالغ ہو چکا ہے، بعض لوگوں کو اس کے امام بنائے جانے پر اعتراض ہے، کیا شرعاً اس کی اقتداء میں نماز ادا کی جا سکتی ہے؟

(مولوی نقیب احمد، صنعت نگر)

جواب:- نابالغ کی امامت احناف کے یہاں درست نہیں، بالغ کی امامت جائز ہے، بالغ ہونے کا اصل مطلب یہ ہے کہ وہ باپ بننے کے لائق ہو جائے، اب چوں کہ اس کا اندازہ متعلق شخص کے علاوہ دوسروں کو نہیں ہو سکتا؛ اس لئے عادت اور تجربہ کے لحاظ سے کچھ ظاہری جسمانی علامتیں متعین کر دی گئی ہیں، جیسے داڑھی اور مونچھ کا نکلنا، یا پندرہ سال کی عمر ہو جانا وغیرہ؛ لیکن اگر کوئی لڑکا حقیقی طور پر بالغ ہو گیا ہو یا اس کی عمر پندرہ سال مکمل ہو چکی ہو تو داڑھی مونچھ نکلنا ضروری نہیں؛ اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں اس کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں:

" (ولمن بلغ بالسن) وهو خمسة عشر سنة على المفتى به في الغلام والجارية " (۱)

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا

سوال:- مسجد کا محراب حدود مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر امام کا قیام مسجد کے محراب کے اندر یا محراب کے برابر ہو تو نماز مکمل ہوگی یا نہیں؟

(عبدالعزیز، حسینی علم)

(۱) مراقي الفلاح : ۱۰۰

جواب: – مسجد کا محراب بھی مسجد میں داخل ہے، اور اس کے سارے احکام وہی ہیں جو مسجد کے ہیں، اگر امام محراب کے اندر یا محراب کے برابر میں کھڑا ہو تو نماز ادا ہو جاتی ہے؛ لیکن اس میں کراہت ہے، بہتر ہے کہ امام کا پاؤں محراب کے باہر ہونا چاہئے؛ تاکہ وہ دونوں طرف سے مقتدیوں کو نظر آئے۔

مخنث کی امامت وخطابت

سوال: – کیا مناسب اشخاص کی موجودگی میں ایک پیدائشی مخنث کی امامت وخطابت جائز ہے؟ (محمد ثمیر، آصف آباد)

جواب: مخنث کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں:

ایک وہ جس میں مردانہ یا زنانہ علامتیں واضح ہوں، یہ "خنثی غیر مشکل" ہے، اگر مردانہ علامتیں واضح ہوں تو سارے احکام مردوں کے ہوں گے؛ اس لئے ان کی امامت وخطابت بھی درست ہوگی، البتہ اگر لوگ کراہت محسوس کرتے ہوں تو ایسے شخص کو امامت نہیں کرنی چاہئے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو امامت سے منع فرمایا ہے، جس کو لوگ ناپسند کرتے ہوں اور اگر زنانہ علامتیں واضح ہوں تو تمام احکام وہی ہوں گے، جو عورتوں کے ہیں۔

البتہ جس شخص کے اندر مساوی طور پر مردانہ وزنانہ علامتیں پائی جاتی ہیں، دونوں ہی طرح کے اعضاء ہوں یا کسی طرح کا کوئی عضو موجود نہ ہو تو اس کو فقہ کی اصطلاح میں "خنثی مشکل" کہتے ہیں، ایسا شخص مردوں کی امامت نہیں کر سکتا:

"وإمامة الخنثى المشكل للنساء جائزة إن تقدمهن وللرجال والخنثى مثله لا يجوز" (۱)

امام نماز کتنی طویل پڑھائے؟

سوال: – ہمارے محلہ میں امام صاحب کی نماز بہت

---

(۱) الفتاوی الہندیة ۱ / ۸۵۔

سے لوگ تنقید یں کرتے رہتے ہیں، اگر امام صاحب نماز جلدی ختم کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں اتنی جلدی نماز کیوں ختم کی؟ اگر لمبی نماز پڑھاتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ تو کتنے منٹ میں نماز ادا کی جائے؟

(سرور خاں، مسجد محمدیہ، گنڈی مکاپوری)

جواب:- حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنا چاہئے، اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام ہے، جو مختلف کتب حدیث میں موجود ہے، فقہاء نے اسی پر اپنی رائے کی بنیاد رکھی ہے،(۱) طوال مفصل سے مراد سورہ "حجرات" سے سورۂ "بروج" تک ہے اور سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن (یعنی سورۂ بینہ) تک اوساط مفصل ہے اور اس سورت کے بعد سے سورۂ والناس تک قصار مفصل ہے:

"والذي عليه أصحابنا أنه من الحجرات الى والسماء ذات البروج الخ"(۲)

یہ نماز میں قرآن پڑھنے کی مسنون مقدار ہے، امام صاحب کو اتنا یا اس سے قریب قرآن پڑھنا چاہئے اور میانہ روی اختیار کرنی چاہئے، تاکہ سبھوں کی رعایت ہو، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ قراءت کے لئے کوئی مقدار متعین نہیں ہے، وقت کی گنجائش اور امام اور مقتدیوں کے حالات کو سامنے رکھ کر قراءت ہونی چاہئے۔

"واختار في البدائع: أنه ليس في القراءة تقدير معين، بل يختلف باختلاف الوقت وحال الإمام والقوم"(۳)

---

(۱) البحر الرائق ۱/۵۹۳ (۲) البحر الرائق ۱/۳۹۳

(۳) البحر الرائق ۱/۵۹۰

پس امام صاحب کو مقتدیوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے سنت سے قریب طریقہ اختیار کرنا چاہئے، نہ تو اتنی کم مقدار ہو کہ سنت کے مزاج کے خلاف ہو جائے، نہ اتنا زیادہ ہو کہ لوگوں کے لئے باعث دشواری ہو جائے اور مقتدیوں کو بھی اپنے مزاج و ذہن کے مطابق بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

آج کل یوں ہی نمازیں ہلکی پڑھائی جاتی ہیں، اگر لوگ اس کو بھی زیادہ سمجھنے لگیں اور بازاروں، ہوٹلوں میں گھنٹوں وقت ضائع کرنے والے لوگ نماز میں دس منٹ کے وقت کو زیادہ خیال کریں تو یہ بہت ہی افسوس ناک بات ہے، اس کے لئے سنت اور شریعت کی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

امام کتنی بلند آواز سے نماز پڑھائے

سوال:- امام صاحب نماز میں اپنی آواز بلا ضرورت بلند کرتے ہیں، کبھی ایک تکبیر معتدل آواز میں اور کبھی بلند آواز میں کہتے ہیں اور کبھی قراءت کے وقت ایک دو آیت معتدل آواز میں اور تیسری آیت بلند آواز سے تلاوت کرتے ہیں، کیا آواز کا یہ اتار چڑھاؤ نماز میں مناسب ہے؟

(عبدالخالق، تولی چوکی)

جواب:- تکبیر انتقال ہو یا قرآن مجید کی قراءت، امام کو اتنی ہی آواز بلند کرنی چاہئے کہ مقتدیوں کو آواز پہنچ جائے، خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز مناسب نہیں، علامہ حصکفیؒ نے لکھا ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں قرآن پڑھنا بہتر نہیں۔

ویجهر الامام وجوبا بحسب الجماعة فان زاد عليه فقد اساء (۱)

آواز ایسی ہونی چاہئے کہ جو چاہے وہ آیات قرآنی میں تدبر کر سکے اور اس کا استحضار ر

(۱) الدر المختار ۷۹

قلبی حاصل ہو(۱)، اگر آواز میں بہت زیادہ نشیب و فراز، اتار چڑھاؤ ہو تو اس ناہمواری کی وجہ سے استحضارِ قلبی پیدا نہیں ہو پاتا ہے اور انسان تدبر و تفکر کے موقف میں نہیں رہتا؛ اس لئے امام صاحب کو تکبیراتِ انتقال اور قراءت معتدل اور ہموار آواز میں کہنی اور کرنی چاہئے۔

بیٹھے ہوئے شخص کی اقتداء

سوال:- ایک شخص بوجہ مجبوری نماز میں قیام اور رکوع تو سب کی طرح کرتا ہے، مگر سجدہ کرنے سے معذوری کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرتا ہے تو کیا ایسے شخص کو جماعت ثانی کے لئے امام بنایا جاسکتا ہے ؟ (احمد سعید، نچر پال)

جواب:- جو شخص سجدہ کرنے سے معذور ہو، وہ کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرسکتا ہے اور یہ بات درست ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے لوگ اپنی نماز ادا کریں:

"يصح اقتداء القائم بالقاعد الذي يركع ويسجد"(۲)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مرضِ وفات میں بیٹھ کر امامت فرمائی ہے، اور صحابہ نے آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کی ہے۔(۳)

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں کھڑے ہوئے افراد کی نماز

سوال:- ہمارے محلے میں مسجد کے امام صاحب چند دنوں سے عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، انہوں نے رمضان المبارک میں تراویح بھی ایک عشرہ بیٹھ کر پڑھائی؛ کیونکہ وہ زیادہ دیر کھڑے نہیں ہوسکتے؛ لیکن رکوع اور سجدہ حسب معمول کر لیتے

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۷۲ (۲) الفتاوى الهندية :۱/۸۵

(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۶۹۷

ہیں، تو کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہوگی؟ (ابوسجان، ممبئی)

جواب:- بہتر تو یہی ہے کہ امام ایسا شخص ہو، جو کھڑا ہو کر نماز پڑھائے؛ تاہم اگر ایسا شخص نماز پڑھائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز درست ہو جاتی ہے، یہی حکم فرض نماز کے لئے بھی ہے اور تراویح کے لئے بھی:

"وإذا كان الإمام يصلي قاعدا بركوع وسجود وخلفه قوم يصلون قياما بركوع وسجود، القياس أن لا تجوز صلاة القوم وبه أخذ محمد رحمه الله، وفي الظهيرية: الفرض والنفل سواء، وفي الاستحسان تجوز صلاة القوم وهو قولهما" (1)

چھوٹی داڑھی والے امام کی اقتداء

سوال:- ایک صاحب جو مسجد کے متصل رہتے ہیں، لیکن علیحدہ نماز پڑھ کر (اگرچہ جماعت ہو رہی ہو) چلے جاتے ہیں؛ کیوں کہ امام صاحب کی داڑھی ایک مشت سے کم ہے، ہم نے امام صاحب کو توجہ دلائی ہے، جس پر انھوں نے داڑھی کے بڑھانے پر اتفاق بھی کیا ہے؛ لیکن مصلی مذکور کا اصرار ہے کہ داڑھی کے بڑھنے تک انہیں معطل کر دیا جائے، تو کیا داڑھی جس کی چھوٹی ہو، اس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور مصلی کا ایسا کرنا درست ہے؟ (میر بشارت علی، [illegible])

جواب:- داڑھی کی کتنی مقدار واجب ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، جمہور کی رائے یہی ہے کہ ایک مشت داڑھی رکھنی چاہئے، احناف کے یہاں

---

(1) الفتاوى التاتارخانية: ۲/۲۴۵

ایک قول اس کے واجب ہونے کا ہے اور ایک قول سنت مؤکدہ ہونے کا؛ لیکن راجح اس کا واجب ہونا ہے اور ایسے بھی، وہ لوگ جو امت کے مقتدیٰ ہوں، ان کو اپنا عمل ایسا رکھنا چاہئے، جس میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رہے؛ اس لئے ان حافظ قرآن کا ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا درست نہیں؛ البتہ ان کے پیچھے بھی نماز درست ہو جائے گی اور جب انہوں نے توبہ کرلی ہے تو اب وہ قابل عفو ہیں اور انہیں فاسق نہیں کہا جاسکتا؛ اس لئے کہ وہ فوری طور پر داڑھی بڑھانے پر قادر نہیں ہیں، اور انسان طاقت وصلاحیت ہی کے لحاظ سے احکام شریعت کا مکلف ہے؛ اس لئے معترض صاحب کا ان کو معطل کردینے کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

دوسرا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں؛ اس لئے امام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو علم وفضل کے اعلیٰ مقام پر رکھنے کی کوشش کرے، ذمہ داروں کو حکم دیا گیا کہ امام مقرر کرنے میں اس کو ملحوظ رکھے، دوسری طرف مقتدیوں کے لئے یہ حکم ہے کہ مقرر کردہ امام اچھا ہو یا برا، اس کے پیچھے نماز ادا کرلی جائے اور امت میں اختلاف وانتشار نہ پیدا ہونے دیا جائے، خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "صلوا خلف کل بر وفاجر" (۱) فاجر کا لفظ فاسق سے بھی زیادہ سخت ہے؛ لیکن حضور ﷺ نے ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا، غور کیجئے کہ حجاج بن یوسف کے کاندھوں پر متعدد صحابہ اور اکابر تابعین کا خون ہے اور صحابہ نے اس کے پیچھے نماز ادا کی ہے، نہ معترض صاحب کا مقام صحابہ کے برابر ہوسکتا ہے اور نہ ان امام صاحب کو قاتلان صحابہ کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے؛ اس لئے معترض صاحب کا جماعت سے نماز نہ ادا کرنا اور مسجد میں الگ سے نماز پڑھنا لامذہب صاحب کے عمل سے کم بری بات نہیں ہے، اگر ان کو اتنا زیادہ اس کا خیال ہے تو کسی دوسری مسجد میں نماز ادا کرنی چاہئے یا اپنے گھر میں پڑھنی چاہئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ "بعض لوگ مچھر کو چھانتے ہیں اور اونٹ کو نگل جاتے ہیں"، اس طرح کی باتوں سے اس فقرہ کی معنویت معلوم ہوتی ہے!

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۲۲۳

باب تنخواہ امام

سوال:- مساجد میں امام کو نماز پڑھانے پر مامور کرنا اور اس کی تنخواہ مقرر کرنا کچھ عرصہ قبل تک بھی کوئی ضروری نہ تھا، البتہ مسجد میں بچوں کو پڑھانے کے لئے تنخواہ دی جاتی اور امامت فری تصور کی جاتی تھی اور بخاری شریف کی احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں کہ نماز کی اجرت نہ لی جائے، اب معاملہ الٹ گیا ہے کہیں ایسا نہیں ہوتا، چھوٹی سے چھوٹی مسجد میں امام مقرر کر کے تنخواہ دی جاتی ہے، اس مسئلہ کی حقیقت واضح کریں، ممنون و مشکور ہوں گا؟

(سید خواجہ معین الدین، آصف نگر)

جواب:- عبادت میں اصل تو یہی ہے کہ اس کی کوئی اجرت نہ لی جائے؛ لیکن اسلام کے ابتدائی دور میں دینی خدمت گذاروں کے لئے حکومت کی طرف سے وظیفے مقرر ہوتے تھے؛ بلکہ ان کے وظیفہ کی مقدار بہ نسبت اور لوگوں کے زیادہ رکھی جاتی؛ اس لئے انہیں تنخواہ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بعد کے ادوار میں بیت المال کا نظام ختم ہو گیا، اب اگر ائمہ کی تنخواہ نہیں رکھے جائیں تو نماز پڑھانے والوں کا ملنا مشکل ہو جائے گا، اور نماز جیسی اہم عبادت بھی صحیح طور پر ادا نہ ہو پائے گی؛ اس لئے فقہاء نے بدلے ہوئے حالات میں ایسے دینی کاموں پر اجرت لینے کی اجازت دی ہے، جس سے امت کا نفع متعلق ہو، شعائر دین کا تحفظ ہو، اور اس خدمت کو انجام دینے کی وجہ سے اس شخص کا وقت مشغول ہو جاتا ہو، یہ نماز پڑھنے یا پڑھانے کی اجرت نہیں ہے؛ بلکہ وقت کی اجرت ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص باضابطہ امام مقرر نہ ہو اور اتفاقی طور پر کہیں کوئی نماز پڑھا دے تو وہ مقتدیوں سے اس کی اجرت طلب نہیں کر سکتا اور اگر اس نے طلب کیا تو یہ ناجائز ہوگا:

" لا تصح الإجارة ، و لا لأجل الطاعات كالأذان

والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه ، ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان " (۱)

امام کے پیچھے قراءت فاتحہ

سوال:- فرض نمازوں میں جماعت میں شریک مقتدی کو کیا تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا لازمی ہے؟

(قاضی محمد فصیح الدین، گلبرگہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اقتداء کرنے والے کے حق میں امام کی قراءت اس کی قراءت ہے:

" من كان له إمام فإن قراءة الإمام له قراءة " (۲)

اس لئے اکثر فقہاء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت نہیں کرنی چاہئے، نہ جہری نماز میں، نہ سری نماز میں، نہ پہلی دو رکعتوں میں اور نہ بعد کی دو رکعتوں میں، غرض کہ کسی بھی رکعت میں مقتدی کو قراءت نہیں کرنی چاہئے۔

کم ریش بالغ کی امامت

سوال:- کیا ایسا شخص امامت کرسکتا ہے جو سن بلوغ کو بھی پہونچ چکا ہے، حافظ ہے، ساتھ ہی ساتھ عالم کورس کا طالب علم بھی ہے، مگر ابھی اس کی داڑھی مکمل یعنی (ایک مشت) نہیں ہوئی ہے، جہاں داڑھی نہیں ہے، اس کی امامت پر مقتدی اعتراض کررہے ہیں کہ نماز نہیں ہوتی، امامت کے لئے کم از کم عمر چالیس

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ، كتاب الإجارة : ۹/۷۶

(۲) سنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة وسننها ، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا ، حدیث نمبر : ۸۹۶

سال ہونی چاہئے، اس عمر میں آدمی بالغ ہو جاتا ہے، مقتدیوں میں عمر رسیدہ لوگ ہیں، جو ایک مشت داڑھی والے ہیں، مگر حافظ نہیں ہیں، تو کیا ایسے شخص کی امامت شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

(نعیم، گلبرگہ)

جواب: - بالغ افراد کی امامت کے لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام کا بھی بالغ ہونا ضروری ہے، لیکن اگر کوئی شخص بالغ ہو چکا ہے، یعنی اس کی عمر ۱۵ سال ہو چکی ہے یا بلوغ کی دوسری علامتیں اس میں پیدا ہو گئی ہیں، لیکن ابھی داڑھی نہیں نکلی ہے، یا نکلی ہے، لیکن چھوٹی ہے تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں، وہ ہر عمر کے آدمی کی امامت کر سکتا ہے، ایک مشت داڑھی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کی داڑھی بڑھ چکی ہے، وہ اتنی داڑھی رکھے کہ ایک مشت سے کم نہ ہو، لیکن اگر پیدائشی طور پر ابھی داڑھی بڑھی نہیں ہے تو اس کے امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، نوجوان حافظ قرآن کا امامت کرنا سن رسیدہ غیر حافظ قرآن کے امامت کرنے سے بہتر ہے؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے امامت کا سب سے زیادہ مستحق اس شخص کو قرار دیا ہے، جو قرآن پڑھنے کے اعتبار سے ان میں بہتر ہو۔ (۱)

مقتدی اور سورۂ فاتحہ

سوال: - فرض نماز میں کیا مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ نیز ثناء کے بعد مقتدی کو بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی وضاحت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق مطلوب ہے۔

(محمد یوسف انصاری، مغل پورہ)

جواب: - اکثر فقہاء بشمول امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہیں کی جائے گی، دوسری نمازوں میں تلاوت کی جا سکتی ہے؛

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من أحق بالإمامة، حديث نمبر: ۵۸۵

لیکن ضروری نہیں، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جہری نماز ہو یا سری، مقتدی سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہیں کرے گا:

" ولا يقرأ المؤتم خلف الإمام في السرية والجهرية ، بل يستمع وينصت " (۱)

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مقتدی ہو، اس کے امام کی قراءت اس کے لئے بھی قراءت ہے: " من كان له إمام فإن قراءة الإمام له قراءة " (۲) اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو سنو اور خاموش رہو:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۳)

بسم اللہ اور اعوذ باللہ کا پڑھنا اصل میں قرآن مجید کی تلاوت کے لئے ہے؛ اس لئے جو لوگ نماز میں قرآن پڑھیں گے وہ تسمیہ اور تعوذ بھی پڑھیں گے اور جو قرآن مجید نہیں پڑھیں گے وہ تسمیہ اور تعوذ نہیں پڑھیں گے؛ اس لئے مقتدی تعوذ اور تسمیہ نہیں پڑھے گا؛ البتہ اگر اس کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی ہیں اور وہ بعد میں انہیں ادا کر رہا ہے تو جب چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرنے کے لئے اٹھے تو سورہ فاتحہ سے پہلے ثنا اور تعوذ وغیرہ پڑھے:

" أي لا يأتي به المقتدي ، لا يثني ولا يقرأ ، فلا يتعوذ الخ " (۴)

---

(۱) مجمع الأنهر : ۱؍ ۱۰۶

(۲) سنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة ، باب إذا قرأ الإمام فأنصتوا ، حدیث نمبر: ۸۹۵

(۳) الأعراف : ۲۰۴

(۴) مجمع الأنهر : ۱؍ ۹۵ ، باب صفة الصلاة

اگر امام محراب کے اندر کھڑا ہو؟

سوال:- ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے جس کا محراب بہت بڑا ہے، امام محراب کے اندر کھڑا ہو تو وہ پوری طرح محراب کے اندر چلا جاتا ہے، بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہے، صحیح مسئلہ کی رہنمائی کریں؟ (عبدالرحیم، سعید آباد)

جواب:- امام کو اس طرح کھڑا ہونا چاہیے کہ کم سے کم اس کے دونوں پاؤں باہر رہیں، اس لیے جن حضرات نے اعتراض کیا ہے، انھوں نے صحیح کہا ہے، اب محراب کو منہدم کرنے یا اس میں ردو بدل کرنے کی ضرورت نہیں؛ البتہ امام صاحب یہ طریقہ اختیار کرلیں کہ نماز پڑھتے وقت ان کے پاؤں محراب سے باہر ہوں، سجدہ گاہ محراب کے اندر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

"وقيام الإمام في المحراب، لا سجوده فيه، وقدماه خارجه" (۱)

امام کو متوجہ کرنے کے لیے کھانسنا

سوال:- امام صاحب پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہوئے، ہم لوگوں نے ان کو متوجہ کرنے کے لیے کھانسنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ چوتھی رکعت کی طرف لوٹ آئے، ایسی صورت میں کھانسنے والوں کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ (رحمت انصاری، ناندیڑ)

جواب:- اگر امام صاحب سے کوئی غلطی ہو تو "سبحان اللہ" کہہ کر متنبہ کرنا چاہیے، تاہم اگر کسی نے کھانس کر متوجہ کیا، تو تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

---

(۱) در مختار مع الرد ۲/۴۱۴

"ولو قام الإمام إلى الخامسة فتنحنح تنبيها له، لا يفسد، وكذا لو أخطأ الإمام فتنحنح المقتدي ليهتدي إلى الصواب لا يفسد" (۱)

اگر امام قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہو جائے؟

سوال:- اگر امام صاحب عصر کی نماز میں غلطی سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو مقتدی کیا کرے؟

(محمد مصطفیٰ، شاہین نگر)

جواب:- اگر امام چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد پانچویں رکعت کے لئے بھول کر کھڑا ہو جائے تو مقتدی کو اس کی اقتدا نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ مقتدی حضرات بیٹھے رہیں اور امام کو لقمہ دیں، اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے قعدہ میں واپس آ جائے اور سلام پھیر دے تو مقتدی بھی اس کے ساتھ سلام پھیر دیں، اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر گزرے تو اب مقتدیوں کو مزید انتظار کرنے کی ضرورت نہیں، وہ سلام پھیر کر اپنی نماز پوری کر لیں۔

"وإذا صلى الإمام أربع ركعات و قعد على رأس الرابعة وقام إلى الخامسة سهواً ... وإن قيد الخامسة بالسجدة ليسلم المقتدي ولا ينتظر الإمام" (۲)

اگر امام ناروا کام کرتا ہو؟

سوال:- ایک صاحب مسجد کے امام ہیں جن کے بھائی نامزد ہیں، امام صاحب جان بوجھ کر جہیز کی لالچ میں ان کی شادی کرتے ہیں اور بعد میں لڑکی کے والدین کو خلع لینے پر مجبور کر دیتے

---

(۱) فتاویٰ الکبریٰ: ۲۹۳ (۲) الفتاوی الخانیہ علی ہامش الهندیہ ۱/۹۸

ہیں، ابھی تک انہوں نے دولڑکیوں کو خلع دلایا ہے اب تیسری لڑکی
کو بھی گھر بٹھا دیا ہے اور انہیں بھی خلع کے لئے کہہ رہے ہیں،
تو عرض یہ ہے کہ کیا اسلام میں ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز
ہے؟ (محمد ہاشم)

جواب:- کسی شخص کے بارے میں یہ جانتے ہوئے کہ وہ نکاح کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا، اور اس میں بیوی کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، دھوکہ دے کر اور دوسرے فریق کو اندھیرے میں رکھ کر ان کا نکاح کرنا شدید گناہ ہے؛ کیونکہ یہ ظلم بھی ہے، حق تلفی بھی ہے، جھوٹ بھی ہے اور دھوکہ بھی، اگر واقعی یہ بات سچ ہے کہ امام صاحب قصداً ایسی حرکت کرتے ہیں تو یہ موجب فسق ہے، ان سے توبہ کرانی چاہئے، اور جب تک تائب نہ ہوں، امام جیسے معزز منصب پر ان کو قائم رکھنا مناسب نہیں؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ ایسے معاملات کے بارے میں صحیح تحقیق کرلی جائے؛ کیونکہ بہت سی دفعہ غلط فہمی بھی ہوتی ہے اور وہ غلط بات کسی اس درجہ مشہور ہوجاتی ہے کہ اس کے سچ ہونے کا گمان ہوتا ہے، نیز جب تک امام بدل نہ جائے، ان ہی کے پیچھے نماز ادا کرتے رہنا چاہئے؛ کیونکہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا بہت ضروری ہے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے بدرجہ مجبوری فاسق وفاجر کے پیچھے نماز ادا کرلینے کا حکم دیا ہے۔

جس شخص کی نماز قضاء ہوگئی یا جو پابندی نہیں کرتا، اس کی امامت

سوال:- (الف) اگر امام صاحب کی صبح کی نماز قضاء ہوگئی تو کیا وہ باقی نمازوں کی امامت کرسکتا ہے؟ (ب) اسی طرح اگر امام صاحب امامت کی تنخواہ لے کر پابندی سے نماز نہ پڑھائیں تو کیا ان کی کمائی حرام نہیں ہوگی؟

(شبیر احمد، شیو، ام پی)

جواب:- (الف) اگر امام صاحب ترتیب ہو تو اسے چاہئے کہ فجر کی قضا کرنے کے بعد بقیہ نمازیں پڑھائے، صاحب ترتیب نہ ہو تو ظہر سے پہلے ہی قضا کرنا ضروری نہیں، بہر حال ایسا نہیں ہے کہ صبح کی نماز قضا ہونے سے بقیہ نمازوں کی امامت جائز نہ ہو، امام ہو یا مقتدی دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

(ب) انسان کے ساتھ طبعی اور شرعی عذر لگے رہتے ہیں، اس لئے اگر کوئی امام عذر کی بنا پر کسی وقت امامت نہیں کرپایا، یا اس نے مسجد کے مقررہ ضابطے کے مطابق رخصت حاصل کرلی تو ان دنوں کی تنخواہ اس کے لئے جائز ہے، جیسا کہ ہر شعبہ ملازمت میں رخصت اور تعطیل کا اصول ہے، بلکہ بعض فقہاء نے تو امام کو مہینے میں ایک ہفتہ کی رخصت دینے کی بات کہی ہے، تاکہ دوسرے حقوق و واجبات کو ادا کرسکے اور یوں بھی امام کی حقیر اجرت ادا کی جاتی ہے، جس کو تنخواہ اور اجرت کہنا شاید مناسب بھی نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ وہ امام اور دینی خدمت گزاروں کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچانے کی کوشش کریں، نہ یہ کہ ان کی حلال روزی کو بھی حرام قرار دینے کے لئے کوشاں ہوں۔

مسافر کے پیچھے مقیم کی نماز

سوال:- میرے یہاں ایک عالم صاحب آئے، جو مسافر تھے، انہوں نے عصر کی نماز دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا اور کہا کہ بقیہ لوگ نماز پوری کرلیں، کچھ لوگوں نے اس طرح نماز پڑھی، جیسے وہ آدمی پڑھتا ہے، جس کی امام کے ساتھ رکعتیں چھوٹ جاتی ہیں، میں نے بھی اسی طرح پڑھا اور کچھ لوگوں نے محض خاموشی اختیار کی، نہ قرآن پڑھا، نہ رکوع سجدہ کی تسبیحات پڑھیں، اس کی وجہ سے آپس میں اختلاف بھی ہوا، اس لئے ہم لوگ

وضاحت چاہتے ہیں کہ مسافر امام کے پیچھے اگر مقامی لوگ نماز پڑھیں تو کس طرح اپنی نماز پوری کریں؟ (حامد سعید نولی چوکی)

جواب:- مسافر کی دو رکعت نماز چار رکعتوں کے درجہ میں ہے، اگر آپ اس کے پیچھے پوری چار رکعت پڑھتے، تو تسبیحات اور درود و دعا، وغیرہ تو پڑھتے لیکن سورۂ فاتحہ اور سورت نہیں پڑھتے، اسی طرح امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ دو رکعتوں کو ادا کرنا ہے، یعنی ان رکعتوں میں قرآن نہیں پڑھنا ہے، قیام کی حالت میں خاموش رہنا ہے؛ البتہ دوسرے اذکار و اوراد کو پڑھتا ہے:

" أما إن اقتدى مقيم بمسافر ... ويتم المقيمون بعد سلام الإمام منفردين بلا قراءة ولا سجود سهو " (۱)

وقت کے بعد مسافر مقیم کی اقتداء نہ کرے

سوال:- میں سفر پر گیا ہوا تھا، میں اور وہاں مقیم میرے ایک دوست دونوں کی ظہر کی نماز قضا ہوگئی، مغرب کے بعد ہم دونوں نے ظہر کی قضا کرلی، انہوں نے امامت کی اور میں نے اقتداء، نیز میں نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا؛ کیوں کہ میں مسافر تھا، کیا اس طرح میرا نماز پڑھنا درست ہوا؟ (محمد حامد، اکبر باغ)

جواب:- مسافر مقیم کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتا ہے، اگر وہ مقیم کی اقتداء کر رہا ہو اور چار رکعت والی نماز ہو تو اس مسافر کو بھی چار رکعت نماز پڑھنی چاہئے؛ البتہ یہ حکم اس وقت ہے، جب کہ وقت کے اندر نماز پڑھی جائے، اگر نماز کا وقت گذر چکا تو اب مسافر کے لئے مقیم کی اقتداء کرنا درست نہیں، اس کو تنہا نماز پڑھنی چاہئے اور دو رکعت پر اکتفا کرنا چاہئے:

" واقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت ويتم .... الخ " (۲)۔

---

(۱) مراقی الفلاح، باب صلاۃ المسافر ۱/ ۱۸۷ (۲) رد المحتار ۲/ ۶۱۳

مسافر کے پیچھے نماز پڑھنے کا طریقہ

سوال :- عام طور پر مسافر حضرات امامت نہیں کرتے اور مقیم امام بنایا جاتا ہے تو کیا مقیم کے لئے مسافر کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے؟ (صحیح الدین، ملکاپور)

جواب :- مقیم کے لئے مسافر کی اقتداء کرنا جائز ہے، ایسی صورت میں اگر چار رکعت والی نماز ہے تو مسافر امام دو رکعت نماز پڑھ کر سلام پھیر دے گا اور مقتدیوں کو بقیہ دو رکعتیں پوری کرنی ہوں گی، البتہ عام طور پر لوگ ناواقفیت کی وجہ سے ان دو رکعتوں کو مسبوق کی طرح ادا کرتے ہیں، یہ درست نہیں ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ دو رکعتوں اس طرح ادا کرے کہ اس میں قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرے، بلکہ اور اد و اذکار پڑھنے پر اکتفا کرے؛ کیوں کہ وہ حکم کے اعتبار سے امام کے پیچھے ہوتے ہیں اور امام کے پیچھے قرآن مجید کی تلاوت نہیں ہے:

"فإذا صلى المسافر ركعتين سلم ويقوم المقيم فيتم الصلاة بغير قراءة في الأصح" (۱)

نیز ایسی صورت میں امام کو نماز شروع ہونے سے پہلے یا سلام پھیرنے کے ساتھ ہی اعلان کر دینا چاہئے کہ میں مسافر ہوں، لہٰذا جو لوگ مقیم ہیں، وہ اپنی نمازیں پوری کر لیں --- تاہم بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت میں مقیم شخص ہی امامت کرے، ایک تو اس لئے کہ مسافر کے نماز پڑھانے اور دو رکعت پر سلام پھیر دینے سے ناواقف لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے، دوسرے اس لئے کہ ائمہ اربعہ میں سے ایک اہم فقیہ و محدث امام مالکؒ کے نزدیک مقیم کے لئے مسافر کی اقتداء کرنا مکروہ ہے، (۲) اور جہاں تک ہو سکے فقہاء کے اختلاف سے بچتے ہوئے ایسا عمل کرنا چاہئے، جو تمام اہل علم کے نزدیک درست قرار پاتا ہو۔

---

(۱) کبیری، ۵۴۳

(۲) دیکھئے: الشرح الکبیر للدردیر، ۳۶۵

نماز وتر کا بیان

وتر کی تیسری رکعت میں رفع یدین اور دعاء قنوت کے درمیان ہاتھ باندھنے کا ثبوت

سوال:- کیا وتر کی تیسری رکعت میں رفع یدین بدعت ہے؟ اور دعاء قنوت کرتے وقت ہاتھ چھوڑے رکھے، یا باندھا رکھے، یا دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے؟ اس سلسلہ میں حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ (ق، حیدرآباد)

جواب:- بدعت ایسے امور کو کہتے ہیں، جو نہ حضور ﷺ سے ثابت ہوں، نہ صحابہؓ سے اور نہ کتاب وسنت میں اس کے لئے کوئی اصل موجود ہو، اگر صحابی سے کوئی عمل ثابت ہو تو وہ بھی سنت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کو لینے کا حکم دیا ہے، جو حضور ﷺ کا اور صحابہؓ کا ہو "ما أنا عليه وأصحابي" بلکہ جو امور قیاس اور اجتہاد سے متعلق نہ ہوں اور عبادات کی کیفیات بھی اس میں شامل ہیں، ان میں صحابی کا عمل حدیث نبوی کے حکم میں ہوتا ہے، یہ بات ناقابل تصور ہے کہ صحابہؓ سنت نبوی سے غایت درجہ محبت اور بدعت سے نفرت کے باوجود کوئی ایسا عمل کریں، جو حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہو، اب اس مسئلہ کے سلسلہ میں روایت موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وتر کی آخری رکعت میں سورۂ اخلاص کی تلاوت فرماتے تھے، پھر رفع یدین کرتے تھے اس کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے دعاء

قنوت پڑھا کرتے تھے، امام بخاری نے اپنی کتاب "جزء رفع الیدین" میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

رہ گیا دعاء قنوت پڑھتے ہوئے ہاتھ باندھنا، تو حدیث میں اس موقع کے لئے کسی خاص کیفیت کی صراحت منقول نہیں کہ آپ ﷺ اس موقع پر ہاتھ چھوڑے رکھتے تھے یا باندھ کر رکھتے تھے، یا اسی طرح ہاتھ اٹھا کر رکھتے تھے، جیسے دعاء کے موقع پر ہاتھ اٹھا کر رکھا جاتا ہے؟ —— اور آپ ﷺ کی نماز کی جو عمومی کیفیت منقول ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طویل ذکر کے موقع پر آپ ہاتھ باندھتے تھے، جیسے قراءت قرآن، اس کے برخلاف مختصر ذکر کے موقع پر ہاتھ نہیں باندھتے تھے، جیسے تکبیرات انتقال اور سمع الله لمن حمده، اس سے اخذ کرتے ہوئے احناف نے اس موقع پر ہاتھ باندھنے کی کیفیت کو زیادہ بہتر سمجھا ہے؛ کیوں کہ دعاء قنوت ذکر طویل کی صورت ہے، یہی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا نقطۂ نظر ہے۔(۱)

حنفیہ کا طریقۂ وتر اور احادیث نبوی ﷺ

سوال:- احناف جس طریقہ پر وتر کی نماز پڑھتے ہیں، کیا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ہے؟ ہمارے بعض احباب جو خلیجی ملکوں میں رہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حنفی کا طریقۂ وتر کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

(صفدر علی، ممبئی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے اس طریقہ پر بھی نماز وتر ثابت ہے، جیسے احناف نماز وتر ادا کرتے ہیں، چنانچہ:

(الف) حنفیہ تین رکعت نماز وتر کے قائل ہیں، اور متعدد احادیث میں آپ ﷺ کے تین رکعت وتر پڑھنے کا ذکر موجود ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں "سبح اسم ربك الأعلى" دوسری

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: اعلاء السنن ۲/ ۲۸۷

میں "قل یأیها الکافرون" اور تیسری میں "قل هو الله أحد" کی قراءت کرتے تھے۔(۱) خود یہ روایت اور اس مضمون کی متعدد روایتیں حدیث کی معروف کتابوں میں موجود ہیں۔

(ب) حنفیہ وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنے کے قائل نہیں ہیں، یہی طریقہ رسول اللہ ﷺ کا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے: "کان لا یسلم في رکعتي الوتر"۔(۲)

(ج) وتر کی تیسری رکعت پر سلام پھیرتا ہے، اور دوسری رکعت میں قعدہ کرتا اور تشہد پڑھتا ہے، کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعتیں مغرب کی تین رکعتوں کی طرح ادا فرماتے تھے۔(۳) اس مضمون کی متعدد روایتیں کتب احادیث میں موجود ہیں اور نماز مغرب میں دوسری رکعت میں قعدۂ اولی کیا جاتا ہے، جس میں صرف "تشہد" پڑھا جاتا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے ایک بات بطور اصول کے بیان فرمائی ہے کہ ہر دو رکعت پر تحیات پڑھی جائے: "في کل رکعتین التحیة"۔(۴)

(د) نماز وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی، خود امام بخاریؒ نے حضرت انس ؓ سے یہی نقل کیا ہے۔(۵) حضرت ابی ابن کعب ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے۔(۶)

(ھ) دعائے قنوت سے پہلے ہاتھ اٹھانا بھی ثابت ہے، حضرت عبد اللہ ابن مسعود ؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ دعائے قنوت سے پہلے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے: "کان یرفع یدیه إذا قنت في الوتر" (۷) خود رسول اللہ ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قراءت سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تکبیر کہی، پھر

---

(۱) ترمذی: ۱/۱۰۶ (۲) نسائی ۱/۲۴۸، نیز دیکھئے مستدرک حاکم ۱/۳۰۴

(۳) مجمع الزوائد ۲/۲۴۲، بحوالہ مسند احمد (۴) مسلم عن عائشۃ ۱/۱۹۴

(۵) بخاری: ۱/۱۳۶ (۶) نسائی: ۱/۲۴۸

(۷) مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۳۷

دعائے قنوت پڑھی اور دعاء کے بعد تکبیر کہتے ہوئے رکوع سے اٹھے (۱) —— اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ حنفیہ جس طریقہ پر وتر پڑھتے ہیں حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ نماز وتر کے یہ تمام افعال رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ کے معمولات مبارکہ سے ثابت ہیں۔

اگر دعائے قنوت چھوٹ جائے

سوال:- اگر احقر سے نماز وتر میں دعائے قنوت چھوٹ جائے تو سجدہ سہو لازم آئے گا کیا؟

(قاضی عبدالقادر، حشمت پیٹ)

جواب:- دعائے قنوت چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے؛ کیوں کہ دعائے قنوت واجب ہے اور ترک واجب سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے یاد آجائے تو نماز کا لوٹانا واجب ہے اور اگر نماز کا وقت گزر چکا ہو تو نقص کے ساتھ نماز ادا ہوگئی؛ البتہ دوبارہ پڑھ لینا بہتر ہے۔

---

(۱) الإستیعاب ۳: ۲۱۵، علی هامش الإصابة

سجدۂ سہو کا بیان

کھڑا ہو کر قعدۂ اولیٰ میں واپس آجائے

سوال:- کل نماز عشاء میں ہمارے امام صاحب قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنا بھول گئے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے، انہیں یہ معلوم تھا کہ کھڑے ہو جانے کے بعد قعدۂ اولیٰ کی طرف لوٹنا نہیں ہے، مقتدی حضرات اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے، وہ قعدہ کی طرف واپس آنا نہیں چاہتے تھے، لیکن جب لوگ بار بار تکبیر کہنے لگے تو قعدہ میں واپس آگئے، پھر دو رکعت نماز پوری کی اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا، بعد میں لوگوں میں اختلاف ہوگیا، کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز درست نہیں ہوئی اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نماز درست ہوگئی، کیوں کہ امام صاحب نے سجدۂ سہو کرلیا ہے، براہ کرم حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟ (صبیح الدین انصاری، ملے پلی)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ جب قعدۂ اولیٰ میں بھول کر کھڑا ہو جائے تو قعدہ کی طرف واپس آنے کی ضرورت نہیں، سجدۂ سہو کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی، اگر پوری طرح کھڑا ہونے کے بعد قعدہ کی طرف لوٹ آیا تو ایک قول کے مطابق نماز فاسد ہو جائے گی اور نماز کا اعادہ واجب ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ اعادہ واجب نہیں اور نماز درست ہو جائے گی،

اور اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے؛ البتہ پہلے قول میں احتیاط ہے:''... ولو عاد الی القعود تفسد صلوته علی الصحیح الخ ''(۱) اس لئے امام صاحب کو واپس نہیں آنا چاہئے تھا...... ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اگر امام سے سہو ہو جائے تو اللہ اکبر کہنے کے بجائے مقتدیوں کو ''سبحان اللہ'' کہنا چاہئے، اللہ اکبر کہنے میں امام کو اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے کہ مقتدی حضرات تکبیر انتقال کہہ رہے ہیں یا امام کو اس کی بھول پر متنبہ کرنا مقصود ہے؟ —— اسی لئے حدیث میں ایسے موقع پر تسبیح پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

دعائے قنوت بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے؟

سوال:- نماز وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا، رکوع میں یاد آیا تو کیا کرے، دعائے قنوت پڑھنا چھوڑ دے یا قیام کی طرف واپس لوٹ آئے؟ (محمد راشد، گولکنڈہ)

جواب:- اگر دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں یاد آئے، تو رکوع میں نہیں پڑھے؛ کیوں کہ دعائے قنوت کا محل حالت قیام ہے نہ کہ حالت رکوع، اور نہ قیام کی طرف واپس آئے؛ کیوں کہ رکوع فرض ہے اور دعائے قنوت واجب، پس قیام کی طرف لوٹنے میں فرض کو چھوڑ کر واجب کی طرف واپسی ہوئی اور یہ درست نہیں، لہٰذا اب اسے دعائے قنوت نہیں پڑھنی چاہئے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لینا چاہئے:

" ولو نسیه أي القنوت ثم تذکره في الرکوع لا یقنت ...
ولا یعود إلی القیام ... وسجد للسهو "(۲)

اگر رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھ لے؟

سوال:- میں کل عشاء کے بعد وتر کی نماز میں دعاء قنوت پڑھنا بھول گیا، پھر جب رکوع سے میں نے سر اٹھا لیا تو اس وقت

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۲۷　　(۲) در مختار: ۲/۴۴۶، ۴۴۷

دعاء قنوت پڑھ لیا، ایسی صورت میں کیا میری نماز ہوگئی؟ بعض دوستوں نے کہا کہ آپ کو دوبارہ رکوع کرنا چاہئے تھا؛ کیوں کہ دعاء قنوت کے بعد رکوع کرنے کا حکم ہے۔ (محمد معظم علی، سفیل گوزہ)

جواب:- نماز وتر میں دعاء قنوت واجب ہے؛ اس لئے اگر دعاء قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں یا اس سے اٹھنے کے بعد یاد آئے تو اب دعاء قنوت پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ واجب کے چھوٹ جانے کی وجہ سے اخیر میں سجدۂ سہو کر لے؛ لیکن رکوع سے اٹھنے کے بعد دعاء قنوت پڑھ ہی لیا تو اب رکوع کو دہرانے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ ایک رکعت میں دو رکوع ثابت نہیں ہے؛ البتہ اگر رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دعاء قنوت پڑھ لیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور بہر صورت اخیر میں سجدۂ سہو کرنا واجب ہوگا:

"وإذا نسي القنوت في ثالثة الوتر وتذكره في الركوع أو في الرفع منه أي من الركوع لا يقنت على الصحيح لا في الركوع ..... ويسجد للسهو، ولو قنت بعد رفع رأسه من الركوع لا يعيد الركوع ويسجد للسهو إلخ" (۱)

اگر امام پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے؟

سوال:- ہمارے یہاں امام صاحب چوتھی رکعت میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہوئے، نمازیوں نے متوجہ کیا تو پھر بیٹھ گئے اور نماز پوری کر لی تو کیا اس صورت میں انہیں سجدۂ سہو بھی کرنا چاہئے تھا؟ (عبدالرشید، یاقوت پورہ)

جواب:- اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے امام کو خود تنبیہ ہو جائے یا مقتدی متنبہ کر دے تو انہیں قعدہ کی طرف لوٹ آنا چاہئے، پھر حسب معمول قعدہ میں تشہد پڑھ

(۱) مراقی الفلاح، ص: ۲۱۱

لے اور آخر میں سجدۂ سہو کرلے:

"و إن لم يقعد على رأس الرابعة حتى قام إلى الخامسة إن تذكر قبل أن يقيد الخامسة بالسجدة عاد إلى القعدة ... ويتشهد و يسلم و يسجد للسهو" (۱)

اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آئے تو اب یہ نماز نفل ہو جائے گی، امام کو اس کے ساتھ مزید ایک رکعت ملالینی چاہئے۔

لہٰذا آپ کے امام صاحب کو اخیر میں سجدۂ سہو بھی کرنا چاہئے تھا، اگر سجدہ سہو نہیں کیا اور نماز کا وقت گذر گیا تو نقص کے ساتھ نماز ادا ہوگی۔

اگر قعدۂ اولیٰ میں درود پڑھ لے

سوال:- وتر کی نماز میں قعدۂ اولیٰ میں تحیات کے بعد پورا درود شریف پڑھ لے، اس کے بعد یاد آیا کہ اس میں درود نہیں پڑھنا تھا؛ چنانچہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ مجھے بار بار یہ بات پیش آتی رہتی ہے۔ (فقیر احمد، گلبرگہ)

جواب:- قعدۂ اولیٰ میں تحیات پڑھنے پر اکتفا کرنا ہے، حدیث میں ایسا ہی منقول ہے اور فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، چوں کہ درود شریف پڑھنے کی وجہ سے تیسری رکعت کا قیام – جو فرض ہے – کی ادائیگی میں تاخیر ہورہی ہے اور رکن میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛ اس لئے ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرلینا چاہئے، علامہ شامیؒ نے سجدۂ سہو واجب ہونے کے اسباب میں اس کو بھی شمار کیا ہے:

"وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن ، وفي الزيلعي : الأصح وجوبه بألّلهم صل على محمد" (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۹ (۲) رد المحتار: ۲/۵۴۴

قعدۂ اولیٰ بھول جائے

سوالؔ:- وتر کی نماز میں دو رکعت کے بعد بیٹھنا بھول جائے، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ (فقیر احمد، گلبرگہ)

جوابؔ:- وتر کی نماز میں بھی قعدۂ اولیٰ واجب ہے، اگر قعدہ کو بھول کر کھڑا ہو، اور اسی وقت یاد آجائے، تو اگر بیٹھنے کی حالت سے قریب ہو تو واپس آکر قعدہ کرلے اور اگر کھڑے ہونے کی حالت قریب ہو تو واپس نہ آئے، بلکہ نماز پوری کرلے اور سجدۂ سہو کرلے، اس لئے کہ وہ ایک واجب عمل کو چھوڑنے کا مرتکب ہوا ہے:

"من سهى عن القعدة الأولى ثم تذكر وهو إلى حالة القعود أقرب عاد ... ولو كان إلى القيام أقرب لم يعد ؛ لأنه كالقائم معنى ، ويسجد للسهو ؛ لأنه ترك الواجب " (۱)

یہ صرف فقہاء کا اجتہاد نہیں ہے؛ بلکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کی روایت میں صراحۃً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اسی طرح منقول ہے، (۲) ــــــ غرض کہ اس صورت میں سجدۂ سہو کرلینا کافی ہے، اگر سلام پھیرنے کے بعد وقت کے اندر یاد آجائے تو نماز لوٹا لینا واجب ہے۔

سجدۂ سہو کے بعد تشہد کا ثبوت

سوالؔ:- احناف کے یہاں سجدۂ سہو میں، سجدۂ سہو کے بعد دوبارہ تشہد پڑھ کے سلام پھیرتے ہیں، ہم لوگ سعودی عرب میں دیکھتے ہیں کہ سجدۂ سہو کرنے کے فوراً بعد سلام پھیر دیتے ہیں، درمیان میں تشہد نہیں پڑھتے ہیں، وہاں بتایا جاتا ہے کہ سنت طریقہ

---

(۱) الهدایہ: ۱/۱۵۹

(۲) سنن ابو داؤد، حدیث نمبر: ۱۰۳۶، عن مغیرہ بن شعبہ ؓ

کی ہے، کیا احناف کے طریقہ پر سجدۂ سہو کرنے کے بعد تشہد پڑھنے کا کوئی ثبوت ہے؟ (احمد عبد الرب، نسٹعلی پورم)

جواب:- حدیث میں سجدۂ سہو کے ایک سے زائد طریقے منقول ہیں، ان میں سے کسی بھی طریقہ پر سجدۂ سہو کر لیا جائے، کافی ہو جائے گا؛ البتہ افضل طریقہ کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ احناف جو سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھتے ہیں، اس کا ثبوت ذخیرۂ حدیث میں موجود ہے، حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سہو ہو گیا، تو آپ ﷺ نے دو سجدے فرمائے، پھر تشہد پڑھا، اس کے بعد سلام پھیرا:

"أن النبي ﷺ صلى بهم فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم" (۱)

امام ابو داؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے خاموشی اختیار کی ہے، اور ان کی خاموشی کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان کے نزدیک معتبر روایت ہے، نیز مشہور محدث حاکم نے اسے بخاری و مسلم کے درجہ کی روایت مانا ہے: "هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه" (۲) لہٰذا سجدۂ سہو کا یہ طریقہ صحیح و معتبر حدیث سے ثابت ہے۔

اگر تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھے پھر اٹھ جائے؟

سوال:- امام صاحب عصر کی نماز پڑھا رہے تھے، تیسری رکعت میں کھڑے ہونے کی بجائے بیٹھ گئے، مصلیوں نے لقمہ دیا، ابھی امام صاحب نے التحیات بھی شروع نہیں کی تھی کہ فوراً کھڑے ہو گئے، اب امام صاحب کو سجدۂ سہو کرنا چاہئے یا نہیں؟

(محمد اویس، کبیر پیٹ)

---

(۱) ابوداؤد، کتاب الصلاة، باب من نسي أن يتشهد وهو جالس، حدیث نمبر: ۱۰۳۹، ترمذی، أبواب الصلاة، باب التشهد في سجدتي السهو، حدیث نمبر: ۳۹۵، قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب صحيح

(۲) المستدرک علی الصحیحین، کتاب السهو، حدیث نمبر: ۱۲۰۴

جواب :- اس صورت میں اگر امام صاحب تیسری رکعت میں ایک رکن کے بقدر بیٹھے رہے، پھر اٹھے تو سجدۂ سہو واجب ہوگیا:

"قعد بعد رفع رأسه من السجود في الركعة الثالثة يجب عليه سجود السهو" (۱)

"إنما المعتبر مقدار ما يؤدي فيه الركن" (۲)

اور ایک رکن کے بقدر سے مراد ایک تسبیح کی مقدار ہے:

"واقله قدر تسبيحة فرض" (۳)

اگر ظہر کی نماز چھ رکعت پڑھ لی جائے؟

سوال :- امام صاحب ظہر کی نماز میں چار رکعت کے بعد قعدۂ اخیر کر کے پانچویں رکعت کے لئے اٹھ گئے اور پھر چھ رکعت پوری کر کے قعدہ اور سلام کیا، ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟ (محمد شاکر، مہدی پٹنم)

جواب :- مذکورہ صورت میں چار رکعت فرض اور دو رکعت نفل ہوگئی؛ البتہ امام صاحب کے لئے ضروری تھا کہ وہ سجدۂ سہو بھی کرتے؛ لیکن جب نماز کا وقت گذر گیا، تو نقص کے ساتھ نماز ہوگئی، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"وإن قيد الخامسة بالسجدة ثم تذكر ضم إليها ركعة أخرى وتم فرضه ويسجد للسهو استحسانا، لتمكن النقصان في الفرض بالخروج لا على وجه المسنون وفي النفل بالدخول لا على وجه المسنون" (۴)

---

(۱) ہندیہ: ۱/۱۲۹ (۲) ہندیہ: ۱/۳۳۰

(۳) ہندیہ: ۱/۲۵، ط: ہند (۴) ہدایہ ج اول: ۱۴۰

سنت اور نفل نمازیں

سنتیں کہاں پڑھے؟

سوال:- نماز سے پہلے اور بعد کی سنتوں کو کہاں پڑھنا چاہئے؟ مسجد میں یا گھر میں؟ (حیدر قریشی، سکندرآباد)

جواب:- فرائض کے علاوہ تمام نمازیں، سوائے تراویح اور تحیۃ المسجد کے گھر میں پڑھنا افضل ہے:

" وأما السنن التي بعد الفريضة فإنه إن تطوع بها في المسجد فحسن و تطوعه بها في البيت أفضل ، وهذا غير مختص بما بعد الفريضة بل جميع النوافل ماعدا التراويح و تحية المسجد " (١)

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ ظہر سے پہلے کی چار رکعت میرے حجرے میں پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے تھے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز پڑھا کر واپس آتے تھے تو دو رکعت میرے حجرہ میں ادا کرتے تھے ؛ (٢) البتہ اگر اندیشہ ہو کہ گھر جانے کے بعد غفلت ہو جائے گی تو مسجد ہی میں سنتوں کا ادا کر لینا بہتر ہے۔

---

(١) کبیری : ٣٨٣

(٢) سنن أبي داؤد ، كتاب التطوع ، حديث نمبر : ١٢٥١

فجر کی سنت

سوال:- فجر کی جماعت کھڑی ہو تو جماعت میں شامل ہونا چاہئے یا پہلے دو رکعت سنت ادا کر کے بعد میں فرض نماز ادا کی جائے، یا چھوٹی ہوئی سنتیں فوراً نماز کے بعد ادا کرنا چاہئے؟

(فقیر احمد، گلبرگہ)

جواب:- اگر اس بات کی امید ہو کہ سنت پڑھنے کے بعد بھی وہ ایک رکعت نماز پالے گا تو اسے سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہئے، حنفیہ کے یہاں ایک رائے کے مطابق یہ قول زیادہ صحیح ہے، اور یہ حدیث سے بھی قریب تر ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ اگر صرف قعدۂ اخیرہ کو پالینے کی امید ہو تب بھی اسے سنت ادا کر لینی چاہئے، یہ بھی بعض حضرات کا قول ہے، —— بہر حال اگر اندیشہ ہو کہ سنت پڑھنے کی صورت میں ایک رکعت بھی نہیں پاسکے گا تو ایسی صورت میں امام کے ساتھ نماز میں شریک ہو جانا چاہئے؛ کیوں کہ جماعت کا پانا سنت کے ادا کرنے سے زیادہ اہم ہے، جماعت واجب ہے اور سنت بہر حال اس سے کم درجہ میں ہے۔

اصل میں سنت کی تنہا قضا نہیں ہے؛ کیوں کہ قضا تو ایسی چیز کی ہوتی ہے جو واجب ہو؛ البتہ بطور استحباب اور اجر و ثواب کے دو رکعت سورج طلوع ہونے اور وقت مکروہ کے گزر جانے کے بعد پڑھ سکتا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جس نے فجر کی دو (مسنون) رکعتیں نہیں پڑھیں، اسے چاہئے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد انہیں پڑھ لے"(1)

فجر کی فرض نماز ادا کرنے کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے سنت نہیں پڑھنی چاہئے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک نفل نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

---

(1) ترمذی، حدیث نمبر: ۴۲۳

فریضۂ فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے سنت کی ادائیگی

سوال:- فجر میں بعض حضرات کو دیکھا گیا کہ فرض جماعت کے وقت مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور فرض ختم ہوتے ہی سنت ادا کرتے ہیں، یہ ان کا روز کا معمول ہے، اس کے بارے میں ہدایات کیا ہیں؟ (ابو المجاہد محمد جریر، پنجارہ ہلز)

جواب:- اس بات کی عادت بنا لینا کہ فجر کی سنت پہلے سے نہ پڑھے اور سیدھے آکر فرض میں شریک ہو جائے درست نہیں، یوں تو فرض نماز سے متصل تمام ہی سنتوں کی خاص اہمیت ہے، لیکن فجر سے پہلے کی سنت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کو گھوڑے روند دیں تب بھی تم ان کو نہ چھوڑو: ''لا تدعوهما وإن طردتكم الخيل'' (۱) تاہم اگر سنت چھوٹ گئی تو سنت کی قضا نہیں ہے، قضا فرض و واجب کی ہے، البتہ گنجائش ہے کہ فجر کا وقت ختم ہو جانے اور سورج طلوع ہونے کے بعد اس کے بدلے دو رکعت نماز پڑھ لے، فجر کی فرض نماز پڑھ لینے کے بعد اور آفتاب طلوع ہونے سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھنا (جس میں سنت فجر بھی شامل ہے) درست نہیں ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کے بعد تا طلوع آفتاب کوئی بھی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے (۲) فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

''وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضي قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح'' (۳)

جماعت فجر کے درمیان سنت فجر

سوال:- علماء کرام اور دوسری نمازوں کے بارے میں تو

---

(۱) سنن أبي داؤد عن بلال، باب في تخفيفهما، حدیث نمبر: ۱۲۵۷

(۲) بخاری، باب الصلاة بعد الفجر حتى ترتفع الشمس عن ابن عباس، حدیث: ۵۸۱

(۳) رد المحتار: ۵۱۲/۲، ہندیہ: ۵۳/۱

کہتے ہیں کہ جب فرض نماز شروع ہو چکے تو سنت نہ پڑھی جائے :
لیکن فجر کے بارے میں بتاتے ہیں کہ چاہے فرض نماز شروع ہو چکی
ہو پھر بھی سنت ادا کر لینا چاہئے ، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے ؛
کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب فرض نماز شروع ہو جائے
تو کوئی اور نماز نہ پڑھی جائے ، اس سلسلہ میں صحیح رائے کیا ہے ؟

(ارشاد احمد قادری ، مصری گنج)

جواب :- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب فرض نماز شروع ہو تو صرف فرض نماز ہی پڑھی جائے ، یہ درست ہے ؛ لیکن نماز فجر کا اس سے مستثنیٰ ہونا ان صحابہ کے عمل سے ثابت ہے ، جو شب و روز آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے ؛ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کے بارے میں مروی ہے کہ فجر کی جماعت شروع ہو گئی ، انھوں نے فجر کی سنت نہیں پڑھی تھی تو انھوں نے پہلے سنت ادا کی پھر نماز میں شریک ہوئے ۔

" جاء نا ابن مسعود والإمام يصلي الفجر فصلي ركعتين
إلى سارية ولم يكن صلي ركعتي الفجر " (۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کی رائے کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو بات عبد اللہ بن مسعود ؓ کو پسند ہو ، مجھے اپنی امت کے لئے وہ بات پسند ہے " رضيت لأمتي ما رضي لها ابن أم عبد " اس دور کے مشہور سلفی عالم علامہ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کے صحیح و معتبر ہونے کا اعتراف کیا ہے ۔ (۲)
حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ جن کو خود رسول اللہ ﷺ نے علم و تفقہ کی دعا دی تھی ، اور جو چند ممتاز فقہاء صحابہ ؓ میں ہیں ، ان کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ مسجد تشریف لائے جب نماز فجر شروع ہو چکی تھی اور انھوں نے سنت نہیں پڑھی تھی ؛ چنانچہ انھوں نے سنت فجر ادا کی ، پھر

---

(۱) مصنف عبد الرزاق [illegible] ، حدیث نمبر ۴۰۲۱
(۲) دیکھئے سلسلة الأحاديث الصحيحة ، حدیث نمبر ۲۲۵

جماعت میں شریک ہوئے:

"جاء عبد الله بن عباس والإمام في صلاة الغداة ولم يكن صلى الركعتين فصلى عبد الله بن عباس رضي الله عنه الركعتين خلف الإمام ثم دخل معهم" (۱)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا شمار فقہاء صحابہ میں ہے، ان کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ مسجد تشریف لاتے، لوگ فجر کی جماعت میں ہوتے تو یہ مسجد کے کسی کونے میں دو رکعت نماز ادا کر کے پھر جماعت میں شامل ہوتے:

"..... فيصلي الركعتين في ناحية المسجد ثم يدخل مع القوم في الصلاة" (۲)

اس سلسلہ میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بعض ارشادات بھی منقول ہے، (۳) —— صحابہ کا عمل دراصل رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی تشریح اور بیان کے درجہ میں ہے؛ کیوں کہ یہ بات ناقابل تصور ہے کہ وہ شرعی احکام خاص کر عبادات میں اپنی طرف سے کسی بات کا اضافہ کر دیں گے، حالاں کہ عبادات میں کسی بات کا اضافہ بدعت ہے۔

فریضۂ عصر سے پہلے سنت

سوال:- کیا عصر کی چار رکعت فرض سے پہلے کوئی سنت بھی ہے اور کیا اس کا حدیث سے بھی ثبوت ہے؟

(محمد غوث الدین قدیر، جنگاؤں)

جواب:- عصر سے پہلے ایک سلام کے ساتھ چار رکعت سنت غیر مؤکدہ ہے، ترمذی اور نسائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے

(۱) شرح معانی الآثار: ۱۸۳/۱ (۲) شرح معانی الآثار: ۱۸۳/۱

(۳) دیکھئے مصنف عبد الرزاق: ۴۴۳/۲، حدیث نمبر: ۴۰۲۰، نیز ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۷/۲، حدیث نمبر: ۶۴۳۱

وراس میں دو رکعت پر فرشتوں اور مسلمانوں پر سلام کے ذریعہ فصل کرتے تھے۔(۱) فرشتوں پر سلام سے مراد تشہد پڑھنا ہے، یعنی دو رکعت پر قعدۂ اولیٰ فرماتے تھے، نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے، جو عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھے(۲)؛ اس لیے عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنا سنت ہے اور صحیح حدیث سے اس کا ثبوت ہے۔

فرض کے بعد اسی جگہ سنت ادا کرنا

سوال:- ہمارے امام صاحب جہاں پر فرض نماز پڑھتے ہیں، وہیں پر فرض کے بعد کی سنتیں بھی پڑھتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ (قمر الزماں، شاہ آباد)

جواب:- جہاں پر فرض نماز ادا کی گئی ہے، وہیں پر سنت و نفل بھی پڑھی جائے تو نماز تو درست ہو جاتی ہے، لیکن یہ بہتر طریقہ نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ وہاں سے ایک دو قدم ہٹ کر نماز پڑھی جائے، بشرطیکہ اس کی گنجائش ہو، اور امام کو تو خاص طور پر اپنی جگہ سے کچھ ہٹ کر نماز پڑھنی چاہئے؛ تاکہ آنے والوں کو اشتباہ نہ ہو کہ امام صاحب ابھی نماز پڑھ رہے ہیں:

"... والأولى أن يخطو خطوة أو خطوتين، والإمام يتأخر عن المكان الذي يصلي فيه الفريضة لا محالة" (۳)

سنت مؤکدہ کی تعریف اور نماز تراویح کا حکم

سوال:- (الف) سنتِ مؤکدہ کی تعریف کیا ہے؟ (ب) اور کیا نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے؟ (امیر الدین، ٹولی چوکی)

---

(۱) ترمذی، حدیث ۴۲۹، نسائی، باب الصلوۃ قبل العصر

(۲) ترمذی، حدیث ۴۲۹

(۳) المحیط البرہانی ۲/۲۳۳

جواب:- (الف) رسول اللہ ﷺ نے بطور عبادت کے جس کام کو پابندی کے ساتھ کیا ہو، لیکن کبھی کبھی بلا عذر اسے چھوڑ بھی دیا ہو، یا چھوڑا تو نہ ہو، لیکن چھوڑنے والے پر نکیر نہ فرمائی ہو، اس کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں، (۱) —— سنت مؤکدہ بھی واجب ہی کی طرح ہے، یعنی جیسے واجب کا مطالبہ کیا جاتا ہے، سنت مؤکدہ کا بھی مطالبہ کیا جائے گا؛ البتہ واجب کا ترک سزا و عقاب کا موجب ہے، اور سنت مؤکدہ کا ترک عقاب کا موجب نہیں:

" وحكمها كالواجب ... إلا أن تارك الواجب يعاقب وتاركها لا يعاقب " (۲)

(ب) صحیح قول یہی ہے کہ تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے، مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی؛ کیوںکہ خلفائے راشدین نے اس کی پابندی فرمائی ہے:

" التراويح سنة مؤكدة لمراظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء " (۳)

جماعت کے ساتھ شب قدر میں نفل

سوال:- شب قدر میں مغرب کے بعد چھ رکعت نفل نماز کیا جماعت کے ساتھ پڑھی جاسکتی ہے؟

(نظام الدین، عادل آباد)

جواب:- جماعت اصل میں فرض نمازوں کے لئے ہے، نہ کہ نوافل کے لئے، اس لئے سوائے نماز تراویح کے نفل میں جماعت مسنون نہیں: " إن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان " (۴)، نیز لوگ ایک مخصوص نماز شب براءت شب

(۱) دیکھئے: التعريفات الفقهية : ص ۳۲۸، الوجيز في أصول الفقه : ص: ۳۰-۳۹

(۲) التعريفات للجرجاني : ص: ۱۳۸

(۳) الدر المختار ورد المحتار : ۲/۴۹۴، بدائع الصنائع : ۱/۶۴۴

(۴) رد المحتار : ۲/۵۰۰

قدر وغیرہ میں جماعت سے پڑھا کرتے تھے، فقہاء نے اس کی جماعت میں شرکت کو منع کیا ہے: "یکرہ الاقتداء في صلاۃ رغائب وبراءۃ وقدر" (۱) اس لئے شب قدر وغیرہ میں جو بھی نفل پڑھیں تنہا تنہا پڑھا کریں۔

وتر کے بعد تہجد کی نماز پڑھنا

سوال:- تہجد کی نماز پڑھنا ہو تو کیا پہلے وتر کی نماز ادا کرکے بعد میں تہجد کی نماز کی آٹھ رکعت ادا کریں؟

(سید افضل الدین، مقام غیر مذکور)

جواب:- افضل طریقہ یہ ہے کہ اگر رات کے آخری پہر میں بیدار ہونے کی توقع ہو تو پہلے نماز تہجد ادا کرے، پھر نماز وتر پڑھے؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز تہجد ادا کرتے رہتے تھے اور آخر میں نماز وتر پڑھتے تھے:

"کان رسول اللہ ﷺ یصلي من اللیل حتی یکون آخر صلاتہ الوتر" (۲)

یہ بات مختلف روایات میں آئی ہے؛ البتہ اگر کوئی شخص وتر پڑھ چکا ہو اور بعد میں تہجد پڑھنے کا خیال آیا، یا پہلے سے بیدار ہونے کی امید نہیں تھی، مگر آنکھ کھل گئی تو نماز تہجد پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض اوقات وتر کے بعد بھی نفل نماز ادا فرمائی ہے۔

سنت کے ساتھ ساتھ تحیۃ المسجد کی ادائیگی

سوال:- ایک مسجد کے امام صاحب کہتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی اگر ہم بیٹھے بغیر سنت نمازیں پڑھنے لگیں تو تحیۃ

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲/۵۰۱

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۷۴۹، باب صلاۃ اللیل

المسجد بھی ادا ہو جاتی ہے، کیا یہ مسئلہ صحیح ہے؟ (محب اللہ، خان پور)

جواب:- جب مسجد میں داخل ہوں تو اس کے احترام میں دو رکعت نفل پڑھنی چاہئے، حدیث میں اس کی فضیلت آئی ہے؛ البتہ اگر مسجد میں داخل ہوتے ہی کوئی فرض یا سنت نماز پڑھ لی جائے تو اس سے بھی تحیۃ المسجد ادا ہو جاتی ہے، خواہ اس کی نیت کی جائے یا نہیں، علامہ ابن نجیم مصری اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کل صلاۃ صلاها عند دخوله فرضا او سنۃ فانها تقوم مقام التحیۃ بلا نیۃ" (۱)

نفل نماز-شروع کرنے کے بعد

سوال:- اللہ کا شکر ہے کہ میں اشراق پڑھنے کا اہتمام کرتی ہوں، مگر ایک دن ایسا ہوا کہ میں نے نماز شروع کی، ابھی ایک ہی رکعت پڑھی تھی کہ میری بچی بہت رونے لگی، یہاں تک کہ پریشان ہوکر میں نے نماز توڑ دی اور اسے دودھ پلانے میں مصروف ہوگئی، پھر وقت گذر گیا اور خیال بھی جاتا رہا، ایسی صورت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ کیا ہمیں کوئی کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

(شائستہ پروین، مہدی پٹنم)

جواب:- جب کوئی سنت یا نفل شروع کردی جائے اور پھر توڑ دی جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ نماز اس کے ذمہ واجب ہو جاتی ہے اور نذر (منت ماننے) کے درجہ میں آجاتی ہے:

"کما لو شرع فیها ثم قطعها، ثم أداها کانت سنۃ وزادت وصف الوجوب بالقطع۔ نهر" (۲)

---

(۱) البحر الرائق ۲۹:۲ (۲) رد المحتار: ۳۹۳:۲

اس لئے آپ نے جو صورت لکھی ہے، اس میں دو رکعت اسی نماز کی قضاء کی نیت سے پڑھ لیں، یہ آپ کے لئے کافی ہے، کسی اور کفارہ کی ضرورت نہیں۔

نماز چاشت — آداب واحکام

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ چاشت کی نماز کا کوئی ثبوت نہیں، نماز اشراق ہی نماز چاشت ہے، اس سلسلہ میں روشنی ڈالئے۔ اور اگر چاشت کی نماز الگ سے ہے تو بتائیے اس کا وقت کیا ہے؟ کتنی رکعتیں پڑھی جائیں گی؟ اور اس کی کیا فضیلت ہے؟ (محبوب الرحمٰن، یاقوت پورہ)

جواب:- بعض علماء نے اشراق اور چاشت کو ایک ہی نماز مانا ہے، ان کا خیال ہے کہ طلوع آفتاب اور زوال کے درمیان نفل نماز پڑھنا مستحب ہے، یہی صلاۃ اشراق بھی ہے اور صلاۃ الضحیٰ بھی، لیکن امام غزالی اور صوفیاء نے عام طور پر ان دونوں نمازوں کو الگ الگ نماز مانا ہے اور سنن ترمذی کی ایک روایت سے اسی کی تائید ہوتی ہے، اس لئے زیادہ صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں، طلوع آفتاب اور زوال آفتاب کے درمیان جو وقت ہوتا ہے، اس کے پہلے نصف میں نماز اشراق پڑھی جائے گی اور دوسرے نصف میں نماز چاشت (صلاۃ الضحیٰ)۔

حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے بارہ رکعت نماز چاشت ادا کی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا گھر بنائیں گے:

"... من صلی الضحی ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللہ لہ قصرا فی الجنۃ من ذھب" (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ چاشت کی نماز بارہ رکعت پڑھنا بڑے اجر کا باعث ہے، فقہاء

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی صلاۃ الضحیٰ، حدیث نمبر: ۴۷۳

نے دوسری احادیث اور نفل نمازوں میں رکعت کی کسی خاص تعداد کے ضروری نہ ہونے کے پس منظر میں لکھا ہے کہ کم سے کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت پڑھی جائے اور اوسط درجہ آٹھ رکعت پڑھنے کا ہے؛ بلکہ بعض فقہاء نے اس کو افضل قرار دیا ہے:

" أقلها ركعتان وأوسطها ثمان وهو أفضلها وأكثرها اثنا عشرة " (۱)

نمازِ استخارہ وتر سے پہلے یا اس کے بعد؟

سوال:- نمازِ استخارہ وتر ادا کرنے سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں؟ (م، طاہر، ملک پیٹ)

جواب:- نمازِ استخارہ یوں تو وتر کے بعد بھی پڑھی جا سکتی ہے؛ کیوں کہ وتر کے بعد بھی نفل نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن بہتر ہے کہ وتر سے پہلے نمازِ استخارہ پڑھ لیں؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر کو رات کی آخری نماز بنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ (۲)

استخارہ یا قرعہ اندازی؟

سوال:- مجھے جب بھی کسی کام کو کرنا ہوتا ہے تو اس کے منفی پہلو سے ڈر لگتا ہے، کسی مسئلہ کو حل کرنے میں کہ یہ کروں یا وہ کروں؟ کشمکش و پیچ میں مبتلا ہوتی ہوں تو قرعہ اندازی کرتی ہوں، پہلے سورہ فاتحہ پڑھتی ہوں، پھر چاروں قل پڑھ کر درود ابراہیمی کا ورد کر کے ایک پرزہ پر " ہاں کرو " دوسرے پر " مت کرو " لکھ کر اچھالتی ہوں، اور کسی ایک کو آنکھ بند کر کے بسم اللہ کہہ کر لے لیتی ہوں، تین دفعہ کرتی ہوں اور تیسری دفعہ نکلے ہوئے پرزے کو اللہ

---

(۱) در مختار: ۲/۴۶۵

(۲) بخاری، باب لیجعل آخر صلاته وترا، حدیث نمبر: ۹۹۸

تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر مطمئن و پرسکون ہو جاتی ہوں، اور فوراً اس پر عمل
کرتی ہوں اور کثرت سے اللہ رب العزت سے دعائیں، تگتی ہوں،
پہلے بھی امتحان کی تیاری کے وقت کسی دو طویل جوابات کو یاد کرنے
کا وقت نہیں تھا تو قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک جواب کا انتخاب کر
کے ازبر کرتی تھی اور تقریباً جوابات سوالیہ پرچہ میں وہی آتے تھے:
لہٰذا اب زندگی کے عملی مسائل میں بھی وہی عمل پورے خلوص
وللہیت کے ساتھ کرتی ہوں، مجھے بتائیے کہ شریعت کی رو سے اس
طرح کرنا درست ہے؟ (حبیب النساء، کریم نگر)

جواب:– حدیث میں بعض مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے قرعہ اندازی کا ذکر ہے، لیکن جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں قرعہ نکالنا ثابت نہیں، قرعہ کا تعلق انسانی حقوق اور حصوں کے تعین سے ہے، اور فقہاء نے بحیثیت مجموعی پانچ مواقع ذکر کیے ہیں (۱)؛ البتہ اس موقع سے رسول اللہ ﷺ نے استخارہ کا طریقہ رکھا ہے اور اس پر امت کا اجماع اور اتفاق ہے، استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ جس معاملہ میں دونوں پہلو جائز ہوں اور سمجھ میں نہ آتا ہو کہ کس پہلو کو اختیار کیا جائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جس میں خیر ہو اس کی طرف دل کا جھکاؤ ہو جائے، استخارہ حدیث سے ثابت ہے، اور اسی لئے اس پر امت کا اتفاق ہے،(۲) اس لئے آپ بھی یہی طریقہ اختیار کریں۔

نماز استسقاء — آداب واحکام

سوال:– اس وقت حیدرآباد میں پانی کی بہت ہی قلت
ہے اور تمام ذخیرۂ آب خشک ہو کر رہ گیا ہے، چنانچہ حمایت ساگر
میں نماز استسقاء کا اعلان کیا گیا ہے، براہِ کرم اس نماز کی اہمیت

(۱) دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۳/۱۳۸ (۲) دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ: ۳/۲۴۲

اور اس سے متعلق مسائل پر روشنی ڈالئے؟ (سلطان احمد، شاہین نگر)

جواب:- استسقاء کے معنی پانی مانگنے کے ہیں، ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت سے حاصل ہوتی ہیں، بارش اور پانی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے وافر مقدار میں انسان کو دے رکھی ہے، قرآن نے خود یہ بات کہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ پانی کو روک لے تو کون ہے جو انسانوں کو پانی عطا کردے؟ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ ہر ضرورت کے لئے وہ خدا کے سامنے ہاتھ پھیلائے، عام ضرورتوں کے لئے تو دعا اور نماز حاجت ہے؛ لیکن بارش کے لئے خصوصی نماز "نماز استسقاء" رکھی گئی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے نماز استسقاء ادا فرمائی ہے: اسی لئے علامہ علاء الدین حصکفی نے استسقاء کو مسنون قرار دیا ہے اور علامہ شامی مستحب قرار دیتے ہیں۔ (۱)

نماز استسقاء اس وقت پڑھی جائے گی جب موسم خشک ہو، لوگ خشک سالی کی وجہ سے دشواری میں مبتلا ہوں اور بارش کی کمی ہو، فقہاء نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ نماز استسقاء سے پہلے تین دنوں روزہ رکھا جائے اور خدا کی بارگاہ میں توبہ کی جائے، پھر جب نماز استسقاء کے لئے جائے تو نئے کپڑوں میں ملبوس نہ ہوں، بلکہ دھلے ہوئے یا پیوند لگے ہوئے کپڑوں میں نکلے اور قریبی مقام ہو جہاں پیدل جائے، جاتے ہوئے فروتنی، تواضع اور خشوع کی کیفیت ہو، سر جھکے ہوئے ہوں، زبان پر توبہ اور استغفار کے الفاظ ہوں، کمزور، بوڑھے اور بچے بھی ساتھ رکھے جائیں، بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ مویشی بھی ساتھ ہوں، تاکہ ان کمزوروں اور بے زبانوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئے، جانے سے پہلے صدقہ کرنا مستحب ہے، مکہ، مدینہ اور بیت المقدس میں تو مسجد میں نماز ادا کی جائے گی، باقی دوسری جگہوں میں کھلے میدان میں نماز ادا کرنا مستحب ہے۔

نماز کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں نماز عید کی طرح نہ اذان ہوگی اور نہ اقامت، بلکہ امام دو رکعت نماز پڑھائے گا اور باآواز بلند قراءت کرے گا، نماز سے فارغ ہو کر عصا لے کر خطبہ

---

(۱) ملخص از: در مختار و رد المحتار ۲/۴۲۰-۴۲۳، باب الاستسقاء

دے گا، ایک ہی خطبہ کافی ہے، جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے، خطبہ شروع کرنے کے بعد امام وہ رومال جسے وہ اوڑھے ہوئے ہو، اسے پلٹ دے گا، پلٹنے کی صورت یہ ہوگی کہ اگر چوکور رومال ہو تو جو حصہ اوپر تھا اسے نیچے کرلے اور نیچے والے کو اوپر، اور اگر رومال کی ساخت مدور یعنی گول ہو تو دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں کرلے اور اگر عبا پہنے ہوا ہو تو اوپر کے حصہ کو اندر اور اندر کے حصہ کو اوپر کرلے، یہ صرف امام کو کرنا ہے، مقتدیوں کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں، نماز کے بعد بارش کی دعا کرنی چاہئے، دعا کا طریقہ یہ ہوگا کہ امام قبلہ رخ کھڑا ہوگا اور اپنا ہاتھ اٹھائے گا، لوگ قبلہ رخ بیٹھے رہیں گے اور اس کی دعا پر آمین کہیں گے، دعا زور سے بھی کی جاسکتی ہے اور آہستہ بھی اور چوں کہ یہ نماز کی حالت نہیں ہے، اس لئے عربی میں بھی دعا کی جاسکتی ہے اور اردو میں بھی، اسی طرح تین دنوں تک مسلسل نماز استسقاء ادا کرنی چاہیے۔(۱)

رسول اللہ ﷺ سے اس موقع پر مختلف الفاظ میں دعا مانگنی ثابت ہے، جن میں بعض مختصر ہیں اور بعض نسبتاً طویل: "اللّٰهم صيباً نافعاً" (۲) اے اللہ! نفع بخش بارش عطا فرما" اللّٰهم أسقنا ، اللّٰهم أسقنا ، اللّٰهم أسقنا " (۳) اے اللہ! ہمیں پانی عطا فرما، اے اللہ! ہمیں سیراب فرما، اے اللہ! ہمیں آبیار فرما — کسی قدر طویل دعاؤں میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے:

"اللّٰهم أسقنا غيثاً مغيثاً مريئاً مُريعاً نافعاً غير ضارٍ عاجلاً غير آجلٍ" (۴)

"الٰہا! ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو ضرورت کو پوری کرنے والی، خوشگوار اور قوت دہ ہو، نقصان دہ نہ ہو، جلدی برسنے والی ہو نہ کہ تاخیر سے"

---

(۱) ملخص از درمختار و رد المحتار :۳/۷۲-۷۰، باب الاستسقاء

(۲) بخاری ، کتاب الاستسقاء :۱/۱۴۰

(۳) بخاری ، کتاب الاستسقاء :۱/۱۳۷

(۴) ابو داؤد ، باب رفع اليدين في الاستسقاء ، حدیث نمبر:۱۱۶۹

"الحمد لله رب العالمين ، الرحمن الرحيم ، ملك يوم الدين ، لا إله إلا الله يفعل ما يريد ، اللهم أنت الله لا إله إلا أنت ، أنت الغني و نحن الفقراء ، أنزل علينا الغيث و اجعل ما أنزلت لنا قوة و بلاغا إلى حين " (۱)

"تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جو سارے جہانوں کا رب ہے، بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، قیامت کے دن کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، الہا! آپ اللہ ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ غنی ہیں اور ہم سب محتاج، ہم پر بارش اتاریئے اور جو بارش ہم پر برسائیں، اس کو ایک مدت تک ہمارے لئے قوت اور کفایت کا ذریعہ بنائیے"

قحط سالی کی موجودہ فضا میں ہمیں چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ نماز استسقاء میں شریک ہوں۔

جماعت کے ساتھ صلوٰۃ التسبیح

سوال:- طاق راتوں میں بہت سے حضرات صلوٰۃ التسبیح بھی ادا کرتے ہیں، کیا اس نماز کا ثبوت ہے؟ اور کیا اس کو جماعت کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے؟ (شیخ جاوید قبا کاوٹی)

جواب:- صلوٰۃ التسبیح — جس میں تین سو دفعہ "سبحان الله و الحمد لله و لا إله إلا الله و الله أكبر" کی تسبیح پڑھی جاتی ہے — کا ذکر متعدد معتبر روایت میں آیا ہے، ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے (۲)، جہاں تک جماعت سے اس نماز کو پڑھنے کی بات ہے، تو یہ ثابت نہیں، نفل نمازوں میں تراویح کی نماز کے

---

(۱) ابو داؤد، باب رفع اليدين في الاستسقاء، حديث نمبر ۱۱۷۳

(۲) سنن ترمذی، كتاب الصلوة، باب ما جاء في صلوة التسبيح، حديث نمبر ۴۸۲

سلسلہ میں جماعت پر اتفاق ہے، تہجد کے بارے میں اختلاف ہے، باقی دوسری نفل نمازیں انفرادی طور پر پڑھی جائیں گی، ان کو جماعت سے ادا کرنے کا ثبوت نہیں، اس لئے صلاۃ التسبیح پڑھیں، لیکن تنہا تنہا، جماعت نہیں بنائیں۔

صلاۃ التسبیح میں تسبیح کو انگلیوں پر شمار کرنا

سوال:- اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں ہر ہفتہ نماز تسبیح پڑھنے کا اہتمام کرتا ہوں، البتہ اتنی بڑی تعداد میں تسبیحات کو یاد رکھنا مشکل ہوجاتا ہے اور اس میں اکثر تردد پیدا ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں کیا میں تسبیحات کو نماز کی حالت میں انگلی پر گن سکتا ہوں؟

(شیخ موسیٰ، بھٹکور)

جواب:- بہتر تو یہ ہے کہ زبانی تعداد یاد رکھنے کی کوشش کریں، لیکن اگر اس میں دشواری ہو تو نفل نماز پڑھنے کی وجہ سے صلوۃ التسبیح میں انگلیوں پر شمار کرنے کی گنجائش ہے، چنانچہ علامہ کاسانیؒ نماز میں آیات و تسبیحات کے گننے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، البتہ ایک روایت کے مطابق یہ کراہت فرض میں ہے، نفل میں نہیں:

"روي عن أبي حنيفة أنه كره في الفرض و رخص في التطوع" (۱)

تاہم بہتر طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں کو دبا کر تعداد اپنے ذہن میں مستحضر رکھنے کی کوشش کریں۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲: ۵۸

نماز تراویح کا بیان

عشاء میں شرکت کے بغیر تراویح میں شرکت

سوال:- بعض لوگ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک میں اگر عشاء کی نماز جماعت سے ادا نہ کریں تو وہ وتر کی نماز بھی جماعت سے نہیں پڑھ سکتا، کیا یہ صحیح ہے؟ (سید غوث، اٹے پلی)

جواب:- اگر عشاء کی جماعت میں شامل نہیں ہوا، جب بھی وتر کی جماعت میں رمضان المبارک میں شامل ہوا جاسکتا ہے، کیوں کہ وتر مستقل نماز ہے۔

مائک پر قرآن مجید کی قراءت

سوال:- اس سال رمضان المبارک میں کئی مسجدوں میں مائک پر سماعت قرآن کے لئے قراءت کا اہتمام کیا گیا؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ قرآن سن سکیں اور سننے کا ثواب حاصل کرسکیں، بعض لوگ اس کو نامناسب قرار دیتے ہیں، صحیح شرعی حکم کیا ہے؟

(عبدالمجیب، مغل پورہ)

جواب:- قرآن مجید کی تلاوت بے شک نیکی اور اجر کا کام ہے اور قرآن مجید کو عظمت اور احترام کے ساتھ سننا بھی اجر و ثواب کا باعث ہے، اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے وقت بے توجہ رہنا بے احترامی کی وجہ سے گناہ کا باعث ہے، صورت حال یہ ہے کہ بازار

میں لوگ اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، شور شرابہ بھی ہوتا رہتا ہے، ایسی جگہ اگر قرآن مجید زور سے پڑھا جائے تو سامعین کی طرف سے یقیناً بے توجہی پائی جائے گی اور اس بے احترامی کا سبب وہ لوگ بنیں گے، جو ایسی جگہوں پر قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہوں، یا جن لوگوں نے اس کا انتظام کیا ہے، لوگ تو اپنی مجبوری اور مشغولیت کی وجہ سے معذور سمجھے جائیں گے، اس لئے اس میں گناہ کا اندیشہ ہے؛ لہٰذا اس طرح مائک پر قاری کا قرآن مجید پڑھنا یا ریکارڈ وغیرہ سے قرآن مجید کا سنانا کراہت سے خالی نہیں۔

"لا يقرأ جهرا عند المشتغلين بالأعمال و من حرمة القرآن أن لا يقرأ في الأسواق و في موضع اللغو" (۱)

"جو لوگ کام میں مشغول ہوں، ان کے پاس زور سے قرآن مجید نہیں پڑھا جائے، اور قرآن کا احترام یہ ہے کہ بازاروں میں اور لغو مشغولیت کے مواقع پر تلاوت نہ کی جائے"

تراویح میں قرآن مجید کی دیکھ کر تلاوت

سوال:- ہم لوگ عرصہ سے سعودی عرب کے شہر طائف میں مقیم ہیں، یہاں تقریباً تمام ہی مسجدوں میں امام قرآن مجید دیکھ کر تراویح پڑھاتے ہیں اور برصغیر کے لوگ جو عام طور پر فقہ حنفی کے متبع ہیں، بھی ان ہی ائمہ کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں، جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کی نماز نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مسائل پر روشنی ڈالیں، نیز فقہ حنفی کی تفصیل سے بھی آگاہ کیجئے، تاکہ یہاں ہند و پاک کے جو لوگ موجود ہیں، ان کو مسئلہ کی نوعیت سمجھنے میں آسانی ہو، یہاں یہ مسئلہ کافی انتشار اور اختلاف کا سبب بنا ہوا ہے، اس لئے وضاحت اور حوالے کے ساتھ جواب

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۱۶

مرحمت فرمائیں؟　　(محمد سفیان قاسمی و دیگر، بذریعہ ای میل)

جواب:- ۱) اس سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی آراء کا خلاصہ اس طرح ہے:

(الف) امام مالکؒ کے نزدیک نماز تراویح میں قرآن سے دیکھ کر تلاوت کی جاسکتی ہے، البتہ فرض نماز میں قرآن سے دیکھ کر تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ (۱)

(ب) امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن دیکھ کر نماز پڑھائی جائے تو نماز باطل نہیں ہوتی، چاہے پڑھانے والے کو وہ آیات زبانی یاد ہوں یا یاد نہ ہوں۔ (۲)

(ج) امام احمدؒ کے نزدیک فرض نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا مکروہ ہے، اگر قرآن یاد ہو تو نفل میں بھی دیکھ کر پڑھنا مکروہ ہے، اور اگر یاد نہ ہو تو نفل میں دیکھ کر پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، چنانچہ تراویح میں امام احمدؒ کے یہاں بھی غیر حافظ کے لئے قرآن دیکھ کر نماز پڑھانا جائز ہے۔ (۳)

۲) حنفیہ کے مسلک کی تفصیل یہ ہے کہ صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک نماز میں دیکھ کر قرآن پڑھا جائے تو کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن کے جس حصہ کی تلاوت کی ہے، اگر وہ زبانی یاد نہیں تھا اور دیکھ کر نماز میں پڑھے تو نماز درست نہیں ہوگی اور اگر زبانی یاد تھا اور دیکھ کر عمل کثیر کے بغیر نماز میں پڑھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

"و قراءته من مصاحف ... مطلقا : لأنه تعلم إلا إذا كان حافظا لما قرأه و قرأ بلا حمل" (۴)

مشائخ حنفیہ کے اس سلسلہ میں بعض اور اقوال بھی ہیں، جن کو علامہ شامی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

۳) حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک تو مصحف سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا گویا

---

(۱) مواهب الجليل: ۲/۴۳۷　　(۲) شرح مهذب: ۳/۹۵

(۳) المغني: ۱/۶۱۲　　(۴) در مختار مع الرد: ۲/۳۸۴

ایک چیز سے علم حاصل کرنا ہے، جو خارج صلوۃ ہے، اور اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، دوسرے عام طور پر مصحف قرآنی سے تلاوت کرنے میں عمل کثیر کی نوبت آجاتی ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور جو حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں ان کے پیش نظر ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ایک غلام کی اقتداء میں نماز ادا کرتی تھیں، جو مصحف قرآنی سے تلاوت کیا کرتے تھے۔

۴) غور کیا جائے تو قوی اور محتاط رائے وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کی ہے: کیوں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں نو مسلم قبائل میں ایسے لوگ کم ہوتے تھے، جن کو قرآن مجید کا مناسب حصہ یاد ہو، اگر مصحف سے تلاوت کی گنجائش ہوتی تو آپ نے ایسے قبائل میں لوگوں کو مصحف سے نماز پڑھانے کی اجازت دی ہوتی؛ لیکن پورے عہد نبوی میں اور سوائے حضرت عائشہ کی اس روایت کے پورے عہد صحابہ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ مصحف دیکھ کر نماز میں قرآن کی تلاوت کی گئی ہو، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل ان کا شخصی اجتہاد بھی ہو سکتا ہے، نیز عبادت سے متعلق احکام کی بنیاد عقل وقیاس پر نہیں ہے، بلکہ ان کے لئے بنیادی طور پر قرآن وحدیث سے ثبوت ضروری ہے، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید اٹھانے، اوراق پلٹنے، اسے رکھنے اور نکالنے میں عمل کثیر کے پائے جانے کا خاصا امکان ہے؛ اس لئے امام ابو حنیفہ کی رائے زیادہ قوی اور مبنی بر احتیاط ہے، اگر ایسا ہو کہ نماز عشاء جماعت سے پڑھ کر کسی گھر میں لوگ تراویح کی جماعت قرآن مجید دیکھے بغیر پڑھانے والے حافظ کے پیچھے ادا کر لیں تو بہتر ہے، اگر اس میں دشواری ہو تو امام کے پیچھے بھی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، کیوں کہ صاحبینؒ یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہی قول ہے اور مشہور حنفی فقہاء علامہ ابو بکر رازیؒ اور علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ کے یہاں اگر امام اپنے مسلک کے مطابق درست طریقہ پر نماز ادا کر لے تو خواہ مقتدی کے مسلک کے لحاظ سے نماز درست نہ ہوئی ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی، کیوں کہ امام کی نماز اصل ہے: " الإمام ضامن " (۱)

بہر حال ایسے مسائل میں انتشار واختلاف سے بچنا چاہئے اور اجتماعیت کو باقی رکھے

---

(۱) ترمذی: ۱/۵۱، باب ما جاء أن الإمام ضامن الخ

کی کوشش کرنی چاہئے۔

وقفۂ تراویح میں کیا عمل کرے؟

سوال:- نماز تراویح میں ہر چار رکعت پر جو وقفہ دیا جاتا ہے اس کے لئے کیا کوئی خاص عمل حدیث میں منقول ہے یا کوئی دعا خاص اس موقع کے لئے مروی ہے؟ براہ کرم اس کی وضاحت فرمائیں؟ (عبدالباسط قادری، پھلواری شریف)

جواب:- نماز تراویح میں ہر چار رکعت پر جو وقفہ دیا جاتا ہے وہ نماز پڑھنے والوں کی راحت کے لئے ہے، حدیث میں اس موقع کے لئے کوئی خاص دعا یا عمل منقول نہیں ہے، البتہ فقہاء نے شریعت کے مزاج و مذاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ مستحب افعال کا ذکر کیا ہے، چنانچہ اس وقت تسبیح پڑھی جاسکتی ہے، دعا کی جاسکتی ہے، قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے، دعوتی تذکیری گفتگو کی جاسکتی ہے، دین کی باتیں پڑھ کر سنائی جاسکتی ہیں، خاموشی سے تھوڑی دیر بیٹھا جاسکتا ہے، امام مالکؒ کے زمانہ میں اہل مکہ کا معمول اس وقفہ میں طواف کرنے کا تھا اور اہل مدینہ تنہا تنہا چار رکعت نفل پڑھ لیا کرتے تھے:

"ثم هم مخيرون في حالة الجلوس إن شاؤا سبحوا و إن شاؤا قعدوا ساكتين و أهل مكة يطوفون أسبوعا و يصلون ركعتين و أهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادى" (۱)

لیکن بہرحال یہ سب انفرادی عمل ہیں، کوئی اجتماعی عمل اس موقع پر ثابت نہیں ہے۔

تراویح اور اس کی جماعت کا حکم

سوال:- تراویح کی نماز واجب ہے یا سنت؟ اور کیا گھر

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۱۵

میں بھی تراویح کی نماز ادا کی جاسکتی ہے؟ (جبین الحق، آصف نگر)

جواب:- تراویح سے متعلق مختلف صورتوں کے الگ الگ احکام ہیں، جن کا خلاصہ اس طرح ہے:

(الف) نماز تراویح سنت علی العین ہے، یعنی ہر شخص پر اس کی ذاتی حیثیت میں تراویح پڑھنا مسنون ہے، اگر نہ پڑھے تو تارک سنت ہوگا: "نفس التراويح سنة على الأعيان عندنا" (۱)۔

(ب) تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ مسجد میں تراویح کی جماعت کرلیں تو اہل محلہ ترک سنت کے گنہگار نہیں ہوں گے، کچھ لوگ گھر میں تنہا نماز تراویح پڑھ لیں تب بھی تراویح ادا ہو جائے گی: "و الجماعة فيها سنة على الكفاية"۔

(ج) مسجد میں تراویح کی جماعت ہونی چاہئے، اگر مسجد میں تراویح نہیں ہوئی تو تمام اہل محلہ گنہگار ہوں گے:

"ولو ترك أهل المسجد كلهم الجماعة فقد أساؤا وأثموا" (۲)

(د) اگر مسجد میں تراویح ہورہی ہے اور کچھ لوگوں نے گھر میں یا کسی اور مقام پر تراویح کی جماعت کرلی تو اس میں حرج نہیں ہے:

"لو أدى التراويح بغير جماعة أو النساء وحدانا في بيوتهن يكون تراويح" (۳)

(ہ) تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ جماعت سے تراویح کی نماز ادا کرنا اور گھر میں نماز پڑھنے کے مقابلہ مسجد میں پڑھنا زیادہ باعث اجر ہے:

"والصحيح أن للجماعة في البيت فضيلة و للجماعة

---

(۱) کنز الدقائق: ۱/۱۷۸ (۲) البحر الرائق: ۲/۷۳

(۳) الفتاوی الهندیه: ۱/۱۱۶

في المسجد فضيلة أخرى ... الخ" (۱)

پس حاصل یہ ہے کہ تراویح کی نماز واجب نہیں ہے، سنت ہے، اور اگر مسجد کی جماعت تو کم ہو تو گھر میں بھی نماز تراویح ادا کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن جماعت کے ساتھ اور مسجد میں ادا کرنا زیادہ افضل اور باعث ثواب ہے۔

ابتدائی رکعتوں میں زیادہ اور بعد میں کم قرآن مجید پڑھنا

سوال:- بعض جگہ تراویح میں قرآن مجید کے کئی پارے پڑھائے جاتے ہیں، ایسی صورت میں امام صاحب پہلی رکعتوں میں زیادہ قرآن مجید پڑھتے ہیں اور بعد کی رکعتوں میں قرآن کی مقدار کافی کم کر دیتے ہیں؛ کیوں کہ شروع میں لوگ تھکے ہوئے نہیں ہوتے ہیں اور بعد میں تھک جاتے ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟　　(محمد افضل، شادی، بنگلور)

جواب:- افضل طریقہ یہ ہے کہ تمام رکعتوں میں قرآن مجید برابر پڑھا جائے، البتہ دو رکعت کی نماز میں پہلی رکعت کو ذرا تھوڑا سا طویل رکھنے اور زیادہ قرآن پڑھنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہو سکیں:

الأفضل تعديل القراءة بين التسليمات ، فإن خالف لابأس به ... وعند محمد يطول القراءة في الأولى على الثانية " (۲)

تراویح میں چند آیتیں چھوٹ جائیں؟

سوال:- اگر حافظ درمیان کی چند آیتیں پڑھنا بھول جائے اور سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے تو اگلی رکعت میں صرف

---

(۱) الفتاوى الهندية ۱/۱۱۶　　(۲) الفتاوى الهندية ۱/۱۱۷

چھوٹی ہوئی آیت کا پڑھ لینا کافی ہوگا یا وہاں تک پورے قرآن کو دہرانا ہوگا؟

(محمد عرفان، جیگم پیٹ)

جواب:- اگر قرآن مجید کی چند آیتیں یا سورت چھوٹ جائے، اور اگلی رکعت میں صرف چھوٹی ہوئی آیت کو پڑھ لے تب بھی کافی ہے اور اسے پورا قرآن مجید پڑھنے والا سمجھا جائے گا، لیکن افضل طریقہ یہ ہے کہ چھوٹی ہوئی آیتوں کو پڑھ کر وہاں سے دوبارہ پڑھے؛ تاکہ قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق تلاوت مکمل ہو اور وہ قرآن مجید ختم کرنے والا سمجھا جائے:

" وإذا غلط في القراءة في التراويح فترك سورة أو آية و قرأ ما بعدها فالمستحب له أن يقرأ المتروكة ثم المقروءة ليكون على الترتيب " (۱)

اگر تراویح میں ایک سلام سے چار رکعت پڑھے؟

سوال:- ہماری مسجد میں امام صاحب تراویح کی نماز پڑھاتے ہوئے دوسری رکعت کے بعد کھڑے ہوگئے، مقتدیوں نے اللہ اکبر بھی کہا، لیکن وہ متوجہ نہیں ہوئے، پھر تیسری رکعت مکمل کرکے چوتھی رکعت بھی پوری کرلی، اس کے بعد سجدہ سہو کرکے سلام پھیر لیا اور انھوں نے اس کو چار رکعت شمار کرکے تراویح کی بیس رکعتیں پوری کرلیں، کیا ان کا یہ عمل درست تھا؟

(اقبال احمد، کریم نگر)

جواب:- اگر امام صاحب نے تیسری رکعت میں غلطی کو محسوس کرلیا تو ان کو قعدہ کی طرف واپس آجانا چاہئے تھا، ہاں! اگر تیسری رکعت کا سجدہ ہوجائے، اس کے بعد آدمی اس غلطی پر متوجہ ہو تو چوتھی رکعت بھی پوری کرلے، اگر تراویح کی چار رکعت ایک ہی سلام سے

---

(۱) الفتاوی الہندیۃ ۱؍۱۱۸

پڑھی جائے تو یہ دونوں رکعات نفل کے حکم میں ہوں گی، اس کے علاوہ اٹھارہ رکعتیں ادا کی جائیں، تب تراویح مکمل ہوگی۔

فبان أصاف إليهما ركعة أخرى كمت هذه الأربع على تسليمة واحدة (۱)

نیز اس صورت میں پہلی دو رکعتوں میں جو قرآن مجید پڑھا گیا ہے اسے دہرانا پڑے گا تب ہی قرآن مجید تراویح میں مکمل سمجھا جائے گا۔ (۲)

خواتین اور نماز تراویح

سوال:- بہت سی خواتین تراویح کی نماز نہیں پڑھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تراویح عورتوں کے لئے نہیں ہے، براہ کرم اس پر روشنی ڈالئے؟ (احمد خان، شاہین نگر)

جواب:- تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے، یعنی ہر شخص پر انفرادی حیثیت میں پڑھنا مسنون ہے اور یہ حکم مردوں کے لئے بھی ہے اور عورتوں کے لئے بھی، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وهي سنة للرجال والنساء جميعا (۳) فرق صرف یہ ہے کہ خواتین کو مسجد جانے کے بجائے گھر میں ادا کرنا چاہئے اور انفرادی طور پر پڑھنا چاہئے۔

رکعات تراویح کے بارے میں امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف

سوال:- میں جس مسجد میں نماز پڑھتا ہوں، اس میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ امام صاحب نے جب تراویح میں سلام پھیرا تو

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۸، نیز دیکھئے: الفتاوى الخانية على هامش الهندية: ۱/۲۳۰
(۲) الفتاوى الخانية على هامش الهندية ۱/۲۳۰
(۳) الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۶

رکعات کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہوگیا، بعض لوگ کہنے لگے کہ دو کے بجائے تین رکعات امام صاحب نے پڑھادی ہے، بعض کا کہنا تھا کہ امام صاحب نے دو ہی رکعت پڑھائی ہے، امام صاحب کی بھی یہی رائے تھی کہ انہوں نے دو ہی رکعت پر سلام پھیرا ہے، ایسی صورت میں نماز دہرائی جائے گی یا امام کی بات قابل قبول ہوگی یا مقتدی کی؟ (عبد المجید، ملکنڈہ)

جواب:- اس سلسلہ میں اصل امام کی شخصیت ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے امام کو پوری نماز کا ضامن قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: "الإمام ضامن" (۱) لہٰذا اگر امام صاحب کو پورا اطمینان ہو کہ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی ہے تو اسے دو ہی رکعت سمجھا جائے گا، اگر امام صاحب نے خود اس بات پر اطمینان ویقین نہ کیا ہو کہ انہوں نے دو رکعت پر ہی سلام پھیرا ہے، تو پھر مقتدیوں کا جو گروہ ان کے نزدیک زیادہ قابل اعتماد ہے، ان کی رائے پر عمل کر سکتے ہیں، یعنی اگر دو رکعت کے بارے میں رائے ہے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں اور اگر تین رکعت کا غالب گمان ہو تو نماز کا اعادہ کرے۔

"إذا سلم الإمام في ترويحة فقال بعض القوم: صلى ثلاث ركعات و قال بعضهم: صلى ركعتين، يأخذ الإمام بما كان عنده في قول أبي يوسف ولا يدع علمه بقول الغير، وإذا لم يكن الإمام على يقين يأخذ بقول من كان صادقاً عنده" (۲)

مسجد سے باہر تراویح کی جماعت

سوال:- ہماری مسجد میں تراویح کی نماز ہوتی ہے جس

---

(۱) ترمذی ۱؍۵۱، باب أن الإمام ضامن الخ

(۲) الفتاوى الخانية على هامش الهندية ۱؍۲۳۲۹

میں سوا پارہ قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، ہم لوگ جلد سے جلد قرآن مجید ختم کرنے کے لئے ایک گھر میں الگ سے تراویح کا نظم کرتے ہیں، جس میں روزانہ تین پارے پڑھے جاتے ہیں، اس طرح دس دنوں میں قرآن پاک مکمل ہوجاتا ہے، کیا ہم لوگوں کا یہ عمل درست ہے؟　　(مسیح الزماں، سلے پلی)

جواب: — تراویح کی نماز میں جماعت سنت کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں اور بقیہ حضرات گھر میں تنہا نماز ادا کریں یا گھر میں جماعت کریں تب بھی وہ تارک سنت نہیں سمجھے جائیں گے، البتہ جو نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، ان کا مسجد میں ادا کرنا افضل ہے، ابن نجیم نے تصریح بھی کی ہے:

"الجماعة سنة كفاية فيها حتى لو أقامها البعض في المسجد بجماعة وباقي أهل المحلة أقاموها منفردا في بيته لا يكون تركا للسنة … وإن صلاها بجماعة في بيته فالصحيح أنه نال أحد الفضيلتين فإن الأداء في المسجد له فضيلة ليس للأداء في البيت ذلك" (۱)

فنکشن ہال میں نماز تراویح

سوال: — آج کل شہروں میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ فنکشن ہالوں میں تراویح کا اہتمام کیا جاتا ہے، اچھا قرآن پڑھنے والے حفاظ اور قراء تراویح پڑھاتے ہیں اور لوگوں کی بڑی تعداد نماز میں شریک ہوتی ہے، حالاں کہ محلہ میں مسجد موجود ہوتی ہے، کیا اس طرح فنکشن ہال میں تراویح کا اہتمام کرنا درست ہے؟

(محمد نصیر، دبیر پورہ)

---

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی، ص: ۴۲۲

جوابــ:- تراویح سنت نماز ہے، فرض نہیں ہے؛ اس لئے مسجد ہی میں تراویح پڑھنا ضروری نہیں ؛ بلکہ بعض فقہاء نے تو نوافل میں سے ہونے کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے، امام ابو یوسف اور امام طحاوی وغیرہ کی یہی رائے ہے :

"عن أبي يوسف أنه قال من قدر على أن يصلي في بيته كما يصلي مع الإمام في شهر رمضان ، فأحب إلي أن يصلي في بيته " (۱)

لیکن زیادہ تر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ مسجد میں تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے، یعنی اگر کسی مسجد میں تراویح کی نماز ہی نہ ہو تو اس مسجد میں نماز پڑھنے والے تمام حضرات ترک سنت کے گناہ گار ہوں گے ؛ (۲) ـــــ لہٰذا اگر ایسا نہ ہو کہ فنکشن ہال میں نماز پڑھنے کی وجہ سے مسجد میں تراویح ہی نہ ہو پائے ، تو ہال میں بھی نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے ؛ البتہ مسجد میں نماز تراویح پڑھنے میں زیادہ فضیلت ہے ، ایسے مقامات پر نماز پڑھنے والوں کی سنت تراویح ادا ہو جائے گی ، جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہو جائے گی ؛ لیکن مسجد کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی :

" .... والصحيح أن أداء ها بالجماعة في المسجد أفضل " (۳)

تراویح میں قرآن مجید کی مقدار

سوالــ:- تراویح میں کتنا قرآن مجید پڑھنا چاہئے ؟ آج کل بعض مسجدوں میں قرآن مجید بڑی مقدار میں پڑھایا جاتا ہے ، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ کسل مندی کے ساتھ قرآن سنتے ہیں ، اور بعض لوگ تو قیام کے درمیان بیٹھے رہتے ہیں ، اور رکوع میں شامل ہو جاتے ہیں ۔　　　　(شوکت بیگ، سکندرآباد)

---

(۱) فتاوی تاتار خانیہ : ۲/ ۳۱۹

(۲) حوالہ سابق　　(۳) حوالہ سابق : ۲/ ۳۲۰

جواب:– رسول اللہ ﷺ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال ایک قرآن مجید کا مذاکرہ فرماتے تھے، صرف جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اس سال دو قرآن کا مذاکرہ ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح کا امام مقرر کرتے ہوئے ایک ختم کرنے کی تلقین فرمائی تھی؛ اسی لئے مہینہ میں ایک ختم کرنا اور ہر رکعت میں کم وبیش دس آیات کے بقدر پڑھنے کو فقہاء نے مسنون لکھا ہے:

"وسن ختم القرآن فيها اي التراويح مرة في الشهر على الصحيح وهو قول الأكثر ، رواه الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله ، يقرأ في كل ركعة عشر آيات أو نحوها" (۱)

اس سے زیادہ پڑھنا بشاشت قلب پر ہے، اگر امام کو بھی اور مقتدیوں کو بھی بشاشت ہو تو ایک سے زیادہ ختم بھی کیا جاسکتا ہے، البتہ اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اتنی مقدار نہ ہو کہ شرکاء نماز کے لئے بار خاطر ہو جائے؛ اس لئے کہ لمبی قراءت سے افضل یہ ہے کہ شرکاء نماز کی تعداد زیادہ ہو: "... لأن تكثير القوم أفضل من تطويل القراءة وبه يفتى" (۲) —— یہ طریقہ کہ جب امام کھڑا ہو، خواہ مخواہ بیٹھے رہیں، اور جب وہ رکوع میں جائے، تو نماز میں شامل ہو جائیں، غلط ہے؛ بلکہ اس میں قرآن مجید کی بے احترامی اور اس سے اکتاہٹ کا اظہار ہے، ایسے لوگوں کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ طویل قراءت والی جماعتوں میں شریک ہونے کے بجائے ایسی جماعت میں شریک ہوں جس میں بشاشت قلب کے ساتھ پوری نماز میں شامل ہوسکیں۔

وتر اور تراویح میں ترتیب

سوال:– نماز عشاء کے بعد دو سنت کے ساتھ ہی تین رکعت وتر پڑھ سکتے ہیں یا تراویح کے بعد امام کے ساتھ ہی وتر پڑھنا ضروری ہے؟ (شیخ عبدالقادر، گنٹور)

---

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی ص: ۲۲۶ (۲) حوالہ سابق

جواب :- تراویح سے پہلے ہی وتر پڑھ لی جائے تب بھی تراویح اور وتر کی نمازیں ادا ہو جائیں گی۔

"والصحيح أن وقتها بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر و بعده" (۱)

لیکن بہتر ہے کہ وتر کی نماز تراویح کے بعد جماعت کے ساتھ ادا کی جائے:

"و الصحيح أن الجماعة فيها أفضل" (۲)

ایک ہی مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں

سوال :- ایک مشہور مسجد میں تین علیحدہ علیحدہ وقتوں میں نماز تراویح کا اہتمام کیا گیا ہے، بعد عشاء سوا پارہ، مسجد کے بالائی حصہ میں آٹھ بجے کر ۱۵ منٹ پر روزانہ تین پارے، مسجد کے نچلے حصہ میں دس بجے کر چالیس منٹ سے روزانہ سوا پارہ، کیا یہ درست ہے؟ (عبدالرب شاد، نظام آباد)

جواب :- جیسے فرض نمازوں میں تکرار جماعت مکروہ ہے اسی طرح فقہاء نے نماز تراویح میں بھی تکرار جماعت کو منع فرمایا ہے "و لو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره" (۳) اس لئے اس سے اجتناب کرنا چاہئے، مسجد میں ایک ہی جماعت کی جائے، باقی جماعتیں مسجد سے باہر گھر میں یا کسی اور مقام پر کی جا سکتی ہیں۔

شبینہ کا حکم

سوال :- مسجد میں آخری عشرہ میں یک شبی شبینہ اور کبھی سہ شبی شبینہ کیا جاتا ہے، اور اکثر مساجد میں اس کا اہتمام کیا جاتا

---

(۱) الفتاوى الهندية ۱/۱۱۵، البحر الرائق ۲/۱۱۹
(۲) البحر الرائق ۲/۲۲
(۳) الفتاوى الهندية ۱/۱۱۶

ہے: کیا یہ عمل دورِ رسالت مآب ﷺ وخلافت راشدہ میں رائج تھا؟

(محمد اختر، جل پلی)

جواب:- چونکہ نماز میں قرآن مجید پڑھنے کی کوئی قطعی حد مقرر نہیں ہے؛ اس لئے اگر اس طرح نماز پڑھائی جائے تو نماز ہو جائے گی؛ لیکن رسول اللہ ﷺ یا صحابہ ؓ کے عہد میں ایک شب یا تین شب میں پورے قرآن مجید کی تکمیل کا اہتمام نہیں تھا، بلکہ غالباً خیر القرون میں اس کا کوئی ثبوت بھی نہیں، عام طور پر فقہاء نے پورے ماہ میں ایک ختم مسنون قرار دیا ہے، فقہاء حنفیہ میں صدر الشہید بہت اعلیٰ درجہ کے فقیہ ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ ہر رکعت میں دس آیات پڑھنی چاہئے، (۱) بعض حضرات نے دو ختم کو افضل قرار دیا ہے، (۲) ایک اور دو ختم کی بات اس لیے بھی قرین قیاس ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے درمیان جو مذاکرۂ قرآنی ہوا کرتا تھا، وہ پورے رمضان میں ایک ختم قرآن پر مشتمل ہوتا تھا اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال کے مذاکرہ میں دو دفعہ قرآن ختم ہوا، اور تراویح میں اس سنت کی پیروی کا پہلو بھی ملحوظ ہے، فتاویٰ عالمگیری میں تین ختم تک اجازت دی گئی ہے؛ لیکن یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھا کرتے تھے، نیز یہ لکھا ہے کہ اتنا قرآن نہ پڑھا جائے کہ لوگ جماعت سے بھاگنے لگیں۔ (۳)

آج کل جو شبینے منعقد کیے جاتے ہیں، اس میں قرآن اتنا تیز پڑھا جاتا ہے کہ تجوید کا لحاظ نہیں ہو پاتا؛ بلکہ اکثر اوقات تو الفاظ بھی سمجھ میں نہیں آتے، کچھ لوگ رکوع کا انتظار کر کے جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور جو لوگ شروع سے شامل ہو کر پڑھتے ہیں وہ بھی تکان کے سبب کسل مندی سے دوچار ہوتے ہیں، کچھ لوگ چند دنوں میں قرآن ختم کر کے باقی دنوں میں تراویح ہی کو خیر باد کہہ دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں کراہت سے خالی نہیں اور ایسی صورتوں میں قرآن کی بے احترامی اور بے توقیری کا اندیشہ ہے اس لئے ایسا غلو مناسب نظر

---

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۶۴   (۲) حوالۂ سابق

(۳) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۱۷-۱۱۸

نہیں آتا، ہاں اگر کسی شخص میں حوصلہ وہمت ہو وہ خود تنہا اس طرح نماز پڑھ لے تو شاید مضائقہ نہ ہو۔ واللہ اعلم

تراویح کی اجرت

سوال :- زید حافظ قرآن ہے اور وہ ہر سال تراویح میں قرآن سناتا ہے اور اپنے قرآن سنانے کا وہ روپیہ یعنی ہدیہ بھی لیتا ہے، گذشتہ رمضان میں ختم قرآن کے دن ایک صاحب نے غیر ضروری شوشہ چھوڑا کہ قرآن سنانے کے پیسے لینا جائز نہیں ، اور اگر زید اگلے سال روپیہ لے کر قرآن سنانے کی بات کرے گا تو ہم زید کے پیچھے قرآن نہیں سنیں گے، جب کہ زید کہتا ہے کہ ہم اپنے قیمتی وقت اور محنت کے پیسے لیتے ہیں؟ (امجد اللہ شریف، حسن نگر)

جواب :- تراویح میں قرآن مجید سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں ، اجرت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص تراویح سے پہلے یا تراویح پڑھانے کے بعد معاوضہ کا مطالبہ کرے ، یا اسی امید پر پڑھائے کہ لوگ اجرت ادا کریں گے، اگر اس کی امید نہ ہوتی تو نہ پڑھاتا ، ہاں اگر مطالبہ بھی نہیں تھا اور دل میں یہ خیال بھی نہ تھا کہ اگر اجرت نہیں ملے گی تو نہ پڑھاؤں گا ، حافظ کے انکار کے باوجود لوگوں نے تحفہ پیش کر دیا تو اب اس کے قبول کر لینے کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ نہ اس میں طلب ہے اور نہ اشراف ۔ قرآن کا سنانا عبادت ہے اور عبادت کے ادا کرنے میں جو محنت لگے اور وقت صرف ہو، اس کی اجرت لینا جائز نہیں ، پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ تراویح میں ختم قرآن ضروری نہیں اور اسی پر تراویح کا درست ہونا موقوف نہیں ۔

ختم تراویح کے موقع پر تین بار سورہ اخلاص کی تلاوت

سوال :- بعض علاقوں میں ختم تراویح کے موقع سے انیسویں یا بیسویں رکعت میں تین بار قل ہو اللہ پڑھا جاتا ہے ، کیا

اس طرح پڑھنا جائز ہے؟ (عبد السبحان، کرنول)

جواب :- رسول اللہ ﷺ یا آپ ﷺ کے صحابہ ؓ اور تابعین وغیرہ سے نماز میں تین بار سورۂ اخلاص کی تلاوت ثابت نہیں؛ اس لئے یہ کوئی سنت یا مستحب عمل تو نہیں ہے؛ لیکن ناجائز اور مکروہ بھی نہیں ہے، پڑھنے کی گنجائش ہے؛ البتہ اس کو لازم وواجب کا درجہ نہ دیا جائے، اگر لازم وواجب کا درجہ دے دیا جائے اور لوگ اس طرح پڑھنے یا پڑھانے پر اصرار کریں تو بدعت اور مکروہ کے دائرہ میں آجائیگا؛ کیونکہ جس حکم کا شریعت میں وہ درجہ نہ ہو، اس کو وہ درجہ دے دینا بھی بدعت ہے، علامہ ابواسحاق شاطبیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الاعتصام'' میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

تراویح میں ختم قرآن پر دعا اور وقفۂ تراویح میں تذکیر

سوال :- حافظ قرآن تراویح کی نماز پڑھائے اور ترویحہ کے وقفہ میں مسجد کا امام اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بلند آواز سے پڑھ کر سنائے، نیز بیس رکعت کے آخر میں ایک مرتبہ دعا کی جائے تو کیا یہ درست ہے؟ (شیخ حسن، خیریت آباد)

جواب :- ترویحہ کے وقفہ میں کوئی خاص عمل متعین نہیں، ذکر کیا جاسکتا ہے، قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے، نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے، دعاء کی جاسکتی ہے اور خاموشی بھی اختیار کی جاسکتی ہے، اللہ ورسول اللہ ﷺ کے ارشادات نقل کرنا بھی ایک کام ہے؛ اس لئے ان کا سنانا درست ہے؛ بلکہ بہتر ہے؛ تاکہ لوگوں تک دین کی بہتر باتیں پہنچ جائیں، تراویح کے ختم پر دعاء کرنا بھی درست ہے؛ کیونکہ نمازوں کے بعد دعاء کرنا مستحب ہے اور ظاہر ہے کہ نماز میں تراویح بھی داخل ہے۔

ختم تراویح کے موقع پر ضیافت

سوال :- کئی مسجدوں میں ختم تراویح کے موقع پر مٹھائی یا

چائے ناشتہ وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور لوگ بطور خوشی کے ایک ساتھ بیٹھ کر کچھ کھاتے پیتے ہیں، کیا یہ عمل شرعاً درست ہے یا اس کا شمار بدعت میں ہے؟ (عبدالسلام، نامپلی)

جواب:- جو پیسے معاونین مسجد کے لئے دیں یا جو رقم مسجد کے اوقاف سے حاصل ہو، اس سے اس طرح کی دعوت کرنا درست نہیں، البتہ اگر مسجد کے ذمہ داران یا کچھ مصلیان اپنے پیسوں سے اس کا نظم کریں تو کوئی حرج نہیں، روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لاتے یعنی سفر سے واپس ہوتے تو ایک اونٹ یا گائے ذبح فرماتے:

"إن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما قدم المدينة نحر جزورا أو بقرة" (۱)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بارہ سال میں سورۂ بقرہ کو مکمل فرمایا، یعنی آپؓ نے پوری گہرائی کے ساتھ بارہ سال میں اس سورت کو پڑھا، پھر جب آپ نے اس سورت کو ختم کیا تو ایک اونٹ کی قربانی فرمائی، (۲) ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کوئی اچھا کام ہو جائے اور اس پر خوشی کے اظہار کے لئے کچھ کھانے پینے کا اہتمام کر لیا جائے، نیز اسے ضروری نہ سمجھا جائے تو ایسا اہتمام کرنا درست ہے۔

ایک تراویح کے بعد دوسری تراویح میں شرکت

سوال:- میں اپنے محلہ میں تراویح کی نماز ادا کرتا ہوں، ہمارے یہاں تراویح جلد ختم ہو جاتی ہے، تراویح پوری کرنے کے بعد قریبی محلہ کی ایک مسجد میں چلا جاتا ہوں، جہاں پر چار رکعت پر قرآن مجید کا خلاصہ بھی پیش کیا جاتا ہے، کیا میں اس دوسری مسجد میں بھی تراویح میں شریک ہو سکتا ہوں؟ (سرفراز احمد، ٹولی چوکی)

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الطعام عند القدوم، حدیث نمبر: ۳۰۸۹

(۲) تفسير قرطبي ۱/۳۰

جواب:- جب آپ نے ایک جگہ بیس رکعت نماز تراویح ادا کر لی تو آپ کی تراویح مکمل ہو گئی، اس کے بعد اگر آپ مزید نفل نمازیں پڑھنا چاہیں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے؛ کیوں کہ نفل کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں ہے؛ لہٰذا آپ دوسری جگہ بہ نیت نفل تراویح میں شریک ہو سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

"ولو أم رجل في التراويح ثم اقتدى بآخر في تراويح تلك الليلة أيضا، لا يكره له ذلك، كما لو صلى المكتوبة إماما ثم اقتدى فيها تنفلا بإمام آخر" (۱)

دو جگہ تراویح کی امامت

سوال:- ایک حافظ صاحب کو قرآن پاک بہت اچھا یاد ہے، وہ ایک مسجد میں قرآن سناتے ہیں، کچھ تاجروں کا بھی تقاضا ہے کہ دو رات رہ گئے انہیں بھی تراویح پڑھا دیں، جو تین پارہ مسجد میں سناتے ہیں وہی ان کو بھی سنا دیں، کیا حافظ صاحب کے لئے دو دو جگہ تراویح کا سنانا جائز ہوگا؟ (حبیب مصطفیٰ، مدینہ بلڈنگ)

جواب:- تراویح کی بیس رکعتیں متعین ہیں اور یہ عام نفل نمازوں سے ایک درجہ اونچی نماز ہے؛ کیوں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، عام نفل نمازوں میں رکعت کی تحدید نہیں ہوتی، اس لئے آدمی جتنا چاہے پڑھ لے، لیکن تراویح کی نماز دوبارہ پڑھنا درست نہیں، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ ایک امام دو مسجدوں میں پوری پوری نماز نہیں پڑھ سکتا:

"ولو أن إماما يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لا يجوز" (۲)

---

(۱) کبیری، ص: ۴۰۸

(۲) الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۳۲

مرد کی امامت میں خواتین کی تراویح

سوال: میرے گھر میں ہر سال خواتین کی نماز تراویح جماعت کے ساتھ ہوا کرتی ہے، جس میں اڑوس پڑوس کی عورتیں شریک ہوجاتی ہیں، ایک حافظ صاحب نماز پڑھاتے ہیں، کیا اس طرح خواتین کا تراویح پڑھنا درست ہے؟ واضح ہو کہ اگر اس طرح کا انتظام نہ کیا جائے تو عورتیں اہتمام اور پابندی کے ساتھ نماز نہیں پڑھ پاتیں؟ (حمیدہ تسکین، ممبئی)

جواب: عورتوں کی ایسی جماعت کہ دور دور سے خواتین جمع ہوں، مکروہ ہے، لیکن اگر کسی گھر میں جماعت ہو اور قرب وجوار کی خواتین جمع ہوجائیں، نیز امن و سکون ہو، فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اگر کوئی خاتون امامت کرے تو ضروری ہے کہ اس کی آواز مردوں تک نہ پہونچے اور مرد امامت کرے تو ضروری ہے کہ یا تو عورتوں میں کوئی اس کی محرم رشتہ دار ہو یا اس کے ساتھ کوئی مرد بھی شریک جماعت ہو، امام کے ساتھ کوئی مرد بھی نہ ہو اور نماز پڑھنے والی خواتین میں کوئی اس کی محرم بھی نہ ہو، یہ مکروہ ہے:

"تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر ... لا يكره" (۱)

عشاء تنہا اور نماز تراویح جماعت سے ادا کرنا

سوال: زید مسجد میں دیر سے پہونچا، جبکہ عشاء کی نماز ہوچکی تھی، اس نے تنہا اپنی عشاء کی نماز پڑھی، بعد میں تراویح کی جماعت شروع ہوئی تو کیا وہ تراویح کی نماز میں شامل ہوسکتا ہے؟

(عبدالقدوس، رتنی پورم)

---

(۱) رد المحتار: ۲/۳۰۷

جواب:- عشاء کی نماز مستقل نماز ہے اور تراویح بھی اگرچہ عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے، مگر ایک مستقل نماز ہے؛ اس لئے تنہا عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد تراویح کی جماعت میں شریک ہوا جاسکتا ہے:

" صلى العشاء وحده ، فله أن يصلي التراويح مع الإمام " (۱)

نماز تراویح ادا کرتے ہوئے درمیان میں بیٹھ جائے

سوال:- میں نے کل شب کھڑے ہوکر تراویح پڑھنی شروع کی؛ لیکن تکان اور پاؤں میں تکلیف کی وجہ سے درمیان میں بیٹھ گیا، ایک صاحب نے بتایا کہ میرا یہ عمل درست نہیں تھا، جب کھڑے ہوکر نماز شروع کی جائے تو پوری تراویح کھڑے ہوکر ہی پڑھنی چاہئے۔ (محمد احسن قادری، حسینی علم)

جواب:- فرض وواجب نمازوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں، جو شخص کھڑے ہوکر پڑھنے پر قادر ہو، ضروری ہے کہ وہ کھڑے ہوکر نماز ادا کرے، نفل نمازیں - جن میں تراویح بھی شامل ہے - عذر کی بناء پر تو بیٹھ کر پڑھی ہی جاسکتی ہے، بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھی جاسکتی ہے؛ البتہ عذر کی بناء پر بیٹھ کر پڑھے تو ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور بلا عذر بیٹھ کر پڑھے تو کھڑے ہوکر پڑھنے کے مقابلے نصف ثواب حاصل ہوگا، حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے؛ البتہ کسی نفل کو جب کھڑے ہوکر شروع کیا جائے تو کھڑے ہوکر ہی مکمل کرنا چاہئے، درمیان میں بلا عذر بیٹھنا مکروہ ہے؛ لیکن عذر کی بناء پر بیٹھ جانے میں حرج نہیں؛ اس لئے آپ کا پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے درمیان میں بیٹھ جانا درست ہے:

" ولو قعد بعد ما افتتحه قائما جاز عند الإمام

---

(۱) الفتاوى الهندية : ۱/۱۱۷

استحسانا، لأنه أسهل من الابتداء ويكره بلا عذر عنده" (۱)

وتر کے بعد تراویح کی بقیہ رکعتوں کو ادا کرنا

سوال:- تراویح میں شروع سے شامل نہیں ہو سکے، چار رکعتیں چھوٹ گئیں، اخیر میں امام کے ساتھ نماز وتر بھی پڑھ لی، تو کیا وتر کے بعد تراویح کی چھوٹی ہوئی چار رکعتوں کو پورا کر سکتا ہے؟ یہاں حرم شریف میں اس کی نوبت آتی رہتی ہے؛ کیوں کہ وتر میں امام صاحب بہت اچھی دعائیں کرتے ہیں اور لوگ چاہتے ہیں کہ یہ دعا چھوٹنے نہ پائے۔ (حامد حسن ندوی، مکہ مکرمہ)

جواب:- وتر کی نماز میں شریک ہونے کے بعد بھی تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعتیں ادا کی جا سکتی ہیں؛ چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں فتاویٰ سراجیہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے:

"إذا فاته بعض التراويح فأوتر مع الإمام، ثم يصلي التراويح وحده جاز" (۲)

تراویح اور تہجد ملا کر تکمیل قرآن

سوال:- ادھر حرم شریف میں اس طرح کا معمول ہو گیا ہے کہ تراویح اور تہجد کی نماز ملا کر قرآن مجید مکمل کرتے ہیں، کیا اس طرح ختم قرآن مجید کی سنت ادا ہو جائے گی؟

(حامد حسان ندوی، مکہ مکرمہ)

جواب:- فقہاء کے یہاں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ اگر فرض نماز اور تراویح دونوں کی قراءت ملا کر قرآن مجید مکمل کیا جائے تو کیا اس طرح قرآن کا مکمل کر لینا کافی ہوگا؟

---

(۱) مجمع الأنهر: ۲۰۱/۱ (۲) فتاوی تاتارخانیه: ۳۳۳/۲

اس سلسلہ میں مشہور حنفی فقیہ ابو بکر اسکاف سے نقل کیا گیا ہے کہ جس میں لوگوں کے لئے سہولت ہو اس پر عمل کرنا چاہئے ، یعنی اگر لوگ فرض اور تراویح کو ملا کر قرآن مجید مکمل کرنا چاہیں ، تنہا تراویح میں ختم قرآن کو دشوار محسوس کریں تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے ۔

" أيجرد الفريضة بقراءة على حدة أو يخلط قراءة الفريضة بقراءة التراويح ، قال : يميل إلى ما هو أخف للقوم " (۱)

اس سے استفادہ کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ہونا تو یہ چاہئے کہ تنہا تراویح میں قرآن مجید مکمل کیا جائے ؛ لیکن تراویح اور تہجد میں ملا کر قرآن مکمل کر لیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے ، اور امید ہے کہ اس سے بھی ختم قرآن مجید کی سنت ادا ہو جائے گی ؛ کیوں کہ نماز تراویح کو جیسے ایک نسبت نماز عشاء سے ہے ، اسی طرح نماز تہجد سے بھی ہے ؛ کیوں کہ تراویح اور تہجد دونوں کا وقت مشترک ہے اور حدیث میں ان دونوں نمازوں کو " قیام اللیل " سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ واللہ اعلم

نماز تراویح کی قضاء

سوال :- گذشتہ شب افطار کے بعد میری طبیعت خراب ہوگئی ؛ اس لئے میں عشاء کی نماز پڑھ کر سو گیا اور ایسی نیند آئی کہ پھر سحری کے وقت ہی بیدار ہوا ، گویا نماز تراویح پڑھنے سے محروم رہا تو کیا اب ہمارے اوپر اس کی قضاء کرنا ضروری ہے ؟

(احمد اللہ شیخ ، نلگنڈہ)

جواب :- تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور صرف رمضان المبارک ہی میں اس کو پڑھنے کا موقع ملتا ہے ؛ اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ چھوٹنے نہ پائے ، اگر مسجد میں ادا نہ کر پائے تو گھر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر ادا کر لی جائیں ، کھڑے ہو کر پڑھنا دشوار ہو تو

---

(۱) فتاوی تاتارخانیہ ، بہ تحقیق مفتی شبیر احمد صاحب : ۲/۳۲۵

بیٹھ کر پڑھ لیں، لیکن کوشش ہو کہ نماز چھوٹ نہ جائے؛ تاہم اگر اتفاقاً چھوٹ جائے یا عذر کی بناء پر چھوٹ جائے تو گناہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ واجب نمازوں میں نہیں ہے، نیز قضاء واجب نمازوں کی ہے؛ چنانچہ اگر قضا کر بھی لے تو یہ نفل و مستحب نماز ہوگی اور اس پر اجر و ثواب حاصل ہوگا، لیکن تراویح نہ ہوگی:

"لأن القضاء من خصائص الواجبات وإن قضاها كانت نفلا مستحبا لا تراويح" (۱)

❁❁❁❁❁❁❁

(۱) مراقي الفلاح ص: ۲۲۷

کتاب الفتاوی

"زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سوالات کا جواب
اور مسائل کا حل، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں،
حوالہ جات کے اہتمام کے ساتھ اور آسان زبان میں"

آٹھواں حصہ

(نماز، زکوۃ، روزہ، حج)

تالیف

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ترتیب

مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری

ذکرها في الرکوع أو في السجود أو في القعود فإنه يخر لها ساجدًا الخ "(۱)

اور سجدۂ تلاوت میں تاخیر کی وجہ سے صحیح تر قول کے مطابق سجدۂ سہو بھی واجب ہوگا:

"وفي الولوالجية : المصلي إذا تلا آية السجدة ونسي أن يسجد لها ، ثم ذكرها وسجدها وجب عليه سجود السهو : لأنه تارك للوصل وهو واجب ، قيل : لا سهو عليه ، الأول أصح ، كذا في التاتار خانية" (۲)

دعا کے لئے خارج صلاۃ سجدہ

سوال:- بہت سے لوگ رمضان المبارک میں وتر کی نماز کے بعد فوراً سجدہ میں جاکر دعاء کرتے ہیں ، بعض لوگ عام دنوں میں ظہر ، مغرب ، عشاء کی سنت اور نفل نمازوں کے بعد سجدہ میں جاکر دعا کرتے ہیں ، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اور حضور ﷺ اور صحابہ ؓ سے ثابت ہے؟ (سید غوث ، دوسے پلی)

جواب:- جہاں تک وتر کے بعد یا دوسری نمازوں کے بعد سجدہ میں جاکر دعا کرنے کی بات ہے تو اس طرح کا سجدہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ سے ثابت نہیں ، نماز سے باہر دو ہی سجدے ثابت ہیں ، سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر ، سجدۂ تلاوت پر سب کا اتفاق ہے ، سجدۂ شکر کے بارے میں اختلاف ہے ، لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ بھی ثابت ہے اور کسی خوشی کے موقع پر سجدۂ شکر کرنا مستحب ہے ، باقی صرف دعا کے لئے سجدہ کرنا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ سے ثابت نہیں ، اسی لئے فقہاء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے :

---

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية ۱/۱۴۷
(۲) الفتاوى الهندية ۱/۱۴۷

"أما إذا سجدها بغير سبب فليس بقربة ولا مكروه وما يفعل عقيب الصلوات مكروه ؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه " (۱)

اگر سجدہ میں دعا کرنا چاہتا ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ دو رکعت نفل ادا کرے اور اس نماز کے سجدہ میں دعا کرے، کہ رسول اللہ ﷺ سے نفل نماز کے سجدوں میں دعا کرنا ثابت ہے۔

نابالغ بچے اور سجدۂ تلاوت

سوال:- ہمارے مدرسہ میں چھوٹے بچے بڑی تعداد میں ہیں، یہاں ناظرۂ قرآن اور حفظ کی تعلیم ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ قرآن میں آیت سجدہ بھی آتی ہیں، بچے انہیں پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے سنتے بھی ہیں، ان کے لئے سجدۂ تلاوت کا کیا مسئلہ ہے؟ (حافظ توقیر احمد، میدک)

جواب:- شریعت میں جتنی چیزیں فرض و واجب کی گئی ہیں وہ سب بالغوں کے لئے ہیں، نابالغ شرعی احکام کے مکلف نہیں ہیں؛ اس لئے نابالغ بچوں نے آیات سجدہ پڑھیں یا سنیں تو ان پر سجدہ کرنا واجب نہیں، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"فلا تجب على ... صبي ... قرأوا أو سمعوا ؛ لأنهم ليسوا أهلا لها " (۲)

البتہ تعلیم و تربیت کی غرض سے ایسے بچوں کو سجدہ کرنے کی تلقین کرنی چاہئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سات سال میں بچوں کو نماز کا حکم دینے اور دس سال میں نماز نہ پڑھنے پر سرزنش کرنے کا حکم فرمایا ہے:

---

(۱) الفتاویٰ الهندية : ۱۳۶/۱ (۲) الدر المختار على رد المحتار : ۵۸۱/۲

"مروا الصبي بالصلاة إذا بلغ سبع سنين وإذا بلغ عشر سنين فاضربوه عليها" (۱)

البتہ آپ کے سوال سے ایک اور مسئلہ بھی متعلق ہے کہ اگر نابالغ بچے نے آیت سجدہ پڑھی اور استاذ یا اس کے بالغ ساتھی نے اسے سن لیا تو اب سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ اگر بچہ سن شعور کو پہونچ گیا یعنی سات سال کا ہو گیا ہو اور اس سے آیت سجدہ سنی جائے تو سجدہ واجب ہوگا اور اگر اس سے کم عمر کا بچہ ہو تو اس سے آیت سجدہ سننے پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوگا:

"وإن كان مميزاً وجب بالسماع منه وإلا فلا ، واستحسنه في الحلية" (۲)

ٹیپ ریکارڈر سے تلاوت اور اس پر سجدہ

سوال: - ٹیپ ریکارڈ سے قرآن مجید کی تلاوت سنی جائے اور اس میں آیت سجدہ آئے، تو کیا ایسی صورت میں سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؟ (عامر بن محمد فدا، سعودی عرب)

جواب: - سجدۂ تلاوت اس وقت واجب ہوتا ہے، جب قرآن کی تلاوت کرنے والا مکلف، یعنی عاقل و بالغ مسلمان شخص ہو، غیر مکلف کی تلاوت سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر طوطے یا کسی اور پرندے کو آیت سکھا دی جائے اور وہ اس آیت کو پڑھے تو سننے والے پر سجدہ واجب نہیں ہوتا ہے: "ولا تجب إذا سمعها من طير ، هو المختار" (۳) —— یہی حکم ٹیپ ریکارڈ کا بھی ہوگا، اور ٹیپ پر آیت تلاوت سننے کی وجہ سے سجدہ واجب نہیں ہوگا۔

---

(۱) سنن أبي داؤد ،كتاب الصلاة ، باب متى يؤمر الصبي بالصلاة ؟ ، حدیث نمبر:۴۹۴

(۲) رد المحتار :۵۸۱/۲

(۳) فتاوى هنديه :۱۳۲/۱، نیز دیکھئے: الفقه الاسلامي و ادلته :۱۱۳/۲

نماز میں اور نماز کے باہر آیت سجدہ کی تلاوت

سوال:- امام صاحب نے آیت سجدہ تلاوت کی، لیکن سجدہ کرنا بھول گئے، یہاں تک کہ سلام پھیر دیا، تو اب ان کے لیے سجدۂ تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر کوئی شخص تلاوت کر رہا تھا، اس نے آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ نہیں کر پایا کہ نماز شروع کر دی، تو کیا نماز میں اس سجدہ کو کر سکتا ہے؟ (محمد شفیع، بخارہ ہلز)

جواب:- سجدۂ تلاوت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جو آیت سجدہ نماز کے اندر پڑھی گئی ہو، اس میں نماز کے اندر ہی سجدہ کرنا ضروری ہوگا اور جو آیت سجدہ نماز سے باہر پڑھی گئی، اس کا سجدہ نماز کے باہر کرے گا نہ کہ نماز کے اندر:

"... فما تلا خارج الصلاة لا يؤديها في الصلاة ، و كذلك ما تلا في الصلاة لا يؤديها خارج الصلاة" (۱)

لہٰذا اگر امام صاحب نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور سجدہ کرنا بھول گئے، سجدۂ تلاوت کے بغیر ہی نماز مکمل کر لی تو اب سجدۂ کا محل ختم ہو گیا، اسے استغفار کرنا چاہئے، نماز سے باہر سجدۂ تلاوت کی ضرورت نہیں۔

"إذا قرأ الرجل آية السجدة في الصلاة و هو إمام أو منفرد فلم يسجدها حتى سلم و خرج من الصلاة سقطت عنه" (۲)

سجدۂ تلاوت عصر کے بعد ادا کرنا

سوال:- ہم عصر کے وقت قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، اس میں آیت سجدہ آجائے تو اس وقت سجدہ کرنا مکروہ ہے، تو ہم کیا

---

(۱) بدائع الصنائع: ۴۴۱/۱ (۲) حوالۂ سابق

بعد میں سجدے کر سکتے ہیں؟ اور اگر ہم قرآن ختم کرنے کے بعد پورے سجدے ایک ساتھ کریں تو کیا یہ صورت درست ہوگی؟

(سید فیضان احمد، بیگم پیٹ)

جواب:- (الف) عصر کے بعد نفل نمازوں کی ممانعت ہے نہ کہ فرائض و واجبات کی، سجدہ تلاوت چوں کہ واجب ہے؛ اس لئے عصر کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے:

"فیجوز فیها سجدة التلاوة "(۱)

ہاں! جب سورج نکل رہا یا ڈوب رہا ہو یا نصف آسمان پر ہو تو ان اوقات میں فرض نمازوں کا پڑھنا بھی ممنوع ہے، اگر ان مکروہ اوقات میں قرآن کی تلاوت کی گئی اور اس میں آیت سجدہ آگئی تو مکروہ وقت ہونے کے باوجود اسی وقت سجدہ تلاوت کر لینا جائز ہے:

"ولو تلاها في أوقات مكروهة فسجد في هذه الأوقات جاز "(۲)

البتہ بہتر ہے کہ مکروہ وقت نکلنے کے بعد سجدہ کرے۔ (۳) ہاں! غیر مکروہ اوقات میں تلاوت کی گئی تو مکروہ اوقات میں سجدہ تلاوت کافی نہیں۔ (۴)

(ب) بہتر طریقہ یہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد جلد سے جلد سجدہ کر لیا جائے؛ لیکن چونکہ عمر بھر میں کبھی بھی سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے، اس لئے اگر قرآن مکمل کرنے کے بعد ایک دفعہ پورے سجدے کر لئے جائیں تو بھی درست ہے:

"فوقتها جميع العمر لأن وجوبها على التراخي "(۵)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۲

(۲) حوالہ سابق: ۱/ ۵۲

(۳) حوالہ سابق: ۱/ ۵۲

(۴) حوالہ سابق: ۱/ ۵۲

(۵) بدائع الصنائع: ۱/ ۱۸۴

سجدۂ شکر-مواقع اور احکام

سوال:- بعض حضرات شکرانے کے طور پر سجدہ کرتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ سجدۂ شکر اگر درست ہے تو کس موقع پر یہ سجدہ کیا جائے؟ کچھ لوگ نماز کے بعد ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ کر رہا ہوں۔

(اعجاز حسن قاسمی، گولکنڈہ)

جواب:- سجدۂ شکر کرنا رسول اللہ ﷺ سے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، حضور ﷺ کو غزوۂ خندق کے موقع پر جب دشمن کے بھاگنے کی اطلاع ملی تو سجدۂ شکر فرمایا، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی جب توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے سجدۂ شکر ادا کیا، (۱) تفسیر و حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ان واقعات کا ذکر موجود ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یوں تو انسان پر ہر لحہ اللہ کی رحمتیں اتر رہی ہیں، ہر سانس جو ہم لیتے ہیں اور پانی کا ہر قطرہ جو ہم پیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اور ہم ان کا جس قدر بھی شکر ادا کریں کم ہے؛ لیکن سجدۂ شکر خوشی کے پیش آنے یا کسی مصیبت کے ٹل جانے کے ایسے واقعات پر کرنا چاہئے، جو عام معمول سے مختلف ہوں اور غیر معمولی نوعیت کے حامل ہوں، جن اوقات میں نفل نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، ان اوقات میں سجدۂ شکر ادا کرنا بھی مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ بھی نماز ہی کا ایک جزو ہے:

" ویکره أن یسجد شکرًا بعد الصلاة في الوقت یکره فیه النفل " (۲)

البتہ فرض نماز کے بعد عام لوگوں کے سامنے سجدۂ شکر نہیں کرنا چاہئے؛ کیوں کہ اس سے عوام کو غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شاید یہ بھی نماز کا جزو ہے، یا فرض و واجب کے درجہ میں ہے

---

(۱) بخاری، کتاب المغازي، حدیث نمبر: ۴۱۵۶

(۲) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۳۶، الباب الثالث عشر، سجود التلاوة

اور ایسا مباح عمل بھی مکروہ ہوتا ہے، جس سے لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہو جائے اور شریعت میں اس عمل کا جو درجہ ہے، لوگ اس کو اس سے زیادہ اہمیت دینے لگیں۔

"وسجدة الشكر مستحبة وبه يفتى: لكنها تكره بعد الصلاة، لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباح يؤدي إليه فمكروه" (۱)

---

(۱) الدر المختار مع الرد ۲/۵۹۷-۵۹۸، باب سجود التلاوة

قضاء نمازوں کا بیان

کب نماز قضا کرنا جائز ہے؟

سوال:- کن صورتوں میں نماز قضا کرنے کی گنجائش ہے؟

(محمد کلیم، منفظ پیٹ)

جواب:- کوئی بھی ایسی صورت جس میں نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو یا نماز میں مشغول ہو جانے کی صورت میں سخت جسمانی یا مالی نقصان کا اندیشہ ہو، خواہ اس شخص کے لئے یا دوسرے شخص کے لئے، تو نماز قضا کی جاسکتی ہے، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھنویؒ نے علامہ رومیؒ کے حوالہ سے مجالس ابرار میں چھ اسباب کا ذکر کیا ہے، جن کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا اور وقت کے بعد پڑھنا درست ہے۔ بیہوشی، بھول، نیند، جنون، حیض اور نفاس، بلکہ حیض ونفاس، جنون اور طویل بیہوشی کی صورت میں قضا بھی واجب نہیں ہوتی ہے، پھر اس پر کئی صورتوں کا اضافہ کیا ہے، جیسے مریض کا اشارہ سے بھی نماز پڑھنے پر قادر نہ ہونا، ایسے شخص کے حق میں بعض حضرات کے نزدیک نماز فرض ہی نہیں ہوتی اور بعض کے نزدیک قضاء واجب ہوتی ہے، اگر عورت نماز میں لگ جائے اور بچے کو دودھ نہ پلائے تو بچے کو ضرر پہنچنے کا غالب گمان ہو، اسی طرح دایہ بچے کی ولادت کا کام انجام نہ دے تو بچے کی جان جانے کا اندیشہ ہو، مسافر ہو اور اندیشہ ہو کہ نماز پڑھنے میں رفقاء آگے نکل جائیں گے اور تنہا جانے میں جان ومال کا خطرہ ہو، کوئی شخص ڈوب رہا ہو یا آگ میں جانے کا اندیشہ ہو، تو اس کو بچانے کے

نے نماز موخر کی جا سکتی ہے۔ (۱)

غرض اصولی بات یہی ہے جو اوپر لکھی گئی کہ نماز اسلام کا اہم ترین رکن ہے اور شدید عذر کی صورت ہی میں اس کو موخر کیا جا سکتا ہے، اور عذر یہ ہے کہ یا تو کسی وجہ سے نماز پڑھنے ہی پر قادر نہ ہو، یا قادر ہو لیکن نماز میں مشغول ہو جانے کی صورت میں اس کے لئے یا کسی اور شخص کے لئے جان و مال یا عزت و آبرو کے لئے سخت نقصان کا اندیشہ ہو۔ واللہ اعلم

نماز قضا کرنے میں ادا کا اعتبار ہوگا

سوال:- میری جائے قیام سے جائے ملازمت ۳۰ کیلو میٹر ہے، روزانہ ٹرین سے سفر کرتا ہوں، عصر اور مغرب کی نماز ٹرین میں ہوتی ہے، ظہر کی نماز کالج میں پڑھتا ہوں، ایسی صورت میں میں اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کو کیسے ادا کروں؟

(فقیر احمد، گلبرگہ)

جواب:- نمازوں کی قضا کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اصل نماز جس طرح واجب ہوتی ہے، اسی طرح اس کی قضا بھی واجب ہوگی، یعنی حالت سفر میں نماز فوت ہوئی تو قضا میں قصر کے ساتھ ہی نماز ادا کی جائے گی، اور حالت اقامت میں نماز چھوٹی ہو تو قضا میں پوری چار رکعت پڑھنی ہوگی، البتہ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ 75 کیلو میٹر کی مسافت سے سفر کے احکام متعلق نہیں ہوتے، سفر شرعی کی مسافت سوا ستتر (۷۷۔۱۹) کیلو میٹر ہوتی ہے، اس لئے آپ کو ظہر و عصر کی نماز بھی چار رکعت ہی پڑھنی چاہئے۔

فرض وسنت کی قضاء

سوال:- جو فرض نمازیں قضا ہو جائیں، کیا ان نمازوں کو ادا کرنا ضروری ہے، اور حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ہے؟

---

(۱) دیکھئے: نفع المفتی والسائل: ۱۸۲

اور جب یہ نمازیں ادا کی جائیں گی تو کیا ان کے ساتھ چھوٹی ہوئی سنتیں بھی پڑھی جائیں گی؟ (مرغوب احمد، احمد آباد)

جواب :- جو نمازیں نہ پڑھی جائیں ان کی قضا کرنا ضروری ہے، جب تک قضا نہ کی جائیں فریضہ سے سبکدوشی نہیں ہوگی، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ؓ کے عہد میں اس کا تصور نہیں تھا کہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے؛ اس لئے اس سلسلہ میں کوئی صریح حدیث نہیں ملتی؛ لیکن رسول اللہ ﷺ نے تمام ہی فرائض کے بارے میں ایک اصولی بات فرمائی، ایک خاتون نے پوچھا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا، اور ان پر ایک مہینہ کا روزہ ہے، کیا مجھے ان کی طرف سے روزہ رکھنا چاہئے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری والدہ پر کسی کا دین باقی ہوتا تو تم اسے ادا کرتیں یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں ادا کرتی، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو اللہ تعالیٰ کا دین زیادہ قابل ادائیگی ہے: " فدين الله أحق أن يقضي " (۱) اس سے معلوم ہوا کہ جو عبادتیں ادا نہ کی جائیں، وہ بندہ کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے دین ہیں، جب تک ان کو ادا نہ کردیا جائے، وہ انسان کے ذمہ باقی رہتی ہیں؛ اس لئے نماز میں خواہ کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئی ہوں یا کوتاہی اور سستی کی وجہ سے چھوڑ دی گئی ہوں، ہر دو صورت میں ان کی قضا واجب ہے؛ البتہ سنتوں کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ قضا صرف واجب کی ہوا کرتی ہے:

" ... وقال بعضهم لا يقضيهما لاختصاص القضاء بالواجب وهو الصحيح " (۲)

وتر کی قضاء

سوال :- فرض نمازیں چھوٹ جائیں تو قضاء پڑھی جاتی

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم، حدیث نمبر: ۱۹۵۳، صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب قضاء الصيام عن الميت، حدیث نمبر: ۲۷۳۹

(۲) عنايه مع الفتح: ۱/ ۴۸۸

ہے، لیکن اگر وتر کی نماز چھوٹ جائے، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(محمد غوث الدین، سلاخ پوری)

جواب:- نماز وتر واجب ہے، فرائض و واجبات حقوق اللہ ہیں، جب تک ان کو ادا نہ کر دیا جائے، ذمہ میں باقی رہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے ایک خاتون نے سوال کیا کہ ان کے والد پر حج فرض تھا، کیا انہیں اپنے والد کی طرف سے حج کرنا چاہئے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے والد کے ذمہ کسی شخص کا دَین باقی ہوتا، تو اسے ادا کرتی یا نہیں؟ انہوں نے کہا: ضرور ادا کرتے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا دَین زیادہ قابل ادائیگی ہے: "فدین اللہ أحق "(۱) —— اس میں حضور ﷺ نے ایک اصولی بات بتا دی کہ جب تک واجبات کو ادا نہیں کیا جائے، وہ ذمہ میں باقی رہتے ہیں، اس سے واضح ہو گیا کہ فرض و واجب نمازیں چھوٹ گئی ہوں، تو ان کی قضاء کرنا ضروری ہے۔

سنن مؤکدہ یا قضائے عمری؟

سوال:- میں فجر کی دو رکعت فرض قضاء عمری کی نیت سے ادا کرتا ہوں، اس کے بعد دو رکعت سنت و فرض ادا کرتا ہوں، ظہر کی نماز میں آخر میں دو رکعت نفل کے بجائے چار رکعت فرض قضائے عمری کی ادا کرتا ہوں، اسی طرح مغرب میں دو رکعت نفل کے بجائے تین رکعت فرض قضائے عمری کی ادا کرتا ہوں؛ البتہ عشاء کی نماز حسب معمول ادا کرتا ہوں، کیا قضائے عمری کو ادا کرنے کا میرا یہ طریقہ درست ہے؟ (محمد ایوب علی جابر، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- جو نمازیں آپ کے ذمہ باقی ہیں، ان کی ادائیگی کا جذبہ بہت ہی قابل تعریف ہے، اللہ تعالیٰ آسان فرمائے؛ البتہ فرض نمازوں کے ساتھ جو سنن مؤکدہ ہیں، یعنی فجر

---

(۱) سنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب تشبیہ قضاء الحج بقضاء الدین، حدیث نمبر: ۲۶۳۹۔

سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے چار رکعت ظہر، مغرب اور عشاء کے بعد دو دو رکعتیں، انہیں سنت ہی کی نیت سے پڑھیے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو ان بارہ رکعتوں کی پابندی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائیں گے، (۱) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان کا اہتمام فرمایا کرتے تھے؛ (۲) اس لئے ان سنتوں کو ادا کرتے ہوئے قضا نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔

قضاءعمری کا وقت

سوال:- قضاء عمری ادا کرنے کے لیے کونسا وقت بہتر ہوگا؟

(محمد غوث الدین، جلگاؤں)

جواب:- طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے علاوہ کسی بھی وقت قضاء نماز پڑھی جاسکتی ہے، سہولت اس میں ہوتی ہے کہ پانچوں وقت کی نماز کے ساتھ ساتھ فوت شدہ اسی نماز کی قضا بھی کرتے جائیں۔

قضاءعمری کی نیت

سوال:- (الف) قضاء نمازوں کو پڑھتے وقت قضاء نمازوں کے وقت کی نیت کرنا ضروری ہے، اگر کسی دن کی نمازیں قضا ہو گئیں تو نیت میں دن کا تعین نہیں کیا، تو کیا قضاء نماز درست نہیں ہوگی؟

(ب) کتنی نمازیں کون سے دن چھوٹی ہیں یاد نہیں، تو ایسی صورت میں قضاء نمازیں درست ہونے کے لیے کیا کوئی شرعی حل ہے؟ (محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری)

جواب:- (الف) نماز کی قضاء کے لیے نماز کا تعین ضروری ہے، اور نماز کے تعین

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۴۱۴ (۲) ترمذی، حدیث نمبر ۴۳۶

کے لیے ضروری ہے کہ نیت میں دو باتیں متعین کی جائیں: کس نماز کی نیت کر رہا ہے اور کس دن کی فوت شدہ نماز کی؟

"وأما قضاء الصلاة فلا يجوز ما لم يعين الصلاة ويومها بأن يعين ظهر يوم كذا" (۱)

(ب) اگر یاد نہ ہو کہ کس دن کی نماز فوت ہوئی ہے تو اس طرح نیت کی جا سکتی ہے کہ: "میں چھوٹی ہوئی پہلی ظہر یا آخری ظہر کی نیت کرتا ہوں" یہ بھی ان شاء اللہ کافی ہوگا۔

"ولو نوى أول ظهر عليه أو آخر ظهر عليه جاز وهذا هو مخلص لمن لم يعرف الأوقات الفائتة الخ" (۲)

قضاء نمازوں کا فدیہ

سوال:- ایک کتاب میں پڑھا ہے: "اگر کسی کی بہت سی قضا نمازیں باقی ہیں، جس کی قضا ادا نہ ہو سکی تو وقت آخر یعنی نزع کے وقت اپنے ورثہ کو وصیت کردے کہ میرے مال میں سے میری ہر نماز کے عوض فدیہ ادا کریں، ہر نماز کے عوض ڈھائی سیر گیہوں یا اس کی قیمت کسی محتاج یا مسکین کو دے دیں، اور اللہ سے امید رکھے کہ قرض کا بوجھ اس کے ذمہ سے اتر جائے گا" کیا یہ صحیح ہے؟

(سید جلال الدین افضل نقشبندی)

جواب:- آپ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ اپنے مضمون کے اعتبار سے درست ہے اور فقہاء کی صراحتوں کے مطابق ہے، چنانچہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

"ولو مات وعليه صلوات فائتة ..." (۳)

---

(۱) الاشباہ والنظائر: ۱/۴۲ (۲) حوالہ سابق

(۳) الدر المختار علی ہامش الرد، باب قضاء الفوائت ۲/۵۳۲

''اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور چند فوت شدہ نمازیں اس کے ذمہ باقی ہوں اور وہ کفارہ کی وصیت کر جائے تو صدقۃ الفطر کی طرح ہر نماز کے عوض نصف صاع گیہوں ادا کیا جائے گا، وتر کا اور روزے کا بھی یہی حکم ہے! البتہ یہ وصیت اس کے ترکہ کے ایک تہائی میں سے پوری کی جائے گی''

البتہ صحیح تحقیق کے مطابق صدقۃ الفطر کی مقدار موجودہ اوزان میں ایک کیلو سات سو گرام کے قریب ہوتی ہے؛ اس لئے ہر نماز کے عوض اتنی مقدار گیہوں صدقہ کرنا چاہئے یا کسی محتاج شخص کو دو وقت کا کھانا کھلا دینا چاہئے۔

معذورں کی نماز کا بیان

پیشاب کی تھیلی کے ساتھ نماز ادا کرنا

سوال :- ضعیفی میں اکثر پیشاب کی بیماریاں ہوتی ہیں، ڈاکٹر علاج کے طور پر نلی لگا کرا سے تھیلی میں یا کسی ڈبے میں چھوڑ دیتے ہیں، صفائی کرنے کے بعد، یا آپریشن کرنے کے بعد اس طرح طویل مدت رہنا پڑتا ہے، ان حالات میں نماز کیسے ادا کی جائے؟ کیا پیشاب کا بذریعہ نالی تھیلی تک جانے سے تیمم یا وضو نہیں ٹوٹتا، اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کیا اتنی طویل مدت جو کبھی زندگی کے ختم تک دراز ہو جاتی ہے، اس درمیان کی نمازیں کیا معاف ہیں، اگر نہیں تو پھر نمازیں کس طرح ادا کی جائیں گی؟

(محمد اصغر علی خاں، ریتی باؤلی)

جواب :- شریعت میں احکام انسان کی طاقت و صلاحیت کے اعتبار سے دیے جاتے ہیں: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (۱) آپ نے جو صورت لکھی ہے، وہ ایک عذر اور مجبوری کی صورت ہے اور تمام ہی احکام میں اور خاص کر نجاست و طہارت کے مسائل میں انسانی مجبوری کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے، اس لئے آپ اسی حالت میں ہر نماز کا وقت

---

(۱) البقرۃ: ۲۸۶

شروع ہونے کے بعد تازہ وضو اور معالج نے وضو کرنے سے منع کیا ہو یا کوئی اور مجبوری درپیش ہو تو تیمم کریں اور وقت ختم ہونے تک اسی سے نماز پڑھتے رہیں، ہاں! اگر پیشاب کے علاوہ کوئی اور ناقض وضو پیش آیا تو نیا وضو کرنا پڑے گا۔

پیشاب کی تھیلی سے متعلق جواب پر شبہ

سوال:- آپ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ اگر کسی شخص کو پیشاب کے لئے تھیلی لگادی گئی ہو اور پیشاب کا اصل راستہ بیماری کی وجہ سے بند کردیا گیا ہو، تو اس تھیلی کے ساتھ ہی اس کی نماز درست ہوجائے گی، حالانکہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے نماز پڑھی اور اس کی آستین میں پیشاب کا قارورہ ہو تو نماز درست نہیں ہوگی، نیز یہ مسئلہ بھی آیا ہے کہ اگر انڈا خراب ہوگیا ہو، خون بن گیا ہو اور چھلکے کے اندر ہی ہو، تو نماز درست ہوجائے گی، بظاہر ان دونوں مسائل میں تعارض محسوس ہوتا ہے اور آپ کے جواب اور فقہاء کی اس وضاحت میں بھی، براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں۔ (عبدالرحیم قاسمی، سعید آباد)

جواب:- اس حقیر نے پیشاب کی تھیلی کے باوجود نماز کے درست ہوجانے کی بات معذور شخص کے حق میں لکھی ہے، اور فقہاء کی عبارت بلاضرورت پیشاب کا قارورہ رکھنے سے متعلق ہے، معذور کے لئے تو فقہاء نے یہاں تک گنجائش رکھی ہے کہ پیشاب کے قطرات مسلسل نکلتے رہیں، تو بھی نماز درست ہوجائے گی، حالانکہ پیشاب کا نکلنا پیشاب کے تھیلے یا نجاست سے آلودہ چیز کو رکھنے سے زیادہ اہم ہے؛ کیوں کہ ایک قطرہ نجاست کا نکلنا بھی ناقض وضو ہے اور جو نجاست باہر سے لگی ہو، اس میں ہتھیلی کی مقدار معاف ہے؛ اس لئے معذور شخص کے حق میں یقیناً اس کی اجازت ہوگی، رہ گئے قارورہ اور انڈے سے متعلق مسائل تو اس کی وجہ یہ ہے کہ

انڈے کا محل وہی چھلکے ہیں، جس میں فاسد انڈا موجود ہے، گویا نجاست اپنے محل میں ہے، جیسا کہ نجاست انسان کے پیٹ اور جسم کے اندر موجود ہے، اس کے باوجود نماز درست ہوتی ہے، برخلاف قارورہ کے ۔ وہ فطری اعتبار سے پیشاب کا محل نہیں ہے، اس لئے یہ نماز میں مانع ہوگا، جیسا کہ جسم کے بیرونی حصہ پر پیشاب یا گندگی لگ جائے تو نماز درست نہیں ہوتی ۔ واللہ اعلم

حاملہ خواتین اور نماز

سوال: حاملہ عورتیں رکوع و سجدہ وغیرہ برابر نہیں کرسکتیں، خصوصاً سجدہ تو کر ہی نہیں سکتیں، جس سے وہ نماز بھی ادا نہیں کرسکتیں، ایسی صورت میں نماز کیسے ادا کرنا چاہئے؟

(اختری پروین، چھنی)

جواب: – حاملہ عورتیں اگر کھڑی ہوکر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہوں تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہیں، رکوع سجدہ بھی مکمل طور پر نہ کرسکیں تو جس قدر جھک سکیں، جھک کر رکوع سجدہ کرلیں؛ البتہ خیال رکھیں کہ سجدہ کے لئے بہ مقابلہ رکوع کے زیادہ جھکا جائے:

"وإن عجز عن القيام و الركوع والسجود وقدر على القعود يصلي قاعدا بإيماء ويجعل السجود أخفض من الركوع" (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی منقول ہے۔

"وعن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله عنه يقول : إن لم يستطع المريض السجود أومأ برأسه إيماء ولم يرفع إلى جبهة شيئا. رواه مالك وإسناده صحيح" (۲)

بہر حال حسب سہولت نماز ادا کریں، البتہ نماز فوت نہ ہونے دیں۔

---

(۱) الفتاوى الهندية، باب في صلوة المريض: ۱/۱۳۶

(۲) آثار السنن، باب صلوة المريض، حديث نمبر: ۸۳

معذور کا اسٹول پر سجدہ

سوال :- ہماری مسجد میں ایک صاحب فالج کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر اور سامنے اسٹول رکھ کر اس پر سجدہ کرتے ہیں، اس کے بعد ایک اور صاحب اسی طرح کی شکایت کی وجہ سے کرسی پر نماز پڑھنے لگے، وہ سامنے اسٹول رکھے بغیر نماز ادا کرتے ہیں، ان صاحب نے پہلے شخص پر اعتراض کیا کہ اس طرح سامنے اسٹول رکھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، براہ کرم اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں؟

(یوسف انصاری، ہمنا بنڈم)

جواب :- مجبوری کی وجہ سے سامنے اسٹول رکھ کر اس پر نماز ادا کرنا درست ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ سر جھکانے کی کیفیت پائی جائے؛ کیوں کہ معذور شخص کے رکوع و سجدہ کی اصل کیفیت سر کا اشارہ ہے، جن صاحب نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، شاید انہیں غلط فہمی ہوئی ہے، ایک صورت یہ ہے کہ کسی چیز پر پیشانی رکھنے کے بجائے اس شئ کو اٹھا کر اپنی پیشانی سے لگا لیا جائے، یہ صورت مکروہ ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ زمین پر کوئی چیز رکھی ہوئی ہو اور اس پر سجدہ کیا جائے، یہ صورت جائز ہے، بلکہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک تکلیف کی وجہ سے اس طور پر سجدہ کرنا ثابت ہے، علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے :

"فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته الخ" (۱)

کرسیوں پر نماز کی ادائیگی

سوال :- آج کل مسجدوں میں کثرت سے کرسیوں پر

---

(۱) رد المحتار : ۲/ ۵۶۹

بیٹھ کر نماز پڑھنے کا رواج ہو رہا ہے، لوگ گھر سے پیدل چل کر آتے ہیں، بعض دفعہ دوستوں کے ساتھ نیچے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں؛ لیکن جب نماز پڑھنی ہوتی ہے تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں، کیا اس طرح نماز پڑھنا درست ہے؟　　(افتخار الدین، ہمایوں نگر)

جواب:- جو نماز فرض یا واجب ہیں، ان کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں، نفل نمازیں — جن میں سنن و مستحبات شامل ہیں — کو بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کیا جا سکتا ہے، البتہ بیٹھ کر پڑھنے میں بمقابلہ کھڑے ہو کر پڑھنے کے کم اجر ہوگا، حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے،(۱) فرض کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ارکان صلوٰۃ کو اس کی مطلوبہ ہیئت پر ادا کیا جائے، جیسا کہ قیام کی حالت میں کھڑا رہے، رکوع میں جھکا رہے، سجدہ میں پیشانی زمین پر ہو، لیکن اگر کسی رکن کو اصل مطلوبہ ہیئت پر ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو جس طرح قدرت ہو اس طرح ادا کرلے، کھڑا نہ رہ سکتا ہو تو بیٹھ جائے، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر زیادہ دیر کھڑا نہ رہ سکتا ہو تو تھوڑی دیر کھڑا رہ کر پھر بیٹھ جائے، اسی طرح دیوار یا عصا کا سہارا لے کر کھڑا ہو:

" ... و إلا بأن قدر علی بعض القیام قام بقدر ما یمکنه ... ولو بالتحریمة "(۲)

" ولو قدر علی القیام متکئا الصحیح إنه یصلي قائما متکئا ".(۳)

غرض کہ جس رکن کو مطلوبہ ہیئت پر ادا کرنے سے قاصر ہو تو اسے متبادل طریقہ پر ادا کر سکتا ہے۔

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۱۱۱۶۔

(۲) مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی: ۲۳۵۔

(۳) فتاوی هندیه: ۱/۱۳۶۔

پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کھڑا ہونے پر قادر نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ قادر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہونے سے بیماری کے بڑھ جانے یا صحت کی رفتار سست ہو جانے کا اندیشہ ہو، یا کھڑے ہونے سے سر چکراتا ہو یا خاصا درد محسوس ہوتا ہو، معمولی مشقت کی وجہ سے فریضۂ قیام کو چھوڑا نہیں جا سکتا:

" وأصح الأقاويل في تفسير العجز أن يلحقه بالقيام ضرر وعليه الفتوى ، .... وكذلك إذا خاف زيادة المرض أو أبطأ البرء بالقيام أو دوران الرأس ...... أو يجد وجعا لذلك ، فإن لحقه نوع مشقة لم يجز ترك ذلك القيام " (۱)

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے اور فقہاء کی تصریحات سامنے رکھنے سے درج ذیل باتیں منقح ہوتی ہیں:

۱) فرض و واجب نمازوں کو اس وقت بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے جب کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قدرت نہیں ہے، قدرت سے مراد یہ ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں سر چکراتا ہو، گر جانے کا اندیشہ ہو، بیماری کے بڑھ جانے کا خوف ہو، گھٹنے یا اور کسی جگہ شدید درد ہو، جس کی وجہ سے کھڑے ہونے میں مشقت ہوتی ہے، معمولی درد یا معمولی تھکان کی وجہ سے بیٹھ کر فرض و واجب نماز ادا کرنا درست نہیں۔

۲) جو شخص تھوڑی دیر کھڑا ہو سکتا ہو اسے چاہئے کہ تھوڑی دیر کھڑا ہو کر نماز پڑھے پھر بیٹھ جائے۔

۳) اگر کرسی پر بھی بیٹھ سکتا ہو اور زمین پر بھی، اور زمین پر بیٹھنے کی صورت میں زمین پر سجدہ کر سکتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرے؛

---

(۱) فتاوی ہندیہ : ۱ / ۱۳۶

تاکہ سجدہ اصل مطلوبہ ہیئت کے مطابق ادا ہوسکے، اگر سجدہ نہیں کرسکتا ہو، تب بھی زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الوفات میں زمین پر بیٹھ کر نماز ادا فرمائی ہے، پس یہ طریقہ سنت نبوی ﷺ کے موافق ہے۔

۴) اگر زمین پر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا، کرسی ہی پر بیٹھ سکتا ہے تو اگر قعدہ اور سجدہ کرنے میں زحمت ہے اور قیام و رکوع کرنے کی طاقت ہے تو اسے چاہئے کہ حالت قیام میں کھڑا ہو، مسنون ہیئت کے مطابق رکوع کرے، کرسی پر بیٹھ کر قعدہ کرے اور اشارہ سے سجدہ کرے؛ کیوں کہ جب وہ قیام و رکوع کو صحیح طریقہ پر کرسکتا ہے تو اس کو ان ارکان سے معذور قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۵) اگر قیام، رکوع اور سجدہ پر قادر نہیں، تو بیٹھ کر اشارہ ہی سے نماز پڑھ سکتا ہے، پھر اگر زمین پر بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو کرسی ہی پر بیٹھے اور اشارہ سے نماز ادا کرے، اور اگر کرسی پر بھی بیٹھ سکتا ہے اور زمین پر بھی، تو گو سنت سے موافقت کی وجہ سے زمین پر بیٹھنا افضل ہے اور اسی کا اہتمام کرنا چاہئے؛ لیکن کرسی پر بیٹھے تو اس کی بھی گنجائش ہے؛ کیوں کہ جو شخص کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو، اس کے لئے بیٹھنے کی کوئی ہیئت متعین نہیں، جس طرح چاہے بیٹھ کر نماز ادا کرے:

"ویقعد کیف شاء، أي کیف تیسر له بغیر ضرر من تربع أو غیره کاحتباء أو جلوس علی رکبتیه"(۱)

واللہ اعلم

---

(۱) مراقي الفلاح مع طحطاوی، ص: ۲۳۴

صف کے درمیان میں کرسی پر نماز ادا کرنا

سوال:- مصلیان مسجد بزرگ ضعیف العمر حضرات اکثر فرض نمازوں میں پہلی صف کے بیچ میں کرسیاں ڈال کر بیٹھ جاتے ہیں، دوسرے مصلیوں کو اکثر کرسی کے بازو کھڑا رہ کر نماز پڑھنی پڑتی ہے، کیا اس سے صف پوری ہوتی ہے، یا صفوں کے کونے میں کرسیاں ڈال کر بیٹھنا چاہیے، شرعی اصول کیا ہے معلوم فرمائیں؟

(ایس، کے برہان الدین، ایل بی نگر ورنگل)

جواب:- جو شخص کھڑا ہو کر اور زمین پر بیٹھ کر نماز ادا نہ کر سکتا ہو، اس کے لیے کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز ادا کرنا بھی جائز ہے اور وہ کھڑے ہوئے آدمی کے ہی حکم میں ہے، اس لیے اگر صف کے درمیان میں بھی نمازی کی کرسی ہو، تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ چونکہ بعض لوگ اس سے گرانی محسوس کرتے ہیں، اور بظاہر صف میں خلا محسوس ہوتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ اس طرح کی کرسیاں صف کے کنارے رکھی جائیں۔ واللہ اعلم

کرسی پر نماز پڑھنے والے کا قیام اور اس کی جگہ

سوال:- معذور اشخاص (جو نیچے بیٹھ کر سجدہ وقعدہ نہیں کر سکتے) مسجد میں کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں کے بارے میں کسی سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ جس حد تک آدمی کھڑا ہو سکتا ہے، وہ کھڑا ہو کر پڑھے اور باقی نماز بیٹھ کر کرسی پر ادا کر سکتا ہے، اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ صف کے آخر میں کرسی رکھ کر آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو جائے، تو صف سے کچھ آگے نکل جاتا ہے، اور قعدہ میں آ کر کرسی پر بیٹھ کر صف میں شامل ہو جاتا ہے، اس طرح ایک عجیب صورت پیدا ہو جاتی ہے، کہ کوئی آگے کوئی پیچھے،

جبکہ رسول اللہ ﷺ نے صف سیدھی رکھنے کی بڑی تاکید فرمائی، اس پر یہاں ایک صاحب نے اظہار خیال فرمایا کہ بہتر ہوگا کہ حضور کی ہدایت کو مد نظر رکھ کر معذور شخص پوری نماز کرسی پر بیٹھ کر پڑھے، تو سنت کی پیروی بھی ہوگی، اور صف سے آگے کھڑے ہونے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی، البتہ تنہا نماز پڑھنے والا جس طرح چاہے پڑھ سکتا ہے، اس سلسلہ میں آپ سے رہنمائی کی درخواست ہے۔

(ابوسہیل، آصف نگر، سید خواجہ فخر الدین قادری، قدیم ملک پیٹ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ جو شخص کھڑے ہونے پر قادر ہو، اس کو کھڑے ہو کر ہی قیام کی حالت کے افعال ادا کرنا چاہئے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو، کھڑا ہو کر پڑھے، کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو، تب بیٹھ کر اور بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو، تب لیٹ کر نماز ادا کرے، (۱) اسی لئے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص کھڑے ہونے پر قادر ہو، اس کے لئے فرض نماز میں کھڑا ہونا فرض ہے، اگر قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو نماز ادا نہیں ہوگی۔

اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص رکوع وسجدہ پر قادر نہ ہو اور قیام پر قادر ہو، اس پر قیام فرض ہوگا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں ایک قول یہ ہے کہ قیام کی فرضیت اس کے ذمہ باقی رہے گی؛ کیوں کہ قیام ایک مستقل رکن ہے اور جس رکن کی ادائیگی پر انسان قادر ہو اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اگر سجدہ پر قادر نہ ہو تو قیام بھی اس کے ذمہ فرض نہیں رہے گا؛ کیوں کہ سجدہ اصل مقصود ہے اور قیام کی حیثیت اس کے لئے ذریعہ ووسیلہ کی ہے تو جب مقصود ساقط ہو گیا تو اس کا ذریعہ بھی بدرجۂ اولیٰ ساقط ہو جائے گا، ہمارے بعض مشائخ نے اسی قول کو ترجیح دیا ہے۔

---

(۱) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۹۳۹۳

لیکن غور کیا جائے تو دلیل کے اعتبار سے پہلا قول ہی قوی معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ کتاب وسنت میں کہیں یہ بات نہیں آئی ہے کہ سجدہ مقصود ہے اور قیام اس کے لئے ذریعہ ووسیلہ ہے، بلکہ کتاب وسنت کی تعبیرات کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے قیام اور سجدہ دونوں کو مستقل رکن قرار دیا ہے اور شریعت کا اصول یہ ہے کہ انسان کو جس عمل پر جس حد تک قدرت ہو اس حد تک اس پر عمل کرے، یہاں تک کہ خود احناف کے یہاں قیام کے بارے میں فرمایا گیا کہ اگر لاٹھی کا، کسی خادم کا، کسی اور شئی کا سہارا لے کر قیام کر سکتا ہو تب بھی اسے قیام کرنا چاہئے:

"ولو قدر على القيام متكئا، الصحيح أنه يصلي قائما متكئا، ولا يجزيه غير ذلك، وكذا لو قدر على أن يعتمد على عصا أو على خادم له فإنه يقوم ويتكئ" (۱)

یہی رائے فقہاء شوافع اور حنابلہ کی ہے۔

"ومن قدر على القيام وعجز عن الركوع أو السجود لم يسقط عنه القيام ويصلي قائما فيومئ بالركوع ثم يجلس فيومئ بالسجود، وبهذا قال الشافعي" (۲)

اس لئے جو بات راجح معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اگر سجدہ پر قادر نہ ہو اور قیام پر قادر ہو تب بھی اس کے لئے قیام ضروری ہے۔

بہرحال جو لوگ قیام کی حالت میں کھڑے ہو سکتے ہیں اور رکوع وسجدہ نہیں کر سکتے، ان کو چاہئے کہ کرسی اس طرح رکھیں کہ اس کے پچھلے پائے دوسرے نمازیوں کے پاؤں کے مقابل پڑیں، ایسی صورت میں قعدہ، رکوع اور سجدہ کی حالت میں تو وہ صف کے برابر میں ہوں گے، قیام کی حالت میں اسے ذرا آگے کھڑا ہونا پڑے گا تو صفوں کو سیدھا رکھنا سنت ہے:

(۱) الفتاوی الہندیۃ: ۱/۱۳۶ (۲) المغنی: ۲/۵۷۲

"وفي حاشية البخاري عن العيني: وهي (تسوية الصفوف) سنة الصلاة عند أبي حنيفة والشافعي ومالك إلخ" (۱)

لہٰذا اس صورت میں نماز پڑھنے والا فرض کو ادا کرنے کے لئے عذر کی وجہ سے ایک سنت کو چھوڑ رہا ہے اور اس کی گنجائش ہے، کیوں کہ سنت کا درجہ فرض سے کمتر ہے، اور پھر ان کا یہ فعل بالارادہ نہیں ہے، بلکہ عذر کی بنا پر ہے، اور شریعت میں معذور کے لئے رعایت رکھی گئی ہے۔

نماز میں کسی کا سہارا لے کر کھڑا ہونا

سوال: کچھ عرصہ پہلے مجھ پر فالج کا اثر ہوا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں اس سے شفایاب ہو چکا ہوں، لیکن اب بھی دائیں حصہ پر اس کا اثر ہے، اگر دائیں طرف کوئی سہارا نہ ہو تو بعض دفعہ توازن کھو جاتا ہے اور گرنے کا خطرہ رہتا ہے، اس لئے میں مسجد میں بالکل کنارے دیوار سے متصل نماز پڑھتا ہوں اور قیام کی حالت میں دیوار کا سہارا لیتا ہوں، امام صاحب نے بتایا کہ اس طرح کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ (تنویر اکرم، محبوب نگر)

جواب:- اصل تو یہی ہے کہ نماز کے افعال کو کسی چیز کا سہارا لئے بغیر ادا کیا جائے، قیام بھی اپنے پاؤں کی قوت پر ہو، کسی اور شئی کا سہارا نہ ہو، لیکن احکام شریعت میں معذورین کے لئے خصوصی رعایت ہے؛ چنانچہ عذر کی بنا پر سہارا لے کر کھڑے ہونے کو بلا کراہت جائز قرار دیا گیا ہے:

"ويكره للمصلي المكتوبة أن يعتمد على شيء إلا من عذر" (۲)

(۱) إعلاء السنن: ۴/۳۵۳، سنة تسوية الصفوف (۲) بدائع الصنائع: ۱/۵۰۳

آپ نے جو بات توازن کھونے کی لکھی ہے، وہ ایک معقول عذر ہے؛ اس لئے جو تدبیر آپ اختیار کرتے ہیں وہ درست ہے، بلکہ اس کیفیت میں تو بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، پھر یہ حکم تو فرض نمازوں کے لئے ہے، نفل نمازوں میں چوں کہ قیام واجب نہیں اور اسے بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کیا جا سکتا ہے، اس لئے ان میں بدرجۂ اولیٰ سہارا لینے کی گنجائش ہوگی۔

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نظر کس طرف ہو؟

سوال:- جب بیٹھ کر نماز ادا کی جائے تو نظر کس طرف رکھی جائے، کیا سجدہ گاہ پر نگاہ رکھی جائے، جیسا کہ قیام کی حالت کے لئے حکم ہے؟ (سید عطاء اللہ، بنجارہ ہلز)

جواب:- نماز کی مختلف کیفیتوں میں مختلف مقامات پر نظر رکھنے کا فقہاء نے جو ذکر کیا ہے، میرے علم کے مطابق حدیث میں ایسا کوئی حکم نہیں آیا ہے، غالباً اس میں دو باتیں پیش نظر ہیں، ایک: یکسوئی؛ کیوں کہ مختلف جہتوں میں دیکھنے سے ذہن بٹ جاتا ہے اور عبادت میں جو یکسوئی مطلوب ہے، وہ حاصل نہیں ہو پاتی، دوسرے: آسانی، کہ بے تکلف اس کیفیت میں نظر جس طرف رہتی ہو، اس پر نظر رکھی جائے، اور یہ بات بھی یکسوئی میں معاون ہوتی ہے، بیٹھنے کی کیفیت میں گود پر نظر رکھنے کی تلقین اسی لئے کی گئی ہے اور بیٹھ کر نماز ادا کرنے والا اس کیفیت میں "قیام" ادا کر رہا ہے؛ اس لئے اس کی نظر گود پر ہونی چاہئے، سجدہ گاہ پر نظر رکھنا اس شخص کے لئے بہتر ہے، جو قیام کو حقیقی قیام کی صورت میں ادا کر رہا ہو۔ واللہ اعلم

معذور کی نماز کا حکم

سوال:- ناچیز ضعیف العمر ہے، ضعیفی کے عوارض لاحق ہیں، ایک یہ کہ پیشاب کرکے طہارت لینے کے بعد بھی کچھ قطرے نکل جاتے ہیں، ایسی صورت میں بار بار پائجامہ بدلنا مشکل ہوتا

ہے اور نماز کے لئے طہارت وپاکیزگی ضروری اور لازمی ہے،
اسلام یقیناً ایک دینِ فطرت ہے تو کیا ہم ایسے مجبوروں
اور معذوروں کے لئے شریعت نے کس حد تک رعایت رکھی ہے؟

(شیخ طاہر، شاہ علی بنڈو)

جواب:- شریعت میں اعذار کی بے حد رعایت ہے اور قرآن مجید نے اس سلسلہ میں اصولی بات کہہ دی ہے کہ کسی بھی شخص کو اس کی گنجائش سے زیادہ عمل کا مکلف نہیں بنایا جاتا: ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾(۱) چنانچہ ایسے ضعیف شخص کے لئے بھی فقہ میں رعایت رکھی گئی ہے، اگر پیشاب کا قطرہ ایک درہم یعنی ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار سے کم لگے تو اس نجاست کے باوجود نماز ادا کی جاسکتی ہے، عام طور پر ایک دو قطرہ اس مقدار سے بڑھتا نہیں، اگر اسی جگہ پر ایک سے زیادہ قطرات نکلیں؛ لیکن اس کا دائرہ مذکورہ مقدار سے بڑھے نہیں، تب بھی نماز ادا ہو جائے گی، اگر اس سے بڑھ جائے تو اب اس کا دھونا واجب ہے؛ اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ نماز کے لئے ایک الگ پائجامہ یا تہبند رکھا جائے اور نماز کے وقت اسے پہننے کا اہتمام کیا جائے، جو نجاست سے پاک ہو، یا استنجاء کے لئے کوئی زیر جامہ رکھا جائے اور نماز کے وقت اسے نکال کر نماز پڑھ لی جائے، اور اگر یہ صورتِ حال ہو کہ استنجاء کیا اور پیشاب کا قطرہ آگیا، کپڑا بدل لیا، پھر دوبارہ پیشاب کا قطرہ آگیا، یعنی کپڑے کو نجاست سے بچاتے ہوئے نماز پڑھنا ممکن نہیں رہا تو اس صورت میں پیشاب کے ٹپکنے والے قطرات کے ساتھ بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ ایسا شخص "معذور" ہے اور معذور کے لئے یہی حکم ہے:

".... إذا أصاب ثوبه من ذلك أكثر من قدر الدرهم ،
يجب غسله إذا كان الغسل مفيدًا بأن لا يصيبه مرة
بعد أخرى ، حتى لو لم يغسل وصلى لم يجزئه ، وإن

(۱) البقرة :۲۸۶

لم یکن مفیدا لا یجب مادام العذر قائما وهو اختیار مشایخنا "(۱)

گھر میں نماز کی جگہ مخصوص کرنا

سوال:- میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں، بیمار بھی رہتا ہوں اور مسجد بھی نہیں جا سکتا، گھر پر ہی نماز ادا کر لیتا ہوں، ایسی صورت میں مجھے کیا گھر میں کوئی جگہ مخصوص کر لینی چاہئے یا کسی بھی جگہ نماز ادا کی جا سکتی ہے؟ (صبیح الدین انصاری، جدہ)

جواب:- اگر آپ مسجد نہیں جا سکتے اور گھر میں ہی نماز ادا کرنے پر مجبور ہیں تو گھر میں کہیں بھی نماز ادا کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو اس امت کے لئے نماز گاہ بنا دیا ہے، صرف مسجد ہی نماز کے لئے مخصوص نہیں ہیں؛ لیکن بہتر ہے کہ آپ اپنے گھر میں کسی جگہ کو نماز کے لئے متعین کر لیں، اس جگہ کو صاف ستھرا رکھا جائے اور سب لوگ اسی جگہ پر نماز ادا کرنے کا اہتمام کریں، صحابی رسول ﷺ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بارش وغیرہ ہو جانے کے وقت مسجد نہیں آ پاتے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے خواہش کی کہ آپ ان کے دولت خانہ میں کسی بھی جگہ نماز پڑھ دیں؛ تاکہ وہ اس کو اپنی نماز پڑھنے کے لئے استعمال کریں، آپ ﷺ نے ان کی یہ خواہش پوری فرما دی۔(۲) اس پس منظر میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے مستحب ہے کہ وہ اپنے گھر میں ایک جگہ نماز کے لئے مخصوص کر لے، البتہ اس کی وجہ سے اس جگہ پر مسجد کے تمام احکام جاری نہیں ہوں گے، اس کو بیچنا یا بحالت ناپاکی وہاں بیٹھنا وغیرہ جائز ہوگا:

" مندوب لکل مسلم أن یعد فی بیته مکانا یصلي فیه إلا أن هذا المکان لا یأخذ حکم المسجد علی الإطلاق؛ لأنه باق علی حکم ملکه، له أن یبیعه " (۳)

---

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل في بیان ما ینقض الوضوء: ۱/۱۳۰

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۴۲۵ (۳) الفتاوی الهندیة: ۵/۲۲۰

نماز کا فدیہ

سوال:- میری نانی کا کچھ عرصہ پہلے انتقال ہو گیا، وہ نماز کی پابند تھیں، لیکن اخیر زمانہ میں کچھ نمازیں چھوٹ گئی ہیں، انہوں نے اپنے بچوں کو وصیت کردی ہے کہ ان کی نمازوں کا کفارہ ادا کردیا جائے، ایسی صورت میں کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟ صرف فرض نمازوں کا کفارہ ادا کیا جائے گا یا سنن و نوافل کا بھی؟ نیز اگر نانی نے وصیت نہیں کی ہوتی، کیا اس صورت میں بھی کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے؟ (عابدہ عبداللہ، شاہین نگر)

جواب:- حدیث میں روزہ کے فدیہ کا ذکر آیا ہے، بلکہ قرآن مجید میں بھی، (۱) — میرے علم کے مطابق قرآن یا حدیث میں صراحتاً نماز کے فدیہ کا ذکر نہیں آیا ہے — لیکن جیسے نماز فرض ہے، اسی طرح روزہ بھی فرض ہے؛ بلکہ بعض جہتوں سے نماز کی اہمیت روزہ سے بڑھ کر ہے؛ اس لئے فقہاء نے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے نماز چھوڑنے پر بھی فدیہ کو جائز قرار دیا ہے، اور وہ اس طرح کہ پانچوں فرض نمازوں اور نماز وتر میں سے ہر ایک کے فدیہ کے طور پر پونے دو کیلو گیہوں ایک ایک مسکین کو دیا جائے، سنتوں کے چھوڑنے پر فدیہ واجب نہیں:

" إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بأن تعطي كفارة صلواته يعطي لكل صلاة نصف صاع من بر وللوتر نصف صاع إلخ " (۲)

اگر مرنے والے نے وصیت نہیں کی ہو تو گو ورثہ پر اس کی طرف سے فدیہ ادا کرنا واجب نہیں ہے، لیکن اگر ورثاء اپنی خوشی سے فدیہ ادا کردیں، تو جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کی کریم و رحیم ذات سے امید رکھنی چاہئے کہ اسے قبول فرمالیں گے: " وإن لم يوص لورثته وتبرع بعض ورثته يجوز " (۳)

(۱) البقرة ۱۸۴ (۲) الفتاوى الهندية ۱/۱۲۵ (۳) حوالۂ سابق

مسافر کی نماز کا بیان

قصر کے لیے مسافتِ شرعی

سوال:- مختلف علماء کرام قصر کی نماز اور مسافت شرعی کے بارے میں الگ الگ فاصلے بتاتے ہیں، منصف میں ایک بار ۸۷ رکلومیٹر کا فاصلہ لکھا گیا تھا، جبکہ روزنامہ سیاست میں ۷۷ رکلومیٹر کا ذکر آیا ہے، صحیح معنوں میں کتنے فاصلوں پر قصر کرنا چاہئے؟

(فقیر احمد پاشا، گلبرگہ)

جواب:- اس مسئلہ میں علماء ہند کی آراء میں کسی قدر اختلاف ہے، بعض اہل علم نے ۳۶ رمیل کو مسافت شرعی مانا ہے، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے، بعض نے ۴۵ رمیل کو، مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں، اور اس کی بنیاد علماء خوارزم کے قول پر ہے، جن کے نزدیک پندرہ فرسخ مسافت سفر ہے، غالباً "سیاست" کا جواب اسی لحاظ سے ہوگا، زیادہ تر اہل علم کے نزدیک مسافت شرعی ۴۸ رمیل ہے اور یہ اس حدیث کے مطابق ہے، جس میں چار "برید" کو مسافت شرعی قرار دیا گیا ہے، جو اڑتالیس میل ہوتا ہے، اب بعض اہل علم جیسے مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ نے اڑتالیس میل انگریزی مانا ہے، اس لحاظ سے ۷۷ رکلو میٹر سے کچھ زیادہ مسافت شرعی قرار پاتی ہے، اور بعض اہل علم جیسے مولانا خیر محمد جالندھریؒ وغیرہ نے اڑتالیس میل شرعی مراد لیا ہے، اڑتالیس میل شرعی چھپن میل انگریزی کے برابر ہوتا ہے، اس

لحاظ سے مسافت تقریباً اٹھاسی کلومیٹر ہوتی ہے؛ اس لیے کہ میل شرعی، میل انگریزی سے دو سو چالیس گز بڑا ہوتا ہے؛ لیکن اگر میل شرعی ہی سے حساب کریں تو یہ مسافت ۸۲ رکیلومیٹر ۲۹۶ میٹر یعنی ۸۳ کیلومیٹر کے قریب ہوتی ہے، یہ درمیانی قول ہے اور موجودہ دور میں متعدد اہل تحقیق علماء نے اس رائے کو اختیار کیا ہے؛ اس لئے راقم الحروف اگرچہ پہلے ۸۷ رکیلومیٹر کی مسافت کا قائل تھی؛ لیکن اب اس کو راجح سمجھتا ہے؛ لہٰذا آپ اس قول پر عمل کریں، ان شاء اللہ یہ بہتر ہوگا، تاہم چونکہ اس مسئلہ میں اہل علم کے مختلف نقاط نظر ہیں، اس لئے اگر کوئی شخص ان میں سے کسی اور رائے پر اعتماد کرتے ہوئے عمل کرے، تو اس کا عمل بھی عند اللہ درست ہوگا، ایسے مسائل میں اپنی رائے پر اصرار اور دوسرے کی رائے پر نکیر سے گریز کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

اگر قصر کرنے اور نہ کرنے کے متعلق شبہ ہو

سوال:- اگر ایسی جگہ نماز پڑھنے کی نوبت آئی کہ جس کے بارے میں شبہ ہو کہ یہاں قصر کرنا چاہیے یا پوری چار رکعت ادا کرنی چاہیے تو وہ کیا کرے؟ (اسلم ہاشمی، ناندیڑ)

جواب:- اگر اس بارے میں شبہ ہو کہ یہاں اس کا حکم مسافر کا ہے یا مقیم کا؟ تو اسے چار رکعت پوری کرنی چاہیے، البتہ لازماً دو رکعت پر قعدہ بھی کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اگر وہ مسافر ہو تو یہ قعدہ اولیٰ ہی اس کے حق میں قعدۂ اخیرہ سمجھا جائے گا:

"لو شك في صلاته أنه مسافر أو مقيم يصلي أربعاً ويقعد على الثانية إحتياطا" (۱)

ایک راستہ دور کا ہو ایک قریب کا؟

سوال:- مجھے بار بار ایک شہر کا سفر کرنا پڑتا ہے، اس شہر کے دو راستے ہیں، ایک راستہ کسی قدر گھوم کر جاتا ہے، لیکن سڑک

---

(۱) هندیه: ۱/۱۳۱

اچھی ہے، اس راستہ سے ہماری منزل ۸۵ کلو میٹر سے زیادہ فاصلہ پر آتی ہے، دوسرا راستہ خراب ہے، اس سے ۷۵ کلو میٹر سے بھی کم میں ہم اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں جاتے ہوئے نماز میں قصر کرنا چاہئے یا نہیں؟ (حمید الدین شریف، ورنگل)

جواب:- محتاط قول کے مطابق تقریباً سوا بیاسی کلو میٹر سے مسافت شرعی پوری ہو جاتی ہے اور اگر کوئی شخص اتنی مسافت کا یا اس سے زیادہ کا سفر کرے تو اسے قصر کرنا چاہئے، چونکہ دو راستوں سے الگ الگ مسافتیں بنتی ہیں؛ لہٰذا جب آپ جس راستہ سے سفر کریں، اس کا اعتبار ہوگا، اگر ۸۵ کلو میٹر والے راستہ سے جائیں تو قصر کرنا ہوگا اور ۷۵ کلو میٹر والا راستہ اختیار کریں تو چار رکعت والی نماز کو پوری چار رکعت پڑھیں گے:

" فإذا قصد بلدة إلى مقصده طريقان : أحدهما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها و الآخر دونها فسلك الطريق الأبعد كان مسافرا عندنا و إن سلك الأقصر يتم كذا في البحر الرائق "(۱)

اگر منزل کی دو راستوں سے الگ الگ مسافت ہو؟

سوال:- بذریعۂ ٹرین 75 کیلو میٹر کی دوری ہے، اور بذریعۂ بس 55 کیلو میٹر ہے، تو اب کس دوری کا اعتبار ہوگا؟

جواب:- جو مسافت آپ نے لکھی ہے، وہ سفر شرعی کی مسافت سے کم ہے، البتہ اگر کسی ایسی جگہ کا سفر ہو، جو ایک طرف سے سوا بیاسی یا اس سے زائد فاصلہ پر ہو، اور دوسری طرف سے کم فاصلہ ہو تو جس راستہ سے سفر کیا جائے، اس کا اعتبار ہوگا، اگر سوا بیاسی کیلو میٹر والے راستہ سے سفر کر رہا ہے تو نماز میں قصر کرے گا، اور مختصر راستہ سے سفر کر رہا ہے تو چار رکعت پڑھنی ہوگی:

" و الآخر دونها فسلك الطريق الأبعد كان مسافرا

---

(۱) فتاوی هندیه ۱/۱۳۸، نیز دیکھئے مجمع الأنهر ۱/۱۶۱، الجوهر النيرة ۱/۱۰۳

عمدنا و إن سلك لأقصر يتم " (۱)

قصر کن نمازوں میں ہے؟

سوال:- فجر، مغرب، اور عشاء کی نمازیں قصر کی حالت میں کتنی رکعت پڑھی جائیں گی؟ (عبدالسبحان، ہاملی مارکیٹ)

جواب:- سفر میں جو قصر کی سہولت دی گئی ہے، اس کا تعلق چار رکعت والی نمازوں سے ہے، دو اور تین رکعت والی نمازوں سے نہیں، اس لئے فجر اور مغرب کی نماز سفر میں بھی دو اور تین رکعتیں پڑھی جائیں گی، البتہ عشاء کی نماز سفر میں دو رکعت ادا کی جائے گی۔

تبلیغی سفر میں قصر و اتمام

سوال:- ہم لوگ تبلیغی جماعت میں نکلتے رہتے ہیں، ہمارا نظم مقامی ذمہ دار کے تابع ہوتا ہے، بعض اوقات ایک ہی مقام پر پندرہ دن یا اس سے زیادہ رکنا پڑتا ہے، بعض اوقات اس سے کم، ایسی صورت میں ہمارے لئے نماز پوری کرنے یا قصر کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ (محمد عبداللہ، ملے پلی)

جواب:- حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص کہیں پندرہ دن ٹھہرے تو وہ پوری نماز پڑھے " من أقام خمسة عشر يوما أتم الصلاة " (۲)، اس لئے احناف کے نزدیک اگر کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت ہو تو اس کو چار رکعت پڑھنی چاہئے اور اس سے کم قیام کی نیت ہے تو اسے مسافر کی طرح نماز ادا کرنی ہے، اب اگر انسان کا قیام اور سفر اس کے اپنے ارادہ پر موقوف ہے تب تو اس کا نیت کر لینا کافی ہے، اور اگر وہ اپنے قیام و سفر میں دوسرے کے تابع ہے اور اس کے حکم کا پابند ہے تو اس دوسرے شخص کی نیت معتبر ہوگی،

---

(۱) ہندیہ ۱/۱۳۸

(۲) سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء في كم تقصر الصلاة، حدیث نمبر: ۵۵۱

سنتوں کا ادا کر لینا یا نہ ادا کرنا ، اس میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں ، ایک رائے یہ ہے کہ فجر کی سنت ادا کر لیں ، بقیہ سنتوں کو چھوڑ دیں ، بعض حضرات نے مغرب کی سنت کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اسے بھی ادا کر لینا چاہئے ، اس حقیر کا رجحان جس رائے کی طرف ہے ، وہ یہ ہے کہ اگر عارضی طور پر کہیں مقیم ہو جیسے ہوٹل یا مکان یا مسافر خانہ وغیرہ میں ، تو سنتوں کو ادا کر لینا بہتر ہے اور اگر چلتی ہوئی حالت ہو ، جیسے ٹرین یا جہاز وغیرہ میں ہو تو سنتوں کو ادا نہ کرنا بہتر ہے ؛ کیوں کہ شریعت کی رخصت سے فائدہ اٹھانا بھی شریعت پر عمل کرنے کا ایک طریقہ ہے ، یہی قول فقہاء حنفیہ میں علامہ ہندوانی کا ہے اور اسی طرف علامہ شامی کا رجحان بھی محسوس ہوتا ہے :

" … وقال الهندواني : الفعل حال النزول والترك حال السير الخ " (۱)

سفر میں نماز سے متعلق کچھ احکام

سوال:- (الف) کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنے دنوں تک قصر برقرار رہے گا ؟ (ب) اگر مسافر دو سو کیلو میٹر جا کر دس دنوں کے بعد وطن واپس ہوا اور آتے ہوئے ایسی جگہ ٹھہرا ، جو وطن سے چالیس کیلو میٹر فاصلہ پر ہے تو کیا وہاں بھی نماز میں قصر کرے گا ؟

(ایم ، اے بشیر ، پالونچہ)

جواب:- (الف) جب تک وطن واپس نہ آجائیں یا کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہر نہ جائیں قصر کرتے رہیں گے ۔ (۲)

(ب) واپس آتے ہوئے جب تک اپنے شہر میں داخل نہ ہو جائے ، وہ مسافر ہی رہے گا اور قصر کرتا رہے گا ، اگر چالیس کیلو میٹر کے فاصلہ پر دس دن یا اس سے زیادہ اور پندرہ دن سے کم

---

(۱) رد المحتار : ۲/۶۱۳

(۲) کبیری : ۱/۵۳۹

قیام کی نیت سے ٹھہرا ہو تو شرعاً وہ سفر کی ہی حالت میں ہے اور ابھی اسے قصر ہی کرنا ہے۔(۱)

ٹرین میں نماز ادا کرنے کا طریقہ

سوال:- میرے مقام سے ملازمت کا فاصلہ ۵۰ کلومیٹر ہے، عصر اور مغرب کا وقت ٹرین میں گزرتا ہے، دونمازیں کس طرح ادا کریں؟ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر؟ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا چلتی ٹرین میں دشوار ہے، استقبال قبلہ کا کیا حکم ہوگا؟ ایسی صورت میں نماز کیسے ادا کریں اور کتنی رکعت پڑھیں؟ (فقیر احمد پاشا، گلبرگہ)

جواب:- نمازیں حتی المقدور اپنے وقت پر ادا کرنی چاہئیں، اس لیے آپ ان دونوں نمازوں کو ٹرین ہی میں ادا کریں، اگر ٹرین رکی ہوئی حالت میں ہو تب تو کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرنا ضروری ہے، اگر ٹرین چلتی ہوئی حالت میں ہو، مسافروں کو تکلیف میں ڈالے بغیر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہو اور اس میں زیادہ مشقت نہ ہو تو کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنی چاہیے، لیکن اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں مشقت ہو، یا آپ کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے مسافروں کو آمد و رفت میں دقت پیش آتی ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے کشتی میں نماز ادا کرنے کے بارے میں فرمایا ہے، ٹرین میں نماز پڑھتے ہوئے یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ گذرگاہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے؛ کیوں کہ گذرگاہ سے تمام لوگوں کا حق متعلق ہوتا ہے، اس لیے نماز کے لیے ٹرین میں ایسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہئے جس سے گذرنے والوں کو دقت نہ ہو۔

استقبال قبلہ اگر ممکن ہو تو اس کی رعایت ضروری ہے، ٹرین میں عام طور پر استقبال قبلہ کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن ہوتا ہے، اس لیے قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کریں، اگر کسی وجہ سے قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو، تو جس رخ پر نماز پڑھ سکتے ہوں، نماز ادا کریں، لیکن نماز قضاء

---

(۱) ہدایہ: ۱/۱۳۹ (۲) ہندیہ: ۱/۱۳۹

نہ ہو، اسی طرح اگر اندھیری شب ہونے کی وجہ سے قبلہ کا پتہ نہ چلتا ہو اور قبلہ معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ بھی نہ ہو، تو قلب کے رجحان پر عمل کریں، دل جس سمت میں قبلہ ہونے کی گواہی دے، اس طرف رخ کر کے نماز ادا کر لی جائے۔

فجر میں مسافر کی امامت

سوال:- ہماری مسجد میں، جماعتیں آتی رہتی ہیں، اگر امام صاحب غیر حاضر ہوں تو لوگ فجر کی نماز میں جماعت میں سے کسی کو امام بنا دیتے ہیں، حالاں کہ مقیم لوگوں میں امامت کے اہل لوگ موجود ہیں، کیا یہ مناسب ہے؟ (قاری عبدالستار، بازار گھاٹ)

جواب:- فجر کی نماز چوں کہ دو ہی رکعت ہے، اس لئے اس میں مقیم اور مسافر کی نماز کا کوئی فرق نہیں، مقیم اور مسافر نمازیوں میں سے ایسے شخص کو امامت کے لئے آگے بڑھانا چاہئے جو احکام نماز سے زیادہ واقف ہو اور قرآن مجید بہتر طور پر پڑھ سکتا ہو، اگر جماعت میں آنے والے حضرات اس معیار کے اعتبار سے نماز پڑھانے کے زیادہ اہل ہوں تو ان کو آگے بڑھانا مناسب ہے اور اگر وہ اس کے اہل نہیں ہوں، مقیم حضرات میں کوئی زیادہ اہل ہو تو اسے بڑھایا جائے، یہ سب اس صورت میں ہے جب کہ مسجد کے مقررہ امام صاحب موجود نہ ہوں، اگر مقررہ امام موجود ہوں تو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔

سفر سے واپسی پر دعا

سوال:- عام طور پر سنت تو یہ ہے کہ سفر کے شروع میں دعائے سفر پڑھی جائے، لیکن کیا سفر سے واپسی پر بھی دعا پڑھنی چاہئے؟ اور اگر متعدد لوگ سفر کر رہے ہوں تو سبھوں کی طرف سے ایک شخص کا دعا پڑھ لینا کافی ہے یا ہر شخص کا الگ الگ دعا پڑھنا ضروری ہے؟ (محمد نصیر قریشی، بیگم پیٹ)

جواب:- (الف) رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس آتے تھے تو اس وقت بھی بعض دعائیں پڑھا کرتے تھے، اسی سلسلہ کی ایک دعا مشہور محدث امام ترمذیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

" آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون " (۱)

'' ہم اپنی منزل پر واپس آنے والے، اللہ کے حضور توبہ کرنے والے اور اسی کی بندگی کرنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد و ستائش کرتے ہیں''

سفر سے واپسی پر ایک معمول یہ بھی تھا کہ پہلے آپ مسجد تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ (۲)

(ب) دعا در اصل انفرادی فعل ہے، یہاں تک کہ نماز میں بھی دعائیں ہر ایک کو انفرادی حیثیت میں پڑھنی ہوتی ہیں، اس لیے ہر شخص کو دعا پڑھنی چاہیے، ایک یا چند اشخاص کا سبھوں کی طرف سے دعا پڑھ لینا کافی نہیں۔

سفر کے دوران تلاوت قرآن مجید کا حکم

سوال:- دوران سفر قرآن مجید کی تلاوت کا کیا حکم ہے؟ کیا بہ آواز بلند بھی سفر کے درمیان تلاوت کی جاسکتی ہے؟

(فضل احمد، بہادر پورہ)

جواب:- قرآن مجید پیدل اور سوار دونوں حالتوں میں پڑھا جاسکتا ہے؛ اس لئے حالت سفر میں تلاوت قرآن میں کچھ حرج نہیں ؛ بلکہ باعث اجر و ثواب ہے؛ البتہ چند امور کا خیال رکھنا چاہئے، ایک تو ایسی جگہ جو نجاست وغیرہ کے لئے ہو، وہاں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے:

---

(۱) ترمذي ، أبواب الدعاء: ۱۸۳/۲

(۲) بخاری عن کعب بن مالك ؓ، حدیث نمبر: ۳۰۸۸

"لم یکن ذلک الموضع معدا للنجاسة فإن کان یکرہ" (۱)

دوسرے جہاں لوگ دوسرے کاموں میں مشغول ہوں وہاں قرآن شریف پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے، تیسرے بازار میں اور لہو ولعب کی جگہ پر بھی قرآن کی تلاوت نہیں کرنی چاہئے:

"لا یقرأ جهرا عند المشتغلین بالأعمال في الأسواق وفي موضع اللغو" (۲)

ان امور کی رعایت کے ساتھ سفر میں قرآن مجید کی تلاوت کی جاسکتی ہے اور بہ آواز بلند بھی کی جاسکتی ہے۔

---

(۱) ہندیہ: ۵/۳۱۶

(۲) ہندیہ: ۵/۳۱۶

نماز جمعہ کا بیان

جمعہ کے دن موت

سوال: - عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ جس کی موت جمعہ کے دن ہو، اس پر عذاب قبر نہیں ہوتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

(محمد اسماعیل، ملے پلی)

جواب: - یہ روایت ترمذی شریف میں ہے، حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

"ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر" (۱)

"جس مسلمان کی روز جمعہ یا شب جمعہ موت واقع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ قبر کی آزمائش سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں"

لیکن یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے، خود امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے اور بعض واسطے حذف ہو گئے ہیں: "وليس إسناده بمتصل" مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، (۲) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس روایت کے بارے میں بعض علماء کا نقطۂ نظر لکھا ہے کہ صرف

---

(۱) ترمذی، حدیث: ۱۰۷۴

(۲) العرف الشذی: ۱/۳۵۶، ط: رحیمیہ دیوبند

جمعہ کے دن اور رات وہ عذاب سے محفوظ رہے گا، اگر مستحق عذاب ہو تو شب ہفتہ سے عذاب دیا جائے گا۔(۱) واللہ اعلم

شہر سے مراد

سوال:- حنفیہ کے یہاں جمعہ کی نماز گاؤں میں نہیں ہو سکتی؛ بلکہ شہر میں ہی ہو سکتی ہے، موجودہ دور میں شہر سے کیا مراد ہے جب کہ اب سڑکیں، بجلی وغیرہ کاؤں گاؤں پہنچ چکی ہیں؟

(حبیب الرحمان، ٹولی چوکی)

جواب:- حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز شہر میں ہی ہونی چاہئے؛ لیکن شہر سے کیا مراد ہے؟ حدیث میں اس کی کوئی تفصیل منقول نہیں، فقہاء نے اپنے ذوق اور اپنے عہد کے معیار کے لحاظ سے شہر کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، اسی لئے اس سلسلہ میں بہت سے اقوال ہیں، امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اگر آبادی کے تمام لوگ نماز پنج گانہ کی مساجد میں سے بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد ان کے لئے ناکافی ہو جائے، ایسی آبادی کو شہر سمجھا جائے گا اور اس میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا کی جائے گی، اکثر علماء اور ارباب افتاء نے اسی کو ترجیح دیا ہے:

" وعن أبي يوسف أن ما إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم للصلوات الخمس لم يسعهم و عليه فتوى أكثر الفقهاء ، وقال أبو شجاع : هذا أحسن ما قيل فيه ، وفي الولوالجية : وهو الصحيح " (۲)

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد میں پنج وقتہ جماعت کی شرط نہیں

سوال:- ایک ایسی مسجد جہاں کہ پانچ وقت کی باجماعت

---

(۱) الکوکب الدری: ۱/ ۳۲۵

(۲) البحر الرائق: ۲/ ۲۴۱، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع: ۱/ ۵۸۵، فتح القدیر: ۲/ ۲۴

نماز نہیں ہوتی ہے، جب کہ امام مقرر ہے، صرف امام اکیلا ہی نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، البتہ جمعہ کے دن کچھ لوگ آجاتے ہیں تو کیا ایسی مسجد میں جمعہ پڑھنا درست ہے؟ (جمیل فیضان، مرشد آباد)

جواب:- کسی مسجد میں نماز جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس مسجد میں نماز پنج وقتہ جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہو، فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر بادشاہ اپنے خدام کے ساتھ اپنے گھر میں جمعہ کی نماز پڑھ لے، جہاں عام لوگوں کو بھی اندر آنے کی اجازت ہو تو جمعہ کی نماز ادا ہو جائے گی، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره فإن فتح باب الدار وأذن عاما جاز صلاته شهدها العامة أو لم يشهد" (۱)

تو جب عام جگہوں میں نماز جمعہ درست ہے تو ایسی مسجد میں تو بدرجہ اولیٰ درست ہوگی۔

درگاہ کی مسجد میں جمعہ

سوال:- ہمارے علاقہ میں ایک درگاہ ہے، جس میں ایک مسجد ہے، اس کے اندر صرف جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے اور ہر جمعہ کم از کم پندرہ افراد اور زیادہ سے زیادہ تیس افراد ہوتے ہیں، کیا ایسی جگہ پر نماز پڑھنا اور پڑھانا درست ہے؟ (حافظ طاہر، منگیلی)

جواب:- اگر اس جگہ بنیادی ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہوں یا وہاں کی نسبتاً بڑی مسجد میں سارے لوگ جمع ہوں اور وہ مسجد ناکافی ہو جائے تو پھر اس علاقہ میں اور درگاہ کی اس مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے؛ کیوں کہ احناف نے بڑے گاؤں (قریہ کبیرہ) کی جو تعریفیں کی ہیں، ان میں سے ان دونوں کو علماء نے ترجیح دی ہے، نیز ہندوستان کے علماء اور ارباب افتاء کا رجحان ہے کہ کسی جگہ پہلے سے نماز جمعہ ہوتا آیا ہو تو اسے روکا نہ جائے

(۱) فتاوی ہندیہ ۲ ۱۴۹

کیوں کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے، اس کے علاوہ ایک اہم مصلحت یہ بھی ہے کہ آج کل جمعہ کے اہتمام سے دعوتی مصلحت بھی متعلق ہے : کیوں کہ اس سے مسلمانوں میں اپنے مسلمان ہونے کا احساس باقی رہتا ہے اور وہ فتنۂ ارتداد سے بچے رہتے ہیں؛ لہٰذا آپ کا وہاں نماز جمعہ پڑھنا اور پڑھانا درست ہے۔

منبر کی نئی وضع

سوال:- ہماری مسجد میں منبر عرب ممالک کی مساجد کی طرح بنایا گیا ہے، یعنی اس کی سیڑھیاں محراب کے اندر سے ہیں، سیڑھیاں ختم ہونے کے بعد ایک اسٹیج ہے، جس میں مصلیوں کی جانب ایک محراب نما کمان ہے، امام ان سیڑھیوں سے ہو کر اس دریچہ میں جا کر کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس میں خطبہ دیتا ہے، جب کہ عام مساجد میں جو محراب ہے اس کی نوعیت الگ ہے، کیا مذکورہ منبر خلافِ سنت تو نہیں ہے؟ (سعید بن علی، کریم نگر)

جواب:- منبر کا مقصد یہ ہے کہ خطیب کی جگہ اونچی ہو؛ تاکہ سامعین سے خطاب کرنے میں سہولت ہو؛ اسی لیے جب تک منبر نہیں بنا تھا، رسول اللہ ﷺ کھجور کے ایک تنے کے سہارے سے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، پھر جب رسول اللہ ﷺ کا منبر مبارک بنا تو وہ تین سیڑھیوں پر مشتمل تھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ پوری تفصیل موجود ہے۔ (۱) پھر مختلف ادوار میں منبر کی شکلیں بدلتی رہیں، اس دور میں سلف صالحین موجود تھے لیکن تبدیل شدہ وضع پر ان کا معترض ہونا منقول نہیں، اس لیے منبر کی مذکورہ شکل بھی جائز ہے، البتہ بہتر اور سنت سے قریب وہ صورت ہے جو ہندوستان میں عام طور پر مروج ہے، جس میں منبر تین سیڑھیوں کا ہوتا ہے، اور خطیب سامنے سے منبر پر چڑھتا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: مجمع الزوائد: ۱ / ۳۰۲

قبل از وقت جمعہ کی اذان

سوال:- آج کل کے موسم کے لحاظ سے ظہر کا وقت بارہ بج کر چالیس منٹ پر شروع ہوتا ہے اور جمعہ کے دن بہت سی مساجد کے اندر بارہ بج کر تیس منٹ پر جمعہ کی اذان ہو جاتی ہے، تو اس صورت میں اذان کو دوہرانا ضروری ہوگا یا ضروری نہیں؟

(محمد رفیق، کورٹلہ)

جواب:- اذان کا مقصد اس بات کی اطلاع دینا ہے کہ نماز کا وقت شروع ہو چکا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ اذان وقت شروع ہونے کے بعد دی جائے اور یہی عہد نبوی سے متوارث عمل رہا ہے، اگر قبل از وقت دے دی گئی تو یہ کافی نہیں، وقت شروع ہونے کے بعد دوہرانا چاہیے، یہ حکم تمام ہی نمازوں کے لیے ہے:

"حتی لو أذن قبل دخول الوقت لا یجزیہ ویعیدہ إذا دخل الوقت فی الصلوات کلھا في قول أبي حنیفة ومحمد رحمھما الله" (۱)

خطبۂ جمعہ سے پہلے کی اذان

سوال:- جمعہ کے خطبہ سے پہلے کی اذان کب سے شروع ہوئی اور اس کی مصلحت کیا ہے؟ (محمد مصلح الدین، انجن باؤلی)

جواب:- خطبہ شروع کرنے کے وقت جو اذان دی جاتی ہے، وہ حضور ﷺ کے زمانہ ہی سے ہے، رسول اقدس ﷺ، حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ اور حضرت عثمان ؓ کے ابتدائی عہد میں جمعہ کی یہی ایک اذان ہوا کرتی تھی، حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے:

"سمعت السائب بن یزید یقول: إن الأذان یوم

(۱) بدائع الصنائع ۱/۳۸۱

الجمعة كان أوله حين يجلس الإمام يوم الجمعة
على المنبر في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر ؓ
وعمر ؓ ... "(۱)

البتہ جمعہ کا وقت شروع ہوتے ہی جو پہلی اذان دی جاتی ہے، وہ حضور ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما کے دور میں نہیں دی جاتی تھی، حضرت عثمان غنی ؓ نے اس اذان کا اضافہ کیا اور صحابہ ؓ نے اس سے اتفاق کیا؛ کیوں کہ ان کا اس عمل پر خاموش رہنا اور کوئی نکیر نہیں کرنا اجماع واتفاق کی دلیل ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ کا شہر اب نسبتاً پھیل گیا تھا، آبادی زیادہ ہو گئی تھی اور یوں تو مدینہ میں کئی مسجدیں تھیں؛ لیکن جمعہ کی نماز مدینہ اور اس کے مضافات کے لوگ مسجد نبوی ہی میں پڑھا کرتے تھے؛ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کچھ پہلے لوگوں کو متنبہ کر دیا جائے اور جمعہ کے سلسلہ میں اعلان ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ یہ اذان مسجد نبوی سے باہر بازار میں "زوراء" نامی مقام پر دی جاتی تھی:

" فلما كان في خلافة عثمان ؓ وكثروا أمر
عثمان ؓ يوم الجمعة بالأذان الثالث ، فأذن به
على الزوراء ، فثبت الأمر على ذلك "(۲)

اسی لئے خطبہ کے وقت دی جانے والی اذان کے علاوہ دوسری اذانوں کو مسجد سے باہر دینا افضل ہے، اس مقصد کے لئے مسجد کے ساتھ اذان خانے بھی بنائے گئے اور ان میناروں سے اذان دینے کا رواج شروع ہوا، اب لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے ایسے اذان خانوں کی ضرورت باقی نہیں رہی؛ لیکن عام طور پر مسجد سے متصل خارج مسجد اذان دینے کا کمرہ ہوتا ہے، اور اس سے اذان دی جاتی ہے، اس سے وہ مصلحت بھی حاصل ہو جاتی ہے، جو بازار میں اذان دلوانے کی تھی اور لوگوں تک آواز بھی اچھی طرح پہنچ جاتی ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري ، حدیث نمبر: ۹۱۶

(۲) حوالہ سابق

منبر کے سامنے جمعہ کی اذان ثانی

سوال:- کیا مسجد کے اندر منبر کے سامنے جمعہ کی اذان ثانی دینی چاہئے؟ (عبد السلام، بیدر)

جواب:- جی ہاں منبر کے سامنے اذان دینی چاہئے، سلف صالحین کے دور سے یہی متوارث طریقہ ہے۔

"وإذا صعد الإمام المنبر وأذن المؤذن بين يدي المنبر بذلك جرى التوارث" (۱)

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی طرح اذان دی جاتی تھی:

"كان يؤذن بين يدي رسول الله إذا جلس على المنبر يوم الجمعة" (۲)

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب

سوال:- جمعہ کی دوسری اذان کا جواب دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جواب دیتے ہیں اور بعض لوگ اس سے منع کرتے ہیں۔ (عبد المجیب، اورنگ آباد)

جواب:- خطیب جب منبر پر بیٹھ چکا ہو تو اس کے لئے تو جواب دینے کی اجازت ہے؛ چنانچہ حضرت معاویہ ؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منبر پر بیٹھے ہوئے مؤذن کی اذان کا جواب دیا ہے؛ (۳) لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے درمیان ہر طرح کے کلام سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ نماز و ذکر سے بھی، اور بعض روایتوں میں منقول ہے کہ جب خطیب

---

(۱) فتح القدير ۲۱۱

(۲) أبو داؤد عن سائب بن يزيد ، ۳۳۲

(۳) دیکھئے بخاری ۳۰۹، عن ابی امامة بن سهل بن حنيف

نکلے تو پھر نہ نماز پڑھی جائے نہ گفتگو کی جائے؛ اس لئے عام طور پر فقہاء احناف نے زبان سے جواب دینے کو منع کیا ہے، مشہور فقیہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

" وینبغي أن لا یجیب بلسانه اتفاقا في الأذان بین یدي الخطیب " (۱)

جب خطیب کے سامنے اذان دی جائے تو زبان سے جواب نہیں دینا چاہئے، اس پر اتفاق ہے؛ لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کی دوسری اذان کا جواب زبان سے دینے کے بجائے دل ہی دل میں دیا جائے۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کے بعد دعا

سوال:- جمعہ کے روز خطیب صاحب کا بیان ختم ہوتے ہی خطبہ کے شروع میں جو اذان دی جاتی ہے، کیا اس اذان کے بعد اذان کی دعا پڑھنی چاہیے؟ (محمد وسیم قریشی، بیگم پیٹ)

جواب:- خطبہ شروع ہونے کے بعد کسی بھی چیز کے پڑھنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے؛ اس لیے اس موقع پر دعاء نہیں کرنی چاہئے؛ چنانچہ فقہاء نے زبان سے اذان کا جواب دینے سے بھی منع کیا ہے:

" وفي المجتبی: إذا سمع الأذان لا یجیب في الصلاة واستماع خطبة الجمعة ... " (۲)

کاروبار بند کرنے میں کس مسجد کا اعتبار ہے؟

سوال:- میں ہوٹل چلاتا ہوں اور میرے قرب و جوار میں دو تین مسجدیں ہیں، ہر جگہ سے اذان جمعہ کی آواز آتی ہے؛ لیکن ان مسجدوں میں اذان اور نماز کے اوقات الگ الگ ہیں، تو اذان

---

(۱) درمختار: ۲/۳۹۹ (۲) البحر الرائق: ۲/۲۵۹

کے بعد جو کاروبار کو بند کر دینے کا حکم ہے، ہمارے لئے اس میں کس
مسجد کی اذان کا اعتبار ہوگا؟ (محمد محسن حیدر، پنجیل مارکٹ)

جواب:- اذان کے ساتھ ہی کاروبار کے بند کرنے کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے کہ آپ خطبہ شروع ہونے سے پہلے مسجد میں پہونچ جائیں، خطبہ بھی سنیں اور نماز بھی ادا کریں؛ بلکہ آج کل بہت سی مسجدوں میں خطبہ سے پہلے کچھ دیر اصلاحی باتیں بھی ہوتی ہیں، ان کا سننا بھی بہت مفید ہے؛ اس لئے جس مسجد میں آپ کا نماز ادا کرنے کا ارادہ ہو، اس مسجد کا اعتبار ہوگا؛ تاکہ خطبہ میں شرکت کا مقصد حاصل ہو جائے۔

اردو زبان میں خطبۂ جمعہ اور منبر پر اردو خطاب

سوال:- ہمارے محلہ کی مسجد میں ہر جمعہ کو تقریر ہوتی ہے، ایک صاحب جمعہ کے دن مختلف عنوانات پر تقریر کرتے رہتے ہیں، یہ موصوف پہلا خطبہ دینے کے بعد اسی منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسرا خطبہ دیتے ہیں، کیا اس طرح منبر سے تقریر کرنا مناسب بات ہے، چوں کہ عربی زبان کے علاوہ کسی زبان میں خطبہ دینا مکروہ ہے، تو کیا اس طرح منبر سے اردو میں تقریر کرنا درست ہوگا؟ (محمد خواجہ، ورنگل)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے عربی زبان میں خطبہ دیا ہے، آپ ﷺ کا عربی میں خطبہ دینا اس بناء پر تھا کہ آپ ﷺ کی اور سامعین کی زبان عربی تھی، یا اس بناء پر کہ عربی ہی میں خطبہ دینا ضروری ہے؟ اس میں فقہاء کے دو نقاط نظر رہے ہیں، بعض فقہاء نے اسے ایک اتفاقی واقعہ سمجھا ہے کہ چوں کہ آپ ﷺ کے اور سامعین کے لئے اس زمانہ میں عربی زبان ہی قابل فہم تھی؛ اس لئے آپ ﷺ نے عربی میں خطبہ ارشاد فرمایا، اگر کسی جگہ سامعین کسی اور زبان کو بولتے اور سمجھتے ہوں تو وہاں اس زبان میں خطبہ دینے کی گنجائش ہوگی، امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول یہی ہے، دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ ﷺ کا عربی زبان میں خطبہ دینا حکم شرعی کے طور پر تھا؛

اس لئے ضروری ہے کہ عربی زبان ہی میں خطبہ دیا جائے، یہی رائے راجح ہے؛ اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے، اگرچہ خطبہ اس میں بھی ہو جاتا ہے؛ لیکن یہ مناسب نہیں ہے، اس کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ خطبہ طوالِ مفصل (یعنی بروج تا حجرات) کی سورتوں میں سے کسی سورت کے بقدر ہونا چاہئے، فقہاء نے اس سے زیادہ لمبے خطبہ کو مکروہ لکھا ہے۔

وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل[1]

اور جب خطبہ کے ساتھ اردو خطاب بھی ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ طویل ہوگا؛ ہاں اس میں کوئی حرج نہیں کہ خطبہ سے پہلے اردو زبان میں خطاب کر دیا جائے؛ تاکہ عمل نبوی کی مکمل اتباع بھی ہو جائے اور دعوت و تذکیر کا مقصد بھی حاصل ہو جائے —— البتہ اگر خطبہ اردو زبان میں نہ ہو؛ لیکن خطبہ سے پہلے یا نماز کے بعد یا کسی اور موقع پر منبر پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر اردو میں بات کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسا نہیں ہے کہ منبر پر عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں گفتگو کرنے کی ممانعت ہو۔

خطبۂ جمعہ سے پہلے بیٹھ کر خطاب

سوال:- جمعہ میں تقریر و بیان جوان خطیب منبر یا کرسی پر بیٹھ کر کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا کھڑے ہو کر ہی بیان کرنا ضروری ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر ہی کرنا ضروری ہے؟

(اخلاق احمد قاسمی، کٹھیار)

جواب:- تقریر و بیان کی حیثیت خطبہ کی نہیں؛ بلکہ عمومی نصیحت و تذکیر کی ہے، اس لئے کرسی پر یا منبر پر بیٹھ کر بیان کرنے میں حرج نہیں، گو بیان کرنے والا جوان ہو، بوڑھا اور معذور نہ ہو، جو افعال عبادت کے درجہ میں ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو حالت قیام میں کرنے کا حکم دیا ہے یا حالت قیام میں ان کا انجام دینا منقول ہے، ان میں قیام ضروری ہے اور بلا عذر بیٹھ جانا مناسب نہیں۔

---

(1) رد المحتار: ۲۰/۳

اذان اور خطبہ کے درمیان فصل

سوال:- شہر کی ایک مسجد میں اذان ایک بجے ہوتی ہے اور خطبہ ڈھائی بجے شروع ہوتا ہے، کیا یہ عمل صحیح ہے؟ شرعی احکام کے مطابق اذان اور خطبہ میں کتنا فصل مناسب ہے؟

(عبداللہ یاسر، ملے پلی)

جواب:- حیدرآباد میں ایک بجے ہر موسم میں وقت شروع ہو جاتا ہے، اسی طرح ڈھائی بجے ہر زمانہ میں ظہر کا وقت باقی رہتا ہے؛ اس لئے وقت کے اعتبار سے تو یہ عمل درست ہے ہی، جہاں تک پہلی اذان اور خطبہ کے درمیان فاصلہ کی بات ہے تو اس سلسلہ میں عام طور پر فقہاء نے کوئی صراحت نہیں کی ہے، اتنا وقت دیا جانا مناسب ہے کہ محلہ کے لوگ ضروریات پوری کر کے اپنے گھر سے چل کر مسجد تک پہونچ جائیں، اگر اس مسجد میں یہی معمول ہو اور لوگ اس کے مطابق مسجد میں آیا کرتے ہوں، تو اس طویل فصل میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے؛ البتہ دوسری اذان اور خطبہ کے درمیان فصل نہیں ہونا چاہئے؛ کیوں کہ یہ متوارث طریقہ کے خلاف ہے، فقہاء کی عبارتوں سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ دوسری اذان خطبہ دینے والے شخص کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہو اور اس کے بعد خطبہ شروع ہو جائے۔

خطبہ کے دوران کس طرح بیٹھے؟

سوال:- جس طرح تشہد کی حالت میں بیٹھتے ہیں، کیا جمعہ کے خطبہ میں اسی طرح بیٹھنا چاہئے؟ یا کسی بھی طرح بیٹھ سکتے ہیں؟

(حمید الرحمٰن، گلبرگہ)

جواب:- خطبہ چوں کہ بعینہ نماز نہیں، اس لئے نماز ہی کی ہیئت پر بیٹھنا ضروری نہیں، جیسی سہولت ہو اور اس کی بیٹھک سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، بیٹھ سکتے ہیں، آلتی پالتی بیٹھنے، یا گوٹ مار کر، یا جیسے سہولت ہو، البتہ تعدہ کی سی بیٹھک بہتر ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اس

مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

" إن شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر ... و
يستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلوة " (۱)

اگر جمعہ میں ایک ہی خطبہ دے؟

سوال:- جمعہ میں اگر بلا توقف ایک ہی مرتبہ میں پورا خطبہ دے دیا جائے، درمیان میں بیٹھا نہیں جائے، تو یہ خطبہ کافی ہو جائے گا یا نہیں؟ (محمد خلیل احمد ایڈوکیٹ، حیدرآباد)

جواب:- دو خطبے دینا مسنون ہے، اور یہ بھی مسنون ہے کہ ان دونوں کے درمیان تین آیات کی تلاوت کی مقدار بیٹھا جائے:

" ويخطب خطبتين ، يفصل بينهما بقعدة ، به
جرى التوارث " (۲)

البتہ دونوں خطبے ضروری نہیں، کم سے کم ایک خطبہ شرط ہے، اگر ایک ہی خطبہ پر اکتفاء کرے، تو خطبہ ادا ہو جائے گا اور نماز جمعہ درست ہو جائے گی؛ البتہ ترک سنت کا گناہ ہوگا:

" ويسن خطبتان خفيفتان ، وفي الرد : لا
ينافي ما مر من أن الخطبة شرط ، لأن المسنون
هو تكرارهما مرتين ، والشرط إحداهما ، وفي
الدر : تاركها (الجلسة بينهما) مسيئ على
الأصح " (۳)

---

(۱) فتاوی هنديه :۱۴۸/۱

(۲) الهدايه :۱/۱۱۱ صلاة الجمعة ، ط: ایچ ایم سعید

(۳) رد المحتار :۳/۲۰ ، باب الجمعة

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان دعا

سوال:- جمعہ کے دن ایک وقت دعاء کی قبولیت کا ہے، جیسا کہ علماء کرام بتاتے ہیں، بہت سے لوگ اس وقت کی تلاش میں دو خطبہ کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں ، کیوں کہ اس وقت خطیب خاموش رہتا ہے، بعض لوگ اس وقت دعاء کرنے سے منع کرتے ہیں، اس مسئلہ میں صحیح طریقہ کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

(مبین احمد، تاژبن)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ میں ایک ساعت اجابت کا ذکر فرمایا ہے، جو قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے، اور ان شاء اللہ اس وقت جو بھی دعاء کی جائے گی، قبول ہوگی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے خطبہ کے لئے بیٹھنے سے لے کر نماز جمعہ ختم ہونے تک کا وقت دعاء کی قبولیت کا وقت ہے، اور فقہاء نے اسی کو زیادہ صحیح قول قرار دیا ہے، (۱) دوسری طرف پورے خطبہ کے درمیان گفتگو اور ذکر وغیرہ سے منع کیا گیا ہے، جس میں دونوں خطبوں کے درمیان کا وقفہ بھی شامل ہے؛ اس لئے اگر زبان سے دعاء کرنی ہو تو خطبہ ختم ہونے اور اقامت شروع ہونے کے درمیان جو مختصر سا وقفہ ہوتا ہے، اس میں دعاء کرلی جائے، اور اگر یہ وقت کافی نہ ہو تو دل ہی دل میں دعاء کرلے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ دل کی آواز بھی سنتے ہیں:

"فيسن الدعاء بقلبه لا بلسانه ؛ لأنه مأمور بالسكوت" (۲)

خطبۂ جمعہ کے درمیان سنت کی ادائیگی

سوال:- خطبۂ جمعہ شروع ہونے کے بعد سنت پڑھنا درست ہے؟ اور خطبۂ جمعہ سے پہلے جو بیان کیا جاتا ہے، کیا وہ بھی

---

(۱) درمختار مع الرد: ۳/۴۲-۴۳ (۲) رد المحتار: ۳/۴۲

خطبہ میں شمار ہوگا؟ (خالد اقبال، ناندیڑ)

جواب:- حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جوں ہی امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے، اس وقت سے ہی یہ حضرات نماز اور گفتگو کو ناجائز سمجھتے تھے: "کانوا یکرھون الصلاۃ والکلام بعد خروج الإمام" (۱)۔ اس لئے خطبہ شروع ہونے کے بعد تحیۃ المسجد یا جمعہ کی سنت نہیں پڑھنی چاہئے، ایک روایت حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو خطبہ کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا، (۲) لیکن یہ ایک استثنائی واقعہ ہے؛ کیونکہ حدیث میں یہ بات بھی آئی ہے کہ جب تک وہ دو رکعت پڑھتے رہے، آپ ﷺ خطبہ سے رکے رہے، (۳) پس یہ بات درست نہیں کہ خطیب خطبہ دینے میں مشغول ہو اور لوگ نفل پڑھنے میں مصروف ہوں، یہ آداب خطبہ کے خلاف ہے۔

خطبہ سے پہلے اردو زبان میں جو بیان ہوتا ہے، وہ خطبہ کے حکم میں نہیں ہے، بیان کے دوران نماز پڑھی جاسکتی ہے؛ البتہ چونکہ ان بیانات کی بڑی افادیت ہے اور اصلاح نفس میں ان بیانات سے بڑا نفع ہوتا ہے؛ اس لئے چاہئے کہ بیانات سے پہلے ہی سنت ادا کرلیں، اور اگر بیان و خطبہ کے درمیان سنت کے لئے وقت دیا جائے تو توجہ کے ساتھ سنیں اور وقفہ میں سنت ادا کریں۔

سنت جمعہ کے درمیان سماعت خطبہ کے لئے سنت کو چھوڑ دینا

سوال:- اگر کوئی شخص سنت مؤکدہ پڑھ رہا ہو اور جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو کیا خطبہ واجب ہونے کی وجہ سے سماعت

---

(۱) نصب الرایۃ بحوالہ المصنف لابن أبی شیبۃ: ۲؍۲۰۲

(۲) دیکھئے: سنن أبی داؤد، حدیث نمبر: ۱۱۱۶، باب إذا دخل الرجل و الإمام یخطب

(۳) نصب الرایۃ ۲؍۲۰۳

خطبہ کے لئے سنت کو چھوڑ دینا چاہئے یا سنت کو پورا کرنا چاہئے؟

(عبدالحمید اطہر، عنبر پیٹ)

جواب:- سنت شروع کرنے کے بعد خطبہ شروع ہو تو صحیح یہی ہے کہ سنت کو پورا کرے اور توڑے نہیں:

" إذا شرع في الأربع قبل الخطبة ثم افتتح الخطبة ... تكلموا فيه و الصحيح أنه يتم و لا يقطع " (۱)

خطبۂ جمعہ میں شریک نہ ہونا

سوال:- میرا دفتر مسجد کے قریب ہے، جمعہ کے دن ہم سب لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد جاتے ہیں، لیکن دفتر کے کاموں کی کثرت کو دیکھتے ہوئے کوشش کرتے ہیں کہ نماز شروع ہونے کے وقت مسجد پہنچیں، یعنی یا تو مکمل خطبہ چھوٹ جاتا ہے، یا اس کا بڑا حصہ، کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ (عبدالصمد صدیقی، مگی باؤلی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر وہ آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے جاتے ہیں، جو شخص جمعہ کا وقت شروع ہونے کے بعد مسجد میں آجاتا ہے، اس کی مثال (اجر کے اعتبار سے) اونٹ کی قربانی دینے والے کی ہے، اس کے بعد آنے والا گائے کی قربانی دینے والے کے مماثل ہے، اس کے بعد آنے والا گویا مینڈھے کی قربانی دیتا ہے، جو اس کے بعد آئے، اس نے گویا مرغی صدقہ کیا، اس کے بعد آنے والے نے گویا انڈا صدقہ کیا، پھر جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے، تو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں، اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔ (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ خطبہ میں شریک نہیں ہوتے ہیں، فرشتوں کے

---

(۱) البحر الرائق ۲: ۲۷۱

(۲) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۹۲۹، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۵۰، عن أبي هريرة ؓ

یہاں اجر پانے والوں کی فہرست میں ان کا نام نہیں آپاتا ہے، اس سے بڑی محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟ خطبہ ہی کی وجہ سے ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ میں دو رکعت رکھی گئی ہیں، پس خطبہ میں شریک نہ ہونا گویا دو رکعت سے اپنے آپ کو محروم کرنا ہے، اس لئے آپ اور آپ کے احباب اپنے اس معمول میں تبدیلی پیدا کریں، اور خطبہ سے پہلے مسجد میں آیا کریں، تاہم اگر کوئی خطبہ میں شریک نہ ہو اور نماز میں شریک ہو گیا، تب بھی نماز جمعہ ادا ہو جاتی ہے۔(۱)

خطبۂ جمعہ اور اقامت کے درمیان بات چیت

سوال:- جمعہ کا خطبہ ختم ہونے اور اقامت کہے جانے کے درمیان پڑوسی سے بات کرنا یا دعاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مجھے ایک عالم صاحب نے کہا کہ اس وقت بھی خاموش رہنا ضروری ہے۔

(فائز الدین، گلبرگہ)

جواب:- خطبہ اور اقامت کے درمیان دنیوی بات چیت کرنا مکروہ ہے، اس سے بچنا چاہئے، دینی گفتگو کرنا جائز ہے، جیسے مسئلہ بتانا، ذکر کرنا، دعاء کرنا، وغیرہ:

" فإذا أتم أقيمت ويكره الفصل بأمر الدنيا ...

أما نهي عن منكر أو أمر بمعروف فلا " (۲)

جن عالم صاحب نے خاموش رہنے کو ضروری قرار دیا ہے، ان کا مقصد بھی یہی ہوگا کہ درمیان میں دنیوی گفتگو نہیں کی جائے۔

طویل نماز اور مختصر خطبہ

سوال:- جمعہ کے دن خطبہ طویل اور نماز مختصر ہونی چاہیے، یا خطبہ مختصر اور نماز طویل، نیز یہ بھی وضاحت کریں کہ جمعہ کے بعد

---

(۱) دیکھئے: الدر المختار مع الرد: ۳/۵۱۵-۵۱۴

(۲) رد المحتار ۲/ ۷۷

دعا مختصر ہونی چاہیے یا طویل؟ (فہیم الدین مہدی چشم)

جواب :- حضرت واصل بن حبان ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز کا طویل ہونا اور خطبہ کا مختصر ہونا فہم دین کی علامت ہے ؛ لہذا نماز طویل پڑھو اور خطبہ مختصر دو ۔ (۱) اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء نے بھی جمعہ کے خطبہ کو ، بمقابلہ نماز کے مختصر رکھنے کو کہا ہے ؛ (۲) اس لیے خطبہ بمقابلہ نماز کے مختصر ہونا چاہیے اور نماز جمعہ نسبتاً طویل ، لیکن اتنی طویل بھی نہیں کہ لوگ اکتا جائیں اور دشواری میں مبتلا ہو جائیں —— جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں دعا مختصر کرنی چاہیے ؛ چونکہ جمعہ کے بعد بھی سنت ادا کی جاتی ہے ؛ اس لیے اس موقع پر بھی مختصر دعا ، کرنی چاہئے ۔

سلام اور دعا کے درمیان چندہ

سوال :- ہمارے گاؤں لونا واڑہ ضلع پنچ محل کی چند مساجد میں چند مہینوں سے گاؤں کی کمیٹی کی طرف سے چندہ کی ایک عجیب شکل شروع ہوئی ہے ، جو بظاہر مناسب نہیں معلوم ہوتی ، وہ شکل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے سلام کے بعد متصلاً ہر صف میں ایک ایک آدمی ٹوکری لئے پھرتا ہے ، اور اس دوران مصلی حضرات دعا کا انتظار کرتے ہیں ، بعض تسبیح میں مشغول ہوتے ہیں ، چند منٹوں کے بعد امام صاحب دعا کراتے ہیں ، کیا چندہ کی یہ شکل صحیح ہے ؟

(غلام محمد فلاحی ، لوناواڑہ ، گجرات)

جواب :- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دینی مقاصد کے لئے یا محتاج مسلمانوں کی مدد کی غرض سے مسجد نبوی میں چندہ کرنا ثابت ہے ؛ اس لئے اگر مسجد کے نظم و نسق اور اس کی ضروریات کے لئے سلام اور دعا کے درمیان چند منٹ میں اس طرح تعاون کی رقم وصول کرلی

---

(۱) صحیح مسلم ، باب تخفیف الصلوة حدیث: ۲۰۰۹

(۲) دیکھئے: بدائع الصنائع ۱: ۵۹۳

جائے تو کوئی حرج نہیں، سلام کے ساتھ ہی نماز مکمل ہو جاتی ہے، نماز کے بعد جو دعاء کی جاتی ہے وہ نماز کا جز نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ مستحب ہے اور نماز سے اس کا اتصال ضروری نہیں، لہذا اگر اس کی وجہ سے نماز اور دعا کے درمیان چند منٹ کا وقفہ ہوتا ہو تو کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ شور و غل اور کسی پر تقدون کے لئے جبر و دباؤ نہ ہونا چاہئے۔

جمعہ سے پہلے اور بعد چار رکعتیں

سوال:- ایک صاحب کا کہنا ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے یا اس کے بعد چار رکعت سنت نہیں ہے، نیز رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں یہ نہیں پڑھی جاتی تھی، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانروا ہوئے، تب بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پڑھنے لگے؛ کیوں کہ وہ حضرت معاویہ کی امامت کو برحق نہیں جانتے تھے، اور چوں کہ جمعہ کے لئے سلطان کی اجازت ضروری ہے، ورنہ نماز ظہر پڑھی جائے گی؛ اس لئے احتیاطا چار رکعت نماز ظہر ادا کیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں وضاحت کریں۔ (ابو منصور قریشی، نا پیلی)

جواب:- یہ کہنا درست نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نماز جمعہ کے ساتھ چار رکعت نہیں پڑھی جاتی تھی؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جب کوئی شخص جمعہ کی نماز پڑھے تو نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھ لیا کرے: "إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعا" (۱)— حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں خود رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد ایک ہی سلام سے چار چار رکعت پڑھا کرتے تھے:

---

(۱) مسلم، باب الصلاۃ بعد الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۸۱

یرکع قبل الجمعة أربعا وبعدها أربعة لا یفصل

بینهن " (۱)

یہ بھی کہنا درست نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو صحابہ رضی اللہ عنہم باطل سمجھتے تھے؛ کیوں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح ہوجانے کے بعد تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اتفاق ہوگیا تھا؛ اس لئے یہ کہنا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی امارت کو برحق نہ سمجھنے کی وجہ سے احتیاطاً نماز ظہر ادا کرتے تھے، زیادتی پر مبنی ہے اور خلاف واقعہ بات ہے۔

جمعہ کے بعد کی سنت کا ثبوت

سوال:- میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ جمعہ کے بعد کوئی سنت نہیں ہے، بعض صحابہ نے نماز جمعہ کے بعد چار رکعت ضرور پڑھی ہے، لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت معاویہ کی امارت کو درست نہیں سمجھتے تھے اور جمعہ امیر یا اس کے نائب کی اقتداء میں ادا کیا جاتا ہے؛ اس لئے وہ جماعت سے جمعہ پڑھنے کے بعد بطور احتیاط کے چار رکعت ظہر کی نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے، یہ بات کہاں تک درست ہے؟ (محمد عبدالرحیم، ناچپلی)

جواب:- یہ کہنا بالکل غلط ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خود حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرلی اور ان کے ہاتھوں پر بیعت فرمائی، پھر تمام لوگوں کا ان کی امامت پر اتفاق ہوگیا، ان بیعت کرنے والوں میں تقریباً تمام صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے، اس کے باوجود ان کی امارت کے درست نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختلف مہمات میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی رضامندی اور خواہش سے شریک جہاد ہوئے، تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ جہاد میں تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت کو قبول کریں اور نماز میں قبول

---

(۱) مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی کبیر، باب فی سنة الجمعة ۲/۱۹۵

نہیں کریں، اس لئے یہ کہنا کہ صحابہ ﷺ حضرت معاویہ ﷺ کی امامت کو درست نہیں مانتے تھے، قطعاً غلط ہے۔

اس کے علاوہ جمعہ کے بعد کی سنت خود رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو جمعہ پڑھ چکا ہو اسے چاہئے کہ اس کے بعد مزید چار رکعت پڑھ لے: " إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعا " (۱) خود رسول اللہ ﷺ سے بھی جمعہ کے بعد دو رکعت اور پھر چار رکعت پڑھنا منقول ہے، (۲) امام ترمذیؒ نے حضرت علیؓ سے بھی نقل کیا ہے کہ جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت اور اس کے بعد چار رکعت پڑھنا چاہئے، (۳) غرض کہ خود رسول اللہ ﷺ سے اور حضرت علیؓ سے جمعہ کے بعد کی سنتیں ثابت ہیں۔

امام اور خطیب الگ الگ ہوں

سوال:- ہمیں ایک مسجد میں نماز جمعہ کا اتفاق ہوا، ایک شخص نے خطبہ دیا اور دوسرے نے نماز پڑھائی، کیا اس طرح دو الگ الگ آدمیوں کا خطبہ دینا اور نماز پڑھانا درست ہے؟

(امتیاز احمد، ناندیڑ)

جواب:- بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی شخص خطبہ بھی دے اور نماز بھی پڑھائے! البتہ دو الگ الگ افراد اگر خطبہ دے اور نماز پڑھائیں تو یہ بھی درست ہے۔

" لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب لأن الجمعة مع الخطبة كشيء واحد ، فلا ينبغي أن يقيمها اثنان وإن فعل ، جاز " (۴)

---

(۱) مسلم ، عن أبي هريرة ﷺ، باب الصلاة بعد الجمعة ، حدیث نمبر: ۲۰۳۶

(۲) سنن أبي داؤد ، عن ابن عمر ﷺ، حدیث نمبر: ۱۱۳۰

(۳) ترمذي ، باب في الصلاة قبل الجمعة وبعدها

(۴) رد المحتار: ۳/۱۱، نیز دیکھئے: هنديه ۱/۱۴۷

البتہ یہ ضروری ہے کہ نماز پڑھانے والے نے خطبہ یا اس کا کچھ حصہ سنا ہو، ورنہ اس کا نماز پڑھانا درست نہیں ہوگا۔

"الإمام إذا خطب فأمر من لم يشهد الخطبة أن يجمع بهم فأمر ذلك الرجل من شهد الخطبة فجمع بهم جاز ؛ لأن الذي لم يشهد الخطبة من أهل الصلاة فصح التفويض إليه لكنه عجز لفقد شرط الصلاة ، وهو سماع الخطبة ، فملك التفويض إلى الغير ولو جمع هو ولم يأمر لغيره لا يجوز " (۱)

جمعہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جائے؟

سوال:- جمعہ کی نماز میں امام صاحب نے مکمل طور پر سورہ فاتحہ چھوڑ دی اور سجدہ سہو کر کے نماز ختم کر دی، تو کیا نماز جمعہ ہو جائے گی، جب کہ مسجد مصلیوں سے بھری ہوئی تھی؟ (ساجد خان، بھینسہ)

جواب:- نماز میں مطلقاً قراءت فرض اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، پس اگر امام سورہ فاتحہ پڑھنا بھول گیا تو ترک واجب کی نوبت آئی، اور اس کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، اگر مسجد میں مصلی زیادہ تھے تو سجدہ سہو کرنا ضروری نہیں تھا؛ لیکن کر لیا تو کچھ حرج نہیں؛ کیونکہ اصل میں تو سجدہ سہو واجب ہوتا ہی ہے، اژدحام کے وقت لوگ غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں؛ اس لئے بطور رعایت سجدہ سہو نہ کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے، اگر کر لیا جائے اور کوئی افراتفری نہ پیدا ہو تو یہ صورت زیادہ بہتر ہے۔

جمعہ وعیدین میں لقمہ

سوال:- کیا عیدین یا جمعہ کی نماز میں لقمہ دیا جا سکتا ہے؟

(۱) البحر الرائق: ۲/۱۴۵

اگر لقمہ دیا جائے اور امام لقمہ قبول کر لے لیکن سجدہ سہو نہیں کرے تو کیا نماز ہو جائے گی؟ بعض افراد کہتے ہیں کہ نہ لقمہ دیا جا سکتا ہے اور نہ سجدہ سہو کیا جا سکتا ہے۔　　(ساجد خان، بھینسہ)

جواب:- لقمہ کے سلسلہ میں جو حکم عام نمازوں کا ہے، وہی جمعہ و عیدین کا بھی ہے کہ مقتدی کا لقمہ قبول کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی اور نہ اس کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوگا:

"وإن فتح على إمامه لم تفسد الخ" (۱)

البتہ اگر امام کوئی ایسا عمل کرے جس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہو اور نمازیوں کی تعداد زیادہ ہو، تو جمعہ اور عیدین میں سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ اس سے لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔

آپریشن کی وجہ سے نماز جمعہ کا فوت ہونا

سوال:- میں ڈاکٹر ہوں، مجھے بعض دفعہ جمعہ کے دن آپریشن کرنا پڑتا ہے، آپریشن شروع ہونے کے بعد جمعہ کی اذان اور نماز شروع ہوتی ہے، اگر میں نماز کے لئے جاؤں تو مریض کو سخت نقصان ہو سکتا ہے اور نہ جاؤں تو جمعہ کی نماز چھوٹ جاتی ہے، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (ڈاکٹر سراج الحسن مہدی، پٹنہ)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ نماز اور بالخصوص نماز جمعہ کی بڑی اہمیت ہے، لیکن اس کا بدل موجود ہے، اگر نماز وقت پر نہ ادا کر سکے تو قضا کر سکتا ہے، اسی طرح نماز جمعہ چھوٹ جائے تو ظہر کی نماز ادا کی جا سکتی ہے، لیکن اگر انسان کو ہلاکت سے نہیں بچایا گیا اور اس کی جان چلی گئی تو اس کی تلافی ممکن نہیں اور جہاں تک ممکن ہو انسانی جان کا بچانا بھی ایک انسانی اور اسلامی فریضہ ہے؛ اس لئے ایسے مواقع پر اس دوسرے فریضہ کو مقدم رکھا گیا ہے، فقہاء نے

---

(۱) ہندیہ ۱/۹۹

لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے کنویں میں گر جانے یا آگ میں جل جانے کا اندیشہ ہو اور کوئی شخص وہیں نماز میں مصروف ہو تو اپنی نماز کو توڑ کر اس شخص کو بچانا واجب ہے؛ لہٰذا اگر جمعہ کے وقت ہی آپریشن کرنا پڑے، مؤخر کرنے کی گنجائش نہ ہو تو آپریشن پورا کرنے کے لئے جمعہ ترک کیا جا سکتا ہے؛ اس لئے کہ آپریشن کو درمیان میں چھوڑ دینا مریض کے لئے جان لیوا اور مہلک بھی ہو سکتا ہے۔

✿✿✿✿✿

نماز عیدین کا بیان

لیلۃ الجائزہ میں دعاء کے لئے اجتماع

سوال:- ہمارے یہاں ایک مسجد کے امام صاحب نے کچھ برسوں سے یہ سلسلہ شروع کیا ہے کہ رمضان المبارک کی اخیر رات یعنی لیلۃ الجائزہ میں رات کے تقریباً ایک بجے مصلیان مسجد کو اعلان کر کے بلاتے ہیں، اور اجتماعی دعا کا اہتمام کرتے ہیں، اب یہ سلسلہ دوسری مسجدوں میں بھی شروع ہو چکا ہے، کیا یہ عمل سنت سے ثابت ہے؟ (قاضی اظہر الدین، ناندیڑ)

جواب:- عید الفطر کی شب کو حدیث میں لیلۃ الجائزہ کا نام دیا گیا ہے، یعنی وہ رات جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی خوشنودی اور ان کے اعمال کی قبولیت کا انعام عطا فرماتے ہیں، یہ بھی ان راتوں میں ہے، جن میں خاص طور پر دعائیں قبول کی جاتی ہیں؛ لیکن اس موقع پر رسول اللہ ﷺ یا صحابہ ؓ سے اجتماعی طور پر دعاء کرنا ثابت نہیں ہے اور نہ دعاء کے لئے خاص طور پر مسجد میں جمع ہونا ثابت ہے، اگر اس رات کی دعاء مسجد میں مطلوب ہوتی تو اعتکاف کو اس رات تک باقی رکھا جاتا، جیسا کہ شب قدر کے اہتمام کے لئے عید کا چاند طلوع ہونے تک اعتکاف باقی رہتا ہے؛ لیکن شریعت میں ایسا حکم نہیں دیا گیا؛ اس لئے لیلۃ الجائزہ میں خصوصیت سے لوگوں کو مسجد میں جمع کرنا اور اجتماعی دعا کرنا سنت سے ثابت نہیں؛ اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور انفرادی طور پر دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

عیدین کی شب میں عبادت

سوال:- کیا عیدین کی شب میں بھی عبادت کا خصوصی حکم ہے، اور اس کے لئے اجر ہے؟ (احمد عبدالرؤف، مہدی پٹنم)

جواب:- جن راتوں کی خاص طور پر فضیلت بیان کی گئی ہے، ان میں عیدین کی راتیں بھی ہیں، ان کو بعض حدیثوں میں ''لیلۃ الجائزۃ'' یعنی انعام کی رات کہا گیا ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" من قام ليلتي العيدين محتسبا لله تعالى لم يمت قلبه يوم تموت القلوب " (۱)

'' جو شخص اخلاص کے ساتھ عیدین کی راتیں عبادت میں گذارے تو اس کا قلب اس دن زندہ رہے گا، جب سب لوگوں کے دل مرجائیں گے''

اس لئے اس رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دعاؤں میں گذارنا چاہئے، نہ کہ بازاروں میں گھومنے، مارکٹنگ کرنے اور مختلف کھانوں کا ذائقہ لینے میں۔ وباللہ التوفیق

نماز عید کے لئے جاتے ہوئے تکبیر تشریق زور سے کہی جائے یا آہستہ؟

سوال:- نماز عید کے لئے جاتے ہوئے تکبیر تشریق کہنا چاہئے؛ لیکن ان کو زور سے کہنا مسنون ہے یا آہستہ؟

(عبید اللہ قاسمی، ٹولی چوکی)

جواب:- تکبیر تشریق یوں تو عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں نماز عید کو جاتے

---

(۱) ابن ماجه ، كتاب الصيام ، باب فيمن قام في ليلتي العيدين ، حدیث نمبر: ۱۷۸۲

ہوئے پڑھنا مسنون ہے؛ لیکن عید الاضحیٰ میں اس کی اہمیت زیادہ ہے؛ کیوں کہ ایام قربانی ایام تشریق میں شامل ہے اور ایام تشریق میں زیادہ سے زیادہ تکبیر کہنا مستحب ہے، اس بنیاد پر، نیز رسول اللہ ﷺ کے عمل کو دیکھتے ہوئے فقہاء نے عیدین میں تھوڑا سا فرق کیا ہے کہ عید الاضحیٰ میں عیدگاہ یا مسجد جاتے ہوئے کسی قدر بلند آواز میں تکبیر کہی جائے اور عیدگاہ پہونچ کر تکبیر بند کر دی جائے، جب کہ عید الفطر میں آہستہ زیر لب تکبیر کہنا مستحب ہے:

"ويكبر في الطريق في الأضحى جهراً ويقطعه إذا انتهى إلى المصلى ، وهو المأخوذ به وفي الفطر المختار من مذهبه أنه لا يجهر وهو المأخوذ به ، كذا في الغياثية ، وأما سراً فمستحب كذا في الجوهرة النيرة" (۱)

عید کی نماز واجب ہے یا سنت؟

سوال:- عید کی نماز سنت ہے یا واجب؟ کیوں کہ بعض لوگوں سے سنتے ہیں کہ یہ واجب ہے اور بعض لوگ اسے سنت قرار دیتے ہیں، براہ کرم وضاحت کیجئے۔ (امتیاز احمد مظاہری، ممبئی)

جواب:- فقہاء کے یہاں بھی اس سلسلہ میں اختلاف رائے ہے، بعض حضرات نے اسے واجب قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے سنت؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ عید کی نماز مسنون ہے، کیوں کہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب "الجامع الصغیر" میں اسے سنت قرار دیا ہے اور امام محمدؒ کی یہ تالیف ان کے اخیر زمانہ کی ہے؛ لیکن سنت سے مراد سنت مؤکدہ ہے اور بلا عذر سنت مؤکدہ کا چھوڑنا بھی گناہ کا باعث ہے، مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے اس سلسلہ میں اپنی تحقیق کو تفصیل سے ذکر کیا ہے:

---

(۱) الهندية : ۱/۱۵۰

"وثانيهما أنه صرح بالسنة .... وقد ذكرنا مرارا أنها بمنزلة الواجب عندنا ، ولهذا كان الأصح أنه يأثم بترك المؤكدة كالواجب " (۱)

غرض کہ اگرچہ فقہاء کے درمیان تعبیر کے اعتبار سے کسی قدر فرق ہے ، لیکن کوئی جوہری اختلاف نہیں ؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال پابندی کے ساتھ عید کی نماز پڑھی ہے اور بلا عذر نماز عید کا چھوڑ دینا سبھوں کے یہاں باعث گناہ ہے ؛ اس لئے ان دونوں آراء میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے ۔

عیدگاہ میں صفوں میں فاصلہ کے ساتھ نماز کی ادائے گی

سوال :- اگر عید کی نماز عیدگاہ میں ہو رہی ہو اور صفوں کے درمیان بیچ میں کئی صفوں کا فصل ہو ، تو کیا پیچھے کی صف میں کھڑے ہونے والوں کی نماز درست ہو جائے گی ؟

(شفیع احمد ، ملک پیٹ)

جواب :- جو جگہ نماز عیدین یا نماز جنازہ کے لئے مخصوص کر دی گئی ہو ، وہ بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے اور جیسے مسجدوں میں فصل کے باوجود اقتداء درست ہو جاتی ہے ، اسی طرح ان مقامات پر بھی صفوں کے فصل کے ساتھ نماز درست ہو جائے گی ، البتہ یہ جگہیں دوسرے احکام جیسے جنبی کے داخل ہونے کی ممانعت وغیرہ کے لحاظ سے مسجد کے حکم میں نہیں ہیں :

" وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الإقتداء و إن انفصل الصفوف رفقا بالناس لا في حق غيره " (۲)

---

(۱) البحر الرائق : ۲/۲۷۷

(۲) در مختار مع الرد : ۲/۴۳۰

اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں نماز درست ہو جاتی ہے۔

عیدگاہ میں نماز اور اس میں تاخیر

سوال:- ہمارے شہر کی عیدگاہ میں نماز عید دس بجے یا اس کے بعد ادا کی جاتی ہے، اور خطبوں کے بعد تقریباً آدھا گھنٹہ دعاء ہوتی ہے، گھر لوٹنے تک بارہ بج جاتے ہیں، جو لوگ قربانی ادا کرنے والے ہوتے ہیں، وہ مسجدوں میں عید کی نماز ادا کر لیتے ہیں، اور جلد قربانی میں مشغول ہو جاتے ہیں: (الف) کیا اس طرح مسجدوں میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے یا ممنوع ہے؟ (ب) ایک مسجد میں پندرہ سال سے نماز عید الاضحیٰ طلوع آفتاب کے آدھا گھنٹہ بعد ادا کی جاتی ہے، کیا اس کی گنجائش ہے یا اس کو ختم کرنا ضروری ہے؟ (عبدالبصیر، سنتوش نگر)

جواب:- (الف) رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، (۱) اس سے معلوم ہوا کہ نماز عید آبادی سے باہر صحرا اور میدان میں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے افضل ہے:

"واستدل به على استحباب الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد" (۲)

فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگر مسجد اتنی کشادہ ہو کہ تمام لوگ اس میں نماز ادا کر سکتے ہوں، تب بھی عیدگاہ جا کر نماز ادا کرنا ہی بہتر ہے:

"..... وإن وسعهم المسجد عند عامة المشايخ

(۱) بخاری شریف، باب الخروج إلى المصلى، حدیث نمبر: ۹۵۶

(۲) فتح الباری: ۲/۵۲۷

وهو الصحيح" (۱)

لیکن یہ حکم بطور استحباب کے ہے، مسجدوں میں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، خاص کر موجودہ حالات میں جب کہ عیدگاہ تمام لوگوں کے لئے کفایت نہیں کرتی ہو۔

(ب) جہاں تک نماز کے وقت کی بات ہے، تو طلوع آفتاب کے بعد جلد جلد نماز ادا کرلینا بہتر ہے، اس لئے اگر کسی مسجد میں طلوع آفتاب کے بعد دو تین گھنٹے میں نماز ادا کی جاتی ہے تو اس میں حرج نہیں؛ بلکہ یہ افضل طریقہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک نماز عید الفطر اس وقت ادا کرنے کا تھا، جب سورج دو نیزہ اوپر چڑھ جاتا، اور نماز عید الاضحیٰ اس وقت ادا فرماتے جب سورج ایک نیزہ اوپر چڑھتا (۲) مگر شہر کی بڑی عیدگاہوں میں انتظامی دشواریوں کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں، اور نماز عید زوال آفتاب سے پہلے تک ادا کی جاسکتی ہے؛ اس لئے اگر عیدگاہ کی نماز میں کسی قدر تاخیر ہو، تو حرج نہیں ہے، البتہ منتظمین کو کوشش کرنی چاہئے کہ خاص کر بقرعید کی نماز میں جس قدر عجلت کی جاسکتی ہو، کریں۔

اگر عید میں تکبیرات زوائد چھوٹ جائیں؟

سوال:- نماز عید میں امام صاحب نے زائد تکبیرات کہے بغیر قراءت شروع کرکے پہلی رکعت پوری کرلی، اسی دوران شاید یاد آگیا تھا تو دوسری رکعت کی قراءت سے پہلے تین چھوٹی ہوئی تکبیرات کہہ کر قراءت شروع کی، اور ختم سورہ کے بعد پھر تین تکبیرات کہہ کر نماز پوری کی، شرعی لحاظ سے نماز ہوئی یا نہیں؟

(شمیم احمد، منگار پیٹی)

جواب:- اس صورت میں نماز ہوگئی، تاہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر قراءت سے پہلے

---

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۳۴۹

(۲) دیکھئے: تلخيص الحبير: ۲/ ۹۱

تکبیرات زوائد کو بھول جائے اور رکوع سے پہلے یاد آجائے تو پہلی رکعت کے رکوع میں جانے سے پہلے پڑھ لے، اگر رکوع میں چلا گیا ہو، پھر یاد آیا تو اب اسے کیا کرنا چاہئے؟ اس سلسلے میں دو رائیں ہیں:

ایک یہ کہ رکوع ہی میں ان زائد تکبیرات کو کہہ لے اور دوسری یہ کہ ان تکبیرات کو کہنے کی ضرورت نہیں رہی، یوں ہی نماز پوری کرلی جائے۔(۱) پہلا قول راجح ہے: کیوں کہ تکبیرات زوائد واجب ہیں، اور تسبیحات مسنون ہیں، اور مسنون کے مقابلہ میں واجب کی ادائیگی مقدم ہے۔(۲)

پہلی رکعت کے رکوع کے بعد اب زائد تکبیرات کو نہ لوٹائے، عیدین میں تکبیرات زوائد واجب ہیں: اس لئے اصولی بات تو یہ ہے کہ ان تکبیرات کے چھوٹ جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو؛ لیکن عیدین اور جمعہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے سجدۂ سہو معاف ہے، اس کے بغیر بھی نماز ہوجاتی ہے:

"السهو في الجمعة و العيدين و المكتوبة و التطوع واجب إلا أن مشائخنا قالوا: لايسجد للسهو في العيدين والجمعة لئلا يقع الناس في فتنة" (۳)

تکبیرات زوائد کے درمیان وقفہ

سوال:- عید کی نماز میں جو چھ تکبیرات زوائد کہی جاتی ہیں، ان کے درمیان خاموش رہنا ہے، یا کچھ تسبیحات وغیرہ پڑھنا بھی ہے؟ نیز ان تکبیرات کے درمیان کتنا وقفہ کرنا چاہئے؟

(انور خاں، بیگم بازار)

---

(۱) فتاوی هندیه :۱/۱۵۱، رد المحتار :۳/۵۷

(۲) دیکھئے: بدائع الصنائع :۱/۶۲۲ (۳) فتاوی هندیه :۱/۱۲۸

جواب:- تکبیرات زوائد کے درمیان کوئی ذکر منقول نہیں ہے، اسی لئے ہاتھ باندھنے کے بجائے ہاتھ چھوڑنے کا حکم ہے، کھڑے ہونے کی حالت میں جب کوئی ذکر منقول ہوتا ہے، اس وقت ہاتھ باندھا جاتا ہے، ہر دو تکبیر کے درمیان تین تسبیح کے بقدر وقفہ دینا مستحب ہے، تا کہ لوگوں کو اشتباہ نہ ہو جائے، لیکن اتنا ہی وقفہ ضروری نہیں، اگر لوگ کم ہوں، اور اشتباہ کا اندیشہ نہیں ہو تو اس سے کم وقفہ بھی رکھا جا سکتا ہے، اور اژدحام زیادہ ہو، لوگوں کے اشتباہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو تو وقفہ بڑھایا بھی جا سکتا ہے :

" وليس بين تكبيراته ذكر مسنون (ولذا يرسل يديه)

ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات ...

أن هذا التقدير ليس بلازم بل يختلف بكثرة الزحام

وقلته ؛ لأن المقصود إزالة الإشتباه " (۱)

تکبیر تشریق ایک بار یا اس سے زیادہ؟

سوال:- ایام تشریق میں تکبیرات ہر فرض نماز کے بعد ایک بار پڑھی جاتی ہے، بعض لوگ ہمارے یہاں ایک بار پڑھنے کو خلاف سنت کہتے ہیں، اس سلسلہ میں صحیح حکم کی رہنمائی فرمایئے ۔

(محمد نعیم الدین فاروقی ورنگل، ملک تل روڈ)

جواب:- ہر فرض نماز کے فوراً بعد ایک بار تکبیر تشریق کہنا واجب ہے :

" ويجب تكبير التشريق في الأصح للأمر به مرة " (۲)

ایک سے زیادہ دفعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے ایک دفعہ سے زیادہ دو یا تین مرتبہ کو مستحب کہا ہے : " وإن زاد عليها يكون فضلا " (۳) اور بعض نے ایک سے زیادہ دفعہ کو سنت کے خلاف قرار دیا ہے :

---

(۱) رد المحتار : ۳/ ۵۲

(۲) در مختار مع الرد : ۳/ ۶۱ (۳) حوالہ سابق

إن الحموي نقل عن القراحصاري أن الإتيان به مرتين خلاف السنة (۱)

بعض حضرات نے گرچہ تین دفعہ کہنے کو بہتر قرار دیا ہے، (۲) اور علامہ رافعیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ نمازوں کے بعد تین بار تکبیر کہتے تھے، (۳) لیکن احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے ایک سے زیادہ تکبیر تشریق کہنا یا آپ ﷺ کے سامنے کہا جانا ثابت نہیں ہے، اس حاصل یہ ہے کہ ایک بار تکبیر تشریق کہنے پر سبھوں کا اتفاق ہے اور ایک سے زیادہ دفعہ کہنے کے بارے میں اختلاف ہے، اس لئے ایک ہی دفعہ پر اکتفا کرنا بہتر ہے، تاہم اگر کوئی ایک سے زیادہ دفعہ تکبیر کہنا چاہے تو اس کی وجہ سے اختلاف نہ کریں، کیوں کہ سلف سے دونوں طرح کی آراء منقول ہیں، اور امت کی اجتماعیت کو باقی رکھنا ایسے مسائل میں الجھنے سے زیادہ اہم ہے۔

تکبیر تشریق کتنی بار پڑھی جائے؟

سوال:- تکبیر تشریق ہر نماز کے بعد بموقع عید الاضحیٰ کتنی بار پڑھنی چاہئے، ایک بار یا تین بار؟

(محمد نعیم احمد بن فاروقی مرتقی، ناندیڑ)

جواب:- ایام تشریق میں ہر نماز کے بعد ایک بار تو تکبیر تشریق کہنا واجب ہے، اس سے زیادہ دفعہ کہنے کا کیا حکم ہے؟ بعض علماء درست کہتے ہیں اور بعض بدعت اور خلاف سنت قرار دیتے ہیں؛ اس لئے مشہور قول یہی ہے کہ ایک بار تکبیر تشریق کہنی چاہئے؛ کیوں کہ حدیث میں ایک بار یا مطلق تکبیر تشریق کہنے کا ذکر آیا ہے اور جب کسی کام کو کرنے کا مطلق حکم دیا جائے تو اس سے ایک ہی بار کرنا مراد ہوتا ہے:

"ویجب تکبیر التشریق مرة، ویجوز لو اجب لکن

---

(۱) رد المحتار ۳/۹۲ (۲) رد المحتار ۳/۹۲

(۳) تقریرات الرافعی مع رد المحتار ۱۱۶

ذکر أبو السعود أن الحموي نقل أن الإتيان به مرتين خلاف السنة ، قلت : وفي الأحكام عن البرجندي ثم المشهور عن قول علمائنا أنه يكبر مرة وقيل ثلاث مرات " (۱)

تکبیرات تشریق - کچھ اہم مسائل

سوال:- تکبیر تشریق کس تاریخ سے کس تاریخ تک کہی جانی چاہئے ؟ کیا نماز عید کے بعد بھی تکبیرات تشریق کہی جائے گی ؟ تکبیر سلام کے بعد ہی کہی ہے یا دعاء کے بعد بھی کہی جاسکتی ہے؟ اور تکبیر ایک بار کہی چاہئے یا تین بار ؛ کیوں کہ بعض مسجدوں میں ایک بار کہی جاتی ہے اور بعض میں تین بار؟

(حامد شریف ، احمد غیب ، محمد فرقان ، نظام آباد)

جواب:- (الف) تکبیر تشریق ۹؍ ذوالحجہ کو نماز فجر سے لے کر ۱۳؍ ذوالحجہ کی نماز عصر تک کہنا مسنون ہے :

" وأما وقته فأوله عقيب صلاة الفجر من يوم عرفة وآخره في قول أبي يوسف ومحمد عقيب صلاة العصر من آخر أيام التشريق "

(ب) تکبیر تشریق امام کے سلام پھیرنے کے ساتھ ہی کہنی چاہئے ، دعاء بعد میں کرنی چاہئے ، یہاں تک کہ اگر سلام کے بعد کسی نے گفتگو کر لی تو اب تکبیر تشریق کہنے کا موقع ختم ہوگیا :

" وينبغي أن يكبر متصلا بالسلام حتى لو تكلم أو أحدث متعمدا سقط "

---

(۱) شامی : ۳؍۶۲

(۰) حدیث میں نمازوں کے بعد ایک ہی بار تکبیر تشریق کہنے کا ذکر آیا ہے، اس لئے ایک ہی بار کہنے پر اکتفاء کرنا سنت کے موافق ہے، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے:

"وأما عدده و ماهيته فهو أن يقول مرة واحدة : الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله ، والله أكبر الله أكبر ولله الحمد" (۱)

تکبیر تشریق - ضروری احکام

سوال:- تکبیر تشریق کب سے کب تک کہی جائے گی اور جو شخص بعد میں نماز میں شریک ہو، اس کے لئے تکبیر کہنے کا کیا حکم ہے؟ (عبدالحمید، ورنگل)

جواب:- یوم عرفہ یعنی ۹/ ذی الحجہ کی فجر سے تکبیر شروع ہوگی اور ۱۳/ تاریخ کی عصر تک صاحبین کے قول کے مطابق تکبیر تشریق کہی جائے گی، اسی پر فتویٰ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے پر تکبیر واجب ہے، بشرطیکہ امام مقیم ہو، اور ایسی جگہ ہو جہاں جمعہ اور عیدین کی نمازیں واجب ہوتی ہیں، صاحبینؒ کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھے یا تنہا، مقیم ہو یا مسافر، اور مرد ہو یا عورت، سبھوں پر تکبیر تشریق کہنا واجب ہے؛ کیوں کہ تکبیر نماز کے تابع ہے، لہٰذا جن لوگوں پر نماز فرض ہے، ان پر تکبیر واجب ہوگی:

"وقال بوجوبه فور كل فرض مطلقا و لو منفردا أو مسافرا او امرأة لانه تبع المكتوبة فى عصر اليوم الخامس آخر أيام التشريق و عليه الاعتماد و العمل و الفتوى الخ" (۲)

---

(۱) الفتاوى الهندية :۱/۱۵۲

(۲) در مختار :۳/۷۲

جس شخص کی بعض رکعتیں چھوٹ گئی ہوں، یعنی مسبوق اپنی فوت شدہ رکعتوں کو پورا کرنے کے بعد اسے بھی تکبیر کہنا ضروری ہے، اسے امام کے ساتھ تکبیر نہیں کہنی چاہئے؛ لیکن اگر امام کے ساتھ تکبیر تشریق کہہ لیا، تب بھی نماز فاسد نہیں ہوگی:

" والمسبوق يكبر وجوبا كاللاحق لكن عقب القضاء لما فاته ولو كبر مع الامام لا تفسد " (۱)

عیدین میں شافعی امام کی اقتداء

سوال:- میرے علاقہ سے قریب عیدین کی سب سے بڑی جماعت بارکس کی جامع مسجد میں ہوتی ہے؛ اس لئے ہم لوگوں کی خواہش ہے کہ وہاں نماز ادا کریں؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم لوگ حنفی ہیں اور یہاں زیادہ تر شوافع کی آبادی ہے؛ اس لئے شافعی طریقہ پر نماز ہوتی ہے اور تکبیرات زوائد گیارہ دفعہ کہی جاتی ہے، کیا ہم ان کے پیچھے نماز عید پڑھ سکتے ہیں؟ اور اگر پڑھ سکتے ہیں تو چھ سے زائد تکبیروں میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، کیا ہم خاموش کھڑے رہیں؟ (محمد نقیب، چندرائن گٹہ)

جواب:- عیدین ایسی مسجد یا عیدگاہ میں ادا کرنا بہتر ہے، جس میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کی شرکت ہو؛ کیوں کہ ان نمازوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ امت کی اجتماعیت کا اظہار بھی ہے، اور احناف، شوافع یا مختلف مکاتب فکر کے درمیان جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے، وہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت ہو، مختلف فقہاء نے رسول اللہ ﷺ کی مختلف سنتوں کو لیا ہے، اور سب کا مقصود سنت نبوی کی اتباع ہے؛ چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ احناف کے لئے شافعی امام کی اقتداء میں نماز عیدین ادا

(۱) در مختار مع الرد: ۳؍ ۶۵

کرنا درست ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک چھ کی بجائے گیارہ تکبیرات زوائد کہی جاتی ہیں، ان تمام تکبیرات میں امام کے ساتھ تکبیر کہنا چاہئے:

"... ولو زاد تابعه إلی ستة عشر ؛ لأنه مأثور" (۱)

خواتین اور نماز عید

سوال:- آج کل علماء عورتوں کو مسجدوں اور عیدگاہوں میں عید کی نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں؛ حالاں کہ رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو عیدگاہ میں آنے کی ترغیب دی ہے، اور اب بھی خواتین حرمین شریفین میں عید کی نمازیں ادا کرتی ہیں، کیا عورتیں نماز عید مسجدوں اور عیدگاہوں میں ادا نہیں کرسکتی ہیں اور عیدگاہ نہیں جاسکتیں، تو گھر میں پڑھ سکتی ہیں، عید سے متعلق دوسرے افعال ان سے متعلق ہوں گے یا نہیں؟ (سیدہ بیگم، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صلاح کا غلبہ تھا، لوگ عام طور پر فسق و فجور سے دور تھے، جب نماز کا وقت ہوتا، تمام مرد مسجدوں کو چلے جاتے تھے؛ اس لئے فتنہ کا اندیشہ بہت کم تھا، وحی کا سلسلہ جاری تھا اور ان مواقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جونئی ہدایات آپ ﷺ پر اترتی تھیں، آپ ﷺ انہیں بیان فرماتے تھے، اس کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ مردوں کے ذریعہ مردوں تک اور خواتین کے ذریعہ خواتین تک دین کی باتیں پہنچ جائیں، لیکن اس پر تمام اہل علم متفق ہیں کہ عورتوں کے لئے جمعہ، جماعت اور عیدین واجب نہیں ہیں، اور موجودہ دور میں فسق و فجور کی کثرت کی وجہ سے فتنہ کا اندیشہ محض ایک واہمہ نہیں؛ بلکہ واقعہ ہے، اور جن بڑے مذہبی اور غیر مذہبی اجتماعات میں عورتوں کی شرکت ہوتی ہے، وہاں بعض اوقات ناشائستہ واقعات پیش آجاتے ہیں، پھر عیدین اور جمعہ میں شرکت خواتین کے لئے زیادہ سے

(۱) در مختار مع الرد: ۵۴/۳

زیادہ مستحب ہوگی، اور فتنہ کے مواقع سے اپنے آپ کو بچانا واجب کے درجہ میں ہے، اس لئے فقہاءِ شریعت نے فتنہ کو سامنے رکھتے ہوئے عورتوں کی عیدین وغیرہ میں شرکت کو ناپسند کیا ہے، ہاں، اگر کہیں پوری طرح امن اور اطمینان کی جگہ ہو، جیسے حرمین شریفین، اور وہاں خواتین نمازِ عید ادا کرلیں تو اس کی گنجائش ہے اور نماز ہو جائے گی، کیوں کہ اصل مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے، فتنہ سے بچانا ہے۔

البتہ خواتین گھر میں نفل کی نیت سے نمازِ اشراق یا مطلق نفل دو چار رکعت پڑھ سکتی ہیں، عید کے دن سے متعلق دوسرے احکام جیسے غسل کرنا، اچھے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، بقرعید میں قربانی کے گوشت سے کھانے کا آغاز کرنا وغیرہ، یہ احکام جس طرح مردوں کے لئے ہیں، خواتین کے لئے بھی ہیں، کیوں کہ یہ افعال صرف نماز کے لئے نہیں ہیں، خوشی و مسرت کے اظہار کے لئے بھی ہیں۔

دعاء، نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد؟

سوال:- عیدین کی نماز کے بعد دعا مسنون ہے یا خطبہ کے بعد؟ (محمد نعیم الدین فاروقی، رفقا، [illegible])

جواب:- احادیث میں نمازوں کے بعد دعاء کا ذکر آیا ہے، لگتا ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کے بعد اجتماعی دعا بھی فرمائی ہے، لیکن خطبہ ختم ہو جانے کے بعد الگ سے دعا کا ذکر نہیں ملتا، اس کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ خود خطبہ میں بھی دعاء شامل ہوتی ہے، اس لئے نماز کے بعد دعا پر اکتفا کرنا چاہئے، واللہ اعلم۔

شیرخرما کھانے کی اصل

سوال:- عید کے دن عام طور پر شیرخرما کھایا جاتا ہے، اور کھلایا بھی جاتا ہے، اس کی کیا بنیاد ہے؟ کیا میٹھی چیز کھانا مسنون ہے؟ (رشید احمد، ملک پیٹ)

جواب:– رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک نقل کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ عید کے دن صبح میں چند کھجوریں کھا کر نماز کے لئے نکلا کرتے تھے، اور یہ کھجوریں بھی طاق عدد میں ہوتی تھیں؛ اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ عید کے دن نماز سے پہلے کچھ کھانا مسنون ہے، اور کھانے میں بھی بہتر ہے کہ کھجوریں کھائے، اگر کھجوریں میسر نہ ہوں تو کوئی میٹھی چیز کھائے، اور جو بھی کھائے طاق عدد میں کھائے۔

"فالظاهر أن التمر أفضل كما اقتضاه هذا الخبر ،

فإن لم يجد يأكل شيئا حلوا "(۱)

خیال ہوتا ہے کہ شیر خرما اسی کی بدلی ہوئی شکل ہے، فارسی زبان میں شیر کے معنی دودھ کے ہیں، اور خرما کے معنی سوکھے کھجور کے ہیں، چوں کہ ہندوستان میں عام طور پر تر کھجور نہیں ملتے تھے، اور سوکھے کھجور کا کھانا مشکل ہوتا ہے؛ اس لئے اسے دودھ میں گھلا کر کھانے کا رواج رہا ہوگا، اور لوگوں نے مزید ذائقہ کے لئے سیوئی کو بھی شامل کر لیا ہوگا، اس طرح شیر خرما وجود میں آیا ہوگا، بہرحال کھجور کا کھانا افضل ہے، اور شیر خرما بھی میٹھا ہوا کرتا ہے؛ اس لئے اس کے کھانے سے بھی ان شاء اللہ یہ سنت ادا ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

---

(۱) رد المحتار: ۳/۴۸

نماز کے اندر و باہر دعائیں

فرض نماز کے بعد دعا

سوال:- فرض نماز کے بعد دعا صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں، اگر ثابت ہے تو بالجہر یا بالسر؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد بالسر دعا کرنے سے نماز ادھوری ہوتی ہے، اسی طرح بعض لوگ مکہ ومدینہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہاں دعا بالجہر ہوتی ہے۔

(محمد ابرار، نلگنڈہ)

جواب:- نماز تو سلام پر مکمل ہوجاتی ہیں، نماز کے بعد دعاء کرنا نہ واجب ولازم ہے اور نہ بدعت ومکروہ، رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد دعاء فرمایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت مغیرہ کی روایت میں ہے کہ آپ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

" لا إلٰه إلّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شَرِيْكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ " (۱)

(۱) بخاری ، باب الذکر بعد الصلاۃ ، حدیث نمبر: ۸۴۴

"اللہ کی تنہا ذات کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، نہ اس کا کوئی شریک ہے، اسی کے لئے کائنات کی بادشاہت ہے، اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! آپ جسے عطا فرمائیں اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے محروم کر دیں اسے کوئی دے نہیں سکتا اور آپ کے مقابلہ کسی کوشش کرنے والی کی کوشش کام نہیں آسکتی"

دعا آپ ﷺ نے جہراً بھی فرمائی، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اگر آپ ﷺ نے زور سے یہ کلمات نہ کہے ہوتے تو صحابہ کیسے سنتے اور اسے نقل کرتے، اسی طرح امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ جب آپ ﷺ سلام پھیرتے تو "اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" کہنے سے زیادہ مقدار نہیں بیٹھتے (۱) ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد آپ ﷺ مختصر دعا فرمایا کرتے تھے، اسی طرح دعا آہستہ کرنا بھی درست ہے؛ بلکہ افضل ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کا ادب ہی یہ بتایا ہے کہ دل میں جھکاؤ اور نیازمندی کا جذبہ ہو اور آواز کے اعتبار سے آہستہ ہو: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ (۲) یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آمین کا آہستہ کہنا افضل ہے؛ کیوں کہ "آمین" بھی دعا ہے، غرض کہ دعا کرنا ثابت ہے، کبھی کبھی چھوڑ دیں تو بہتر ہے؛ تاکہ واجب اور غیر واجب کا فرق باقی رہے، آہستہ کرنا افضل ہے اور زور سے کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

عصر اور فجر کی نماز کے بعد دعا

سوال: ہمارے بعض احباب خاص طور پر فجر اور عصر کی نماز میں امام صاحب کے دعا مکمل کرنے سے پہلے ہی مسجد سے نکل

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، حدیث نمبر: ۱۳۴۳ (۲) الأعراف: ۵۵

جاتے ہیں منع کرنے پر وہ اس سے باز نہیں آرہے ہیں، شرعی نقطہ نظر سے اس کا حکم کیا ہے؟ (شفیع اللہ، مہدی پٹنم)

جواب:- نماز کے بعد جو دعا کی جاتی ہے وہ نماز کا حصہ نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص دعا میں شامل نہ ہو تو برا نہیں سمجھنا چاہئے؛ کیونکہ جو چیز واجب نہ ہو، اس کو واجب کا درجہ دے دینا بدعت ہے؛ البتہ نمازوں کے بعد دعائیں مقبول ہوتی ہیں، یہ حدیث سے ثابت ہے؛ اس لئے ان اوقات میں کوشش کرنی چاہئے کہ دعاؤں کا اہتمام کریں۔

نمازوں کے بعد طویل دعائیں

سوال:- آج کل عام طور پر جمعہ اور دوسری نمازوں کے بعد ائمہ حضرات طویل دعائیں کراتے ہیں، کیا اس طرح سے لمبی دعائیں کرانا حدیث سے ثابت ہے؟ (حافظ ارشاد، ملے پلی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک فرض نمازوں کے بعد مختصر دعا کرنے کا تھا بعض احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ اللھم أنت السلام و منك السلام تبارکت یا ذا الجلال و الإکرام کے بقدر بیٹھا کرتے تھے، خاص کر جن نمازوں کے بعد سنتیں ہوں، ان نمازوں کے بعد تو فقہاء نے اس دعاء سے زیادہ تاخیر کو مکروہ قرار دیا ہے اور اس میں جمعہ کی نماز بھی شامل ہے:

"یکرہ تأخیر السنة إلا بقدر اللھم أنت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال و الإکرام" (۱)

اس لئے ان مواقع پر مختصر دعا کرنی چاہئے۔

نمازوں کے بعد تسبیح

سوال:- میں فرض نماز پڑھنے کے بعد تسبیح فاطمہ یعنی

---

(۱) در مختار: ۲/۲۴۹

"سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر" پڑھا کرتی تھی، ہمارے ابو جان نے یہ کہا کہ یہ تسبیح صرف فجر اور عصر میں پڑھنی چاہئے، مگر ہماری استاذ صاحب نے بتایا کہ ہر فرض کے بعد یہ تسبیح پڑھی جائے، آپ اس مشکل کا حل بتائیں؟ (عائشہ فردوس، ناپر گہ)

جواب:- احادیث میں مطلقاً نمازوں کے بعد تسبیحات پڑھنے کا ذکر آیا ہے، کسی خاص نماز کی تخصیص نہیں ہے(۱) اور یہ بھی درست ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہوں یعنی ظہر، مغرب اور عشاء، ان میں سنت کی ادائیگی میں تاخیر کرنا مکروہ ہے، اس لئے آپ یوں کریں کہ فجر و عصر میں تو فرض کے بعد ہی تسبیحات پڑھیں اور بقیہ نمازوں میں سنتیں ادا کرنے کے بعد ان تسبیحات کو پڑھیں، فقہ حنفی کی معروف کتاب کبیری میں ہے:

"... بل يحمل على الإتيان بها بعد السنة و لا يخرجها تخلل السنة بينها و بين الفريضة عن كونها بعدها و عقيبها" (۲)

"لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين" دعاء ہے

سوال:- ان دنوں بیشتر مساجد میں فرض نمازوں کے بعد دعاؤں میں "لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين" آیت کو پڑھنے کا اہتمام شروع کردیا گیا ہے؛ حالاں کہ معنی کے اعتبار سے یہ دعا نہیں ہے؛ بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کا اقرار ہے، کیا یہ پڑھنا درست ہے؟ (قیس اختر، ممبئی)

جواب:- اگرچہ یہ کلمہ اپنے ظاہری الفاظ کے اعتبار سے اپنے قصور و خطا کا اعتراف ہے، لیکن معنی و مقصود کے اعتبار سے دعا بھی ہے، کہ "اے اللہ! ہم تو گنہگار و خطا

(۱) دیکھئے سنن الترمذي، عن عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہ، حدیث: ۴۱۰

(۲) کبیری: ۳۳۱

کار ہیں تھا لیکن میں آپ کے بندے ہیں اس لئے مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرما دیجئے'' چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام نے بھی اس کلمہ کو بطور دعاء ہی پڑھا تھا: اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ '' وہ مچھلی والے یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے اس کلمہ کو پڑھا تو ہم نے ان کی دعاء قبول کرلی اور ان کو مصیبت سے نجات عطا فرمائی:

﴿فاستجبنا له ونجيناه من الغم وكذلك ننجي المؤمنين﴾ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قرار دیا ہے: چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں تھے تو آپ نے دعا کی ''لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين'': جو کوئی بھی مسلمان کسی بھی چیز کے لئے ان الفاظ میں دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائیں گے '' فإنه لم يدع بها رجل مسلم في شيء قط إلا استجاب الله له'' (۲)، اس لئے بطور دعاء کے بھی اس کلمہ کو پڑھنا مسنون ہے۔

''إني كنت'' کی جگہ ''إنا كنا'' پڑھنا

سوال:- قرآن پاک کی ایک آیت جو ''آیت کریمہ'' کے نام سے مشہور ہے ''لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين'' ہے۔ جو دعاؤں میں اکثر پڑھی جاتی ہے، اس آیت کریمہ کو اجتماعی دعا کے وقت مقامی پیش امام صاحب ''إني كنت'' کے بجائے ''إنا كنا ظالمين'' پڑھتے ہیں اور پوچھنے پر کہتے ہیں کہ یہ جمع کا صیغہ ہے، کیا اس طرح قرآنی آیت کو تھوڑا بدل کر پڑھنا شرعاً جائز ہے؟　　(احمد سعید اطہر، مجھ پال)

---

(۱) الأنبياء: ۸۸　　(۲) ترمذی عن سعید، حدیث نمبر: ۳۵۰۵

جواب:- ایک صورت تو یہ ہے کہ اس آیت کو تلاوت قرآن کی نیت سے پڑھا جائے ، ایسی صورت میں الفاظ میں کوئی تبدیلی کرنا اور " إنا كنا " پڑھنا جائز نہیں ؛ کیوں کہ یہ قرآن مجید میں تحریف کرنے کے مترادف ہوگا ؛ لیکن اگر دعاء کے طور پر پڑھیں اور متعدد لوگ دعاء میں شریک ہوں تو " إني كنت " کے بجائے " إنا كنا " یعنی واحد کے صیغہ کی جگہ جمع کا صیغہ استعمال کرنا جائز ہے ؛ کیوں کہ دعا میں دعا کرنے والا ضرورت کے لحاظ سے تعبیر اختیار کرسکتا ہے ، تاہم بہتر یہی ہے کہ دعاء میں بھی قرآن کے الفاظ جوں کے توں پڑھے جائیں ، جب دوسرے لوگ آمین کہیں گے تو وہ بھی دعاء میں شریک ہو جائیں گے ؛ کیوں کہ قرآن کے اصل الفاظ سے جو برکت حاصل ہوسکتی ہے ، وہ تبدیل شدہ الفاظ میں نہیں مل سکتی ۔

قوت حفظ کے لئے تدبیر

سوال:- میرا حافظہ بہت کمزور ہے ، مجھے کیا پڑھنا چاہئے ؟

(شعیب خان ، نظام آباد)

جواب:- قوت حفظ کے لئے معالج سے رجوع کرنا چاہئے ؛ کیوں کہ علاج سنت نبوی ﷺ ہے اور دعا کا اہتمام بھی کرنا چاہئے ، حدیث میں زیادتی علم کے لئے ایک خاص دعا منقول ہے اور علم میں فہم اور حفظ دونوں شامل ہے ؛ اس لئے اس دعا کا اہتمام کریں ، اس دعا کو امام ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطہ سے نقل کیا ہے ۔

" اللهم انفعني بما علمتني و علمني ما ينفعني وزدني علما ، الحمد لله على كل حال ، وأعوذ بالله من حال أهل النار " (۱)

" اے اللہ ! مجھے جو علم عطا فرمایا ہے ، اس سے نفع پہنچایئے اور وہ علم عطا فرمایئے جو میرے لئے نفع ہو اور میرے علم میں اضافہ فرمایئے ،

---

(۱) ترمذی ، حدیث : ۳۵۹۹

تمام تعریفیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں اور میں اہل دوزخ کے حال سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں"

خاص طور پر حفظ قرآن کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ﷜ کی روایت ہے کہ حضرت علی ﷜ نے آپ ﷺ سے ضعف حفظ کی شکایت کی، آپ ﷺ نے انہیں تلقین فرمائی کہ جمعہ کی شب چار رکعت نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ یٰسین، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورہ الدخان، تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور الم تنزیل السجدہ اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ اور تبارک الذی (سورہ ملک) پڑھیں، پھر جب تشہد سے فارغ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کریں، انبیاء پر درود بھیجیں اور مؤمنوں کے لئے استغفار کریں اور پھر دعا کریں، یہ دعا بہت طویل ہے، آپ ﷺ نے اسے تین یا پانچ یا سات بار پڑھنے کا مشورہ دیا، اس کے سات ہفتہ کے بعد حضرت علی ﷜ خدمت اقدس ﷺ میں آئے اور آپ ﷺ کو قرآن مجید حفظ ہو جانے کی اطلاع دی۔(۱) پس جو لوگ حفظ قرآن میں دقت محسوس کرتے ہوں، ان کے لئے بہتر ہے کہ اسی تفصیل کے مطابق چار رکعت نماز پڑھ کر حفظ میں سہولت اور پختگی کی دعا کریں۔

دعاء میں ہاتھ اٹھانا

سوال:- دعاء میں ہاتھ کس طرح اٹھایا جائے، ہاتھ ملا کر رکھا جائے، یا ایک دوسرے سے ہٹا کر؟ (محبوب احمد، شانتی نگر)

جواب:- دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے، بشرطیکہ نماز میں نہ ہو، حدیث میں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے، کیوں کہ اس میں خدا کے سامنے عجز و فروتنی اور بے چارگی و محتاجی کا اظہار ہے، ہاتھ سینہ کے مقابل اٹھانا چاہیے اور دونوں ہاتھوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ہونا چاہئے:

"و الأفضل في الدعاء أن يبسط كفيه و يكون بينهما

(۱) كتاب عمل اليوم و الليلة :۱۵۲

مرحة وإن قلت والمستحب أن يرفع يديه عند الدعاء بحذاء صدره " (۱)

دوسرے سے دعاء کرانا بھی درست ہے

سوال:- ایک صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ کسی اور سے دعا کرانا درست نہیں اور یہ حدیث سے ثابت بھی نہیں؟

(سید شاہ نواز ہاشمی، فرسٹ لانسر)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کی دعا اس کے غائب بھائی کے حق میں قبول ہوتی ہے، اسی طرح ماں، باپ اور بعض دوسرے متعلقین کی دعا کے انسان کے حق میں مقبول ہونے کا ذکر احادیث میں آیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک شخص کی دعا دوسرے کے حق میں فائدہ مند ہو سکتی ہے تو اس کی خواہش کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی؛ بلکہ خود حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ ؓ سے دعا کی خواہش کرنے کا ذکر منقول ہے، حضرت عمر ؓ سے روایت ہے:

"میں نے حضور ﷺ سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے میرے چھوٹے بھائی! اپنی دعا میں مجھے فراموش نہیں کرنا" لاتنسانی یا أخی من دعائك " حضرت عمر ؓ کہتے ہیں کہ مجھے اس بات سے اتنی خوشی ہوئی اگر اس کے بدلہ مجھے پوری دنیا بھی مل جاتی تو اس درجہ خوشی نہیں ہوتی" (۲)

پیسے دے کر دعا کرانا

سوال:- بعض مساجد کے منتظمین اور متولیان پیسے لے

---

(۱) ہندیہ: ۵/۳۱۸ (۲) ابو داؤد، حدیث: ۱۴۹۸

کریہ ردوں یا مرحومین وغیرہ کے لئے دعائیں کراتے ہیں اور مساجد میں بذریعہ لاؤڈ اسپیکر بار بار اور کئی دنوں تک دعائیں کرنے کا اعلان بھی کرتے ہیں، اگر کوئی غریب یا امیر، مذکورہ لوگوں کو مطلوبہ رقم یا لفافہ نہ دے تو پھر ان کے لئے نہ ہی کوئی دعاء کی جاتی ہے اور نہ ہی کوئی اعلان، شرعی قوانین کے تحت ایسی دعائیں قبول ہوتی ہیں یا نہیں؟ کیا پیسے دے کر دعائیں کروانا شرعاً جائز ہے؟ بیمار یا مرحومین کے عزیز و اقارب کا دعائیں کرنا زیادہ مفید ہے یا پھر تجارتی و مطلبی دعاؤں کا اہتمام کروانا مناسب رہے گا؟

(قاری، ایم، ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- دعاء کرنے یا مساجد میں دعاء کرانے کے لئے پیسے لینا قطعاً جائز نہیں، اور جو دعاء پیسے لے کر کی جائے وہ بظاہر قبول بھی نہیں ہوگی؛ کیوں کہ قبولیت کے لئے بنیادی شرط اخلاص ہے، جو عبادت یا دعاء اخلاص کے ساتھ کی جاتی ہے، وہی قبول ہوتی ہے، جو دعاء پیسوں کے لئے کی جائے وہ اخلاص سے خالی ہوئی تو مقبول کیسے ہوگی؛ اس لئے نہ اس طرح پیسے دے کر دعاء کرانی چاہئے اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہے، نیز مساجد کے منتظمین کو بھی اس سے احتراز کرنا چاہئے؛ کیوں کہ یہ دین کے ساتھ تمسخر اور مذاق اڑانا ہے، اعزہ و اقارب کی دعاء کے قبول ہونے کی زیادہ توقع ہے؛ کیوں کہ رشتۂ تعلق کی وجہ سے ان کی دعاء میں زیادہ اخلاص بھی ہوتا ہے اور دردمندی بھی ہوتی ہے اور یہی چیزیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مطلوب ہیں۔

وباللہ التوفیق

ہوائی جہاز میں سواری کی دعاء

سوال:- حدیث میں ایک دعا خشکی میں سواری پر چڑھنے کی ہے اور ایک دعا پانی پر چلنے والی سواری کی ہے، ہوائی جہاز نہ زمین

پر چلتا ہے، نہ پانی میں، تو ہوائی جہاز کے سفر میں کون سی دعا پڑھنی چاہیے؟ (مصباح الدین قاسمی، گڑپہ)

جواب :- ہوائی جہاز میں سفر کے دو مرحلے ہیں، ایک مرحلہ اس کے رن وے پر دوڑنے کا ہے، اور دوسرا مرحلہ اڑان بھرنے کا، اس حقیر کی رائے ہے کہ جب زمین پر چلنا شروع کرے تو "سبحان الذي سخر لنا هذا الخ" پڑھے اور جب اڑان بھرے تو "بسم الله مجريها و مرساها" پڑھے؛ کیوں کہ جیسے پانی کے جہاز پانی میں تیرتے ہیں اسی طرح ہوائی جہاز بھی وسیع فضا میں تیرتے ہیں اور یہ تیرنا پانی کے بجائے ہوا کی پشت پر ہوتا ہے، خود قرآن مجید میں فضا میں چلنے کو تیرنے سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا سورج اور چاند کے بارے میں ارشاد ہے کہ "وهو الذي خلق الليل والنهار كل في فلك يسبحون" (۱) لہذا کشتی والی دعا سے اس کو مناسبت حاصل ہے، کہ اس میں بھی کشتی کے تیرنے کا ذکر ہے، غرض کہ ہوائی جہاز کے سفر میں دونوں دعاؤں کو جمع کرلینا بہتر ہے۔

عیادت کی دعا

سوال :- مریض کی عیادت کے وقت کیا دعا پڑھنی چاہیے؟

(فہیم محمد، بیدر)

جواب :- حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جو کسی مریض کی عیادت کرے اور اس کے پاس سات دفعہ یہ دعا پڑھے تو ان شاء اللہ اسے شفاء ہوگی، بشرطیکہ اس کی موت کا وقت نہ آگیا ہو:

"أسأل الله العظيم رب العرش العظيم أن يشفيك" (۲)

میں خدائے بزرگ و برتر اور عرش عظیم کے مالک سے التجا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو شفاء عطا فرمائے۔

---

(۱) الأنبياء ۳۳ (۲) ابوداؤد ۲/۳۱

اسی طرح یہ بھی مسنون ہے کہ " لا بأس طهور إن شاء الله " کہے۔

مایوسی اور نا اُمیدی کی حالت کے لئے دُعاء

سوال:- حوادث زمانہ نے جس شخص کی قوت ارادی کو کمزور کردیا ہو اور وہ نا اُمیدی کا شکار رہتا ہو، اسے کونسی دُعاء کرنی چاہئے کہ نا اُمیدی اور زندگی سے مایوسی کی کیفیت ختم ہو؟

(این، آر، حیدرآباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو کوئی غم یا فکر درپیش ہو، وہ ان کلمات کے ذریعہ دُعاء کرے :

"اللهم أنا عبدك ، وابن عبدك ، وابن أمتك ، ناصيتي بيدك ، ماض فيّ حكمك ، عدل فيّ قضاءك ، أسألك بكل اسم هو لك سميت به نفسك أو أنزلته في كتابك أو علمته أحدا من خلقك أو استأثرت به في علم الغيب عندك ، أن تجعل القرآن ربيع قلبي ونور بصري وجلاء حزني وذهاب همي"(۱)

"اے اللہ! میں آپ کا بندہ ہوں، آپ کی بندی کی اولاد ہوں، آپ کے قبضہ میں ہوں، میری پیشانی آپ کے ہاتھ میں ہے، مجھ پر آپ کا حکم جاری ہے، میرے بارے میں آپ کا فیصلہ بر انصاف ہے، آپ نے اپنے آپ کو جن جن ناموں سے موسوم کیا ہے، میں اس کے حوالہ سے آپ سے سوال کرتا ہوں، ان ناموں کے حوالہ سے بھی جن کو آپ نے اپنی کتاب میں

(۱) الاذکار للنووی :۱۴۲

اُتارا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو اس کا علم دیا ہے یا جو آپ ہی کے
نزدیک علم غیب میں ہے، کہ آپ قرآن کو میرے سینے کی روشنی،
میرے دل کی بہار، میرے غم کا مداوا اور میری فکر کا علاج
بنا دیجئے"

آپ اگر عربی الفاظ کو یاد کر سکیں تو اُسے یاد کر کے پڑھا کریں، چوں کہ یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہیں؛ اس لئے ظاہر ہے کہ اس میں برکت وسعادت زیادہ ہے، اور اگر اس میں دشواری ہو تو اس کا اُردو ترجمہ اچھی طرح ذہن میں بٹھالیں اور نمازوں کے بعد نیز حسب موقع پڑھا کریں، نیز اپنے اندر قوت ارادی پیدا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔

وسوسہ سے بچنے کی دعاء

سوال:- وساوس سے بچنے کے لئے کوئی دعاء بتائیں۔

(غوث محبوب نگر)

جواب:- اول تو اس کے لئے انسان کو اپنی قوت ارادی مضبوط کرنی چاہئے، یہ بیماری اکثر ان لوگوں کو متاثر کرتی ہے، جو ضعیف الارادہ ہوں، اس کے علاوہ سورۂ فلق، سورۂ ناس کی بکثرت تلاوت کا اہتمام رکھیں، اور سورۂ مؤمنون کی حسب ذیل آیتوں کی تلاوت کا اہتمام کریں:

﴿وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ○ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ﴾ (۱)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب میں بے احتیاطی کی وجہ سے بھی وسوسہ کی بیماری پیدا ہوتی ہے؛ اس لئے استنجاء کرنے میں احتیاط برتیں اور کوشش کریں کہ آپ کے بدن پر پیشاب کی چھینٹ نہ پڑے، اللہ تعالیٰ آپ کو اس بیماری سے شفا عطا فرمائے۔

---

(۱) المؤمنون: ۹۸-۹۷

نئی گاڑی میں علماء کو بٹھانا اور دعاء کرانا

سوال:- ہمارے دیار میں جب کوئی شخص لاری کار وغیرہ خرید کرتا ہے تو علماء کے پاس لاتا ہے، علماء ان سواریوں میں بیٹھ کر دعاء خیر کرتے ہیں اور بعض لوگ اس موقع پر شیرینی بھی تقسیم کرتے ہیں، کیا یہ عمل جائز ہے اور اسے بدعت نہیں کہا جائے گا؟

(عبداللہ محسن، ممبئی)

جواب:- نئی گاڑی کا علماء کے پاس لانا اور ان میں سوار کرنا بطور تبرک کے ہوتا ہے، اس میں کچھ مضائقہ نہیں، اسی طرح دعاء کرانے میں بھی کوئی حرج نہیں، مختلف صحابہ اپنے نومولود بچوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے تھے اور آپ ﷺ ان کے لئے دعاء فرماتے تھے، اسی طرح بعض صحابہ ؓ آپ ﷺ کو اپنے مکان لے گئے؛ تاکہ آپ ﷺ وہاں تبرکاً نماز پڑھ دیں اور آپ ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی ،(۱) اسی طرح خوشی کے اظہار کے لئے کوئی میٹھی چیز تقسیم کر دینا بھی درست ہے، کہ یہ اظہار مسرت ہے اور اپنی مسرت میں دوسرے احباب کو شریک کرنا ہے؛ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ سے عید اور نکاح کے موقع پر کھجور کھانا اور کھلانا ثابت ہے، بدعت ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کی حضور ﷺ اور صحابہ ؓ کے عہد میں کوئی اصل نہ ہو اور اسے ایک دینی عمل سمجھ کر انجام دیا جائے، یہ عمل عبادت یا دینی کام سمجھ کر انجام نہیں دیا جاتا؛ چنانچہ اگر ان افعال کو دینی اعتبار سے ضروری سمجھ لیا جائے تو پھر ان کا شمار بھی بدعات میں ہوگا۔

ٹیپ کی ہوئی دعاء پر آمین کہنا

سوال:- اگر ٹیپ رکارڈ میں دعائیں محفوظ ہوں اور رکارڈ پر انہیں سنا جائے، تو کیا اس پر آمین کہنا چاہیے؟

(عامر بن محمد فدا، سعودی عرب)

---

(۱) بخاري ، كتاب الجماعة والإمامة ، حديث نمبر: ۹۳۲

جواب:- کسی دعاء پر آمین کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آمین کہنے والا بھی اس دعاء میں شریک ہے اور دعاء کرنے کے لیے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ مکلف شخص ہی دعاء کرے، دعاء نابالغ بھی کر سکتا ہے، یہاں تک کہ غیر مسلم بھی دعاء کر سکتا ہے، اس لیے ٹیپ رکارڈ کی دعاء پر آمین کہنا جائز؛ بلکہ مستحب ہے، اور آمین کہنے والا ان شاء اللہ ان دعاؤں کو مانگنے والا متصور ہوگا۔

واللہ اعلم

غیر مسلموں کے لئے دعاء صحت

سوال:- اکثر دیکھا جاتا ہے کہ نماز کے اوقات میں ہندو حضرات لوگوں کو نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور نمازیوں سے دعائیں کراتے ہیں اور پانی اور مریض پر دم کراتے ہیں، کیا دوسری قوموں پر دفع امراض کے لئے دعا کرنا درست ہے؟ (محمد کاشف، زیبا باغ)

جواب:- غیر مسلم بھائیوں کی صحت، دنیوی فلاح اور دنیا میں مصیبتوں سے نجات کی دعا کرنا درست ہے، رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ سے قحط دور ہونے کی دعا فرمائی ہے اور ان کی ہدایت کی دعا کرنا تو کم سے کم سنت ضرور ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ان کی ہدایت کے لئے دعا فرمائی ہے، ممانعت صرف اس بات کی ہے کہ جس شخص کی موت حالت کفر پر ہو چکی ہو اس کے لئے استغفار کی دعا کی جائے، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا، اس لئے استغفار یا ایصال ثواب جائز نہیں، باقی جو لوگ زندہ ہوں ان کے لئے دنیوی و اخروی فلاح و نجات کی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ یہ اسلامی اخلاق کا تقاضہ ہے۔

درود شریف کا حکم

سوال:- رسول اللہ ﷺ پر صلوۃ وسلام کا کیا حکم ہے یعنی نماز سے باہر؟ (شہاب الدین قادری، حیدرآباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ انسانیت کے سب سے بڑے محسن ہیں، اس لئے آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام آپ کا حق ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ صلوٰۃ وسلام نہ بھیجے، وہ بخیل ہے'' اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ درود وسلام بھیجنا فرض ہے: ''وهي فرض مرة واحدة اتفاقا في العمر'' البتہ نماز میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے بھی یہ فرض ادا ہو جاتا ہے، (۱) اس طرح جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک آئے، خواہ خود ذکر کرے یا دوسرے نے ذکر کیا ہو اور وہ اس مجلس میں موجود ہو، اس صورت میں بھی آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، البتہ اگر ایک ہی مجلس میں کئی بار ذکر مبارک آئے تو امام طحاویؒ کے نزدیک تو ہر بار درود پڑھنا واجب ہے اور امام کرخیؒ کے نزدیک ایک بار درود پڑھنا واجب ہے اور اس کے بعد مستحب، بعض اہل علم نے امام طحاویؒ کے قول اور بعض نے امام کرخیؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، زیادہ تر علماء کا رجحان امام کرخیؒ کے قول کی طرف ہے؛ کیوں کہ اس میں سہولت ہے:

''والمذهب استحبابه أي التكرار و عليه الفتوى'' (۲)

ایک صاحب علم نے درود کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عمر میں ایک دفعہ فرض ہے، جب جب آپ ﷺ کا ذکر مبارک آئے درود پڑھنا واجب ہے، نماز کے قعدۂ اخیرہ میں سنت ہے اور ہر وقت حسب موقع و گنجائش پڑھنا مستحب ہے، نماز میں قعدہ کے علاوہ کسی اور وقت پڑھنا مکروہ ہے، اور ایسی جگہ جس میں صلوٰۃ و سلام کی بے توقیری ہوتی ہو حرام یعنی مکروہ تحریمی ہے، جیسے تاجر اپنا سامان دکھاتے ہوئے اس سامان کی خوبی کے اظہار کے لئے صلوٰۃ وسلام پڑھے کہ یہ ایک حقیر مقصد کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کا استعمال کرنا ہے۔ (۳)

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۲۲۹/۲

(۲) در مختار مع الرد: ۲۲۹/۲

(۳) حوالہ سابق: ۲۳۰

نماز سے متعلق مختلف مسائل

شب براءت میں گھر میں عبادت افضل ہے یا مسجد میں؟

سوال:- شب براءت میں مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں؟ (عبدالقادر قادری، شولاپور)

جواب:- رسول اللہ ﷺ سے شب قدر میں مسجد میں نماز پڑھنا اور نماز کا اہتمام کرنا ثابت ہے، لیکن شب براءت کے موقع سے مسجد میں شب بیداری کرنا ثابت نہیں؛ اسی لئے فقہاء نے اس کو بہتر نہیں قرار دیا ہے:

"و يكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المسجد" (۱)

پس گھر میں نماز کا اہتمام کرنا بہتر ہے، شیخ امیر حسن علاء سجزیؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے اپنا استفسار اور ان کا جواب اس طرح نقل کرتے ہیں:

"... وطائفه که در مسجد قیام کنند بنده عرض داشت کرد که اگر در خانهٔ خود قیام کنند، چگونه باشد؟ فرمود که در خانهٔ خود یکپاره بخواند بهتر که در مسجد ختم کنند" (۲)

---

(۱) البحر الرائق: ۵۲/۲ (۲) فوائد الفؤاد: ۲۳

"...اور وہ لوگ جو مسجد میں قیام کرتے ہیں، بندہ نے ان کے بارے میں عرض کیا کہ اگر اپنے گھر میں عبادت کریں تو کیسا رہے گا؟ فرمایا: اپنے گھر میں ایک پارہ قرآن تلاوت کرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرلے"

فجر میں مسجد کی لائٹ بند کرنا

سوال:- فجر کے وقت مسجد کی لائٹ بند کردی جاتی ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اگر اتنا اندھیرا ہو کہ سجدہ کی جگہ نظر نہیں آئے تو نماز صحیح نہیں ہوتی، کیا یہ بات درست ہے؟ (محمد نظام الدین مظہری، کاماریڈی)

جواب:- فجر کی نماز کے وقت لائٹ جلائی بھی جاسکتی ہے اور بجھائی بھی جاسکتی ہے، یہ بات درست نہیں کہ نماز صحیح ہونے کے لئے سجدہ گاہ کا نظر آنا ضروری ہے، عام طور پر فجر کی نماز میں لائٹ بجھا کر نماز پڑھنے کا جو معمول ہے، وہ کسی حکم شرعی پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ اس میں لوگوں کی سہولت مقصود ہے، شاید اس کی ابتداء یوں ہوئی ہو کہ فجر کی نماز میں طویل قراءت کی جاتی ہے، تو یہ اتنی طویل نہ ہو کہ سورج نکل آئے یا نکلنے کے قریب ہوجائے؛ کیوں کہ اندھیرے میں زیادہ بہتر طور پر اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا

سوال:- مکہ مکرمہ میں لوگ نمازیوں کے سامنے سے گزرتے رہتے ہیں اور سترہ کا خیال نہیں کرتے، براہ کرم اس سلسلہ میں روشنی ڈالیں۔ (حبیب احمد، سکندرآباد)

جواب:- نمازی کے سامنے سے عذر شدید کے بغیر گزرنا بہت ہی گناہ ہے، اور حدیث شریف میں اس کی بڑی مذمت کی گئی ہے؛ لیکن اس سے مسجد حرام مستثنیٰ ہے، طواف

کرنے والے کے لئے تو استثناء ہے ہی؛ کیوں کہ طواف بھی نماز کے حکم میں ہے؛ لیکن علاوہ اس کے مسجد حرام میں چوں کہ اس سے احتیاط برتنا دشوار ہے؛ اس لئے فقہاء کا رجحان دوسروں کے لئے بھی جواز کا معلوم ہوتا ہے، علامہ شامیؒ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے مقابل نماز ادا فرما رہے تھے اور سترہ نہیں تھا، پھر بھی لوگ سامنے سے گزر رہے تھے (۱) اور امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ کعبہ کے سامنے لوگوں کا نمازیوں کے سامنے سے گزرنا درست ہے۔ (۲)

مسجد کبیر میں نمازی کے آگے سے گذرنا

سوال:- اگر مسجد بڑی ہو اور اس کی آخری صف میں کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو کتنا آگے سے نمازی کے سامنے سے گذرا جا سکتا ہے؟ (محمد اعظم، حمایت نگر)

جواب:- بڑی مسجد سے مراد طول کے اعتبار سے یعنی مشرق سے مغرب چالیس ہاتھ لمبی مسجد ہے، ایسی مسجد میں نمازی کے اتنے آگے سے گزرنے میں کچھ حرج نہیں کہ اگر وہ نماز پڑھنے والا خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنی سجدہ گاہ پر نگاہ کرے تو اس کی نگاہ کے دائرہ میں جو حصہ آتا ہے اور بلا ارادہ نظر آجاتا ہے، یہ اس سے باہر ہو:

"إن كان بحال لو صلى صلاة خاشع لا يقع بصره على المار" (۳)

فقہاء نے محتاط طریقہ پر اس کا اندازہ بتایا ہے کہ نمازی کی ایک صف اور مزید ایک صف چھوڑ کر آگے سے گذر سکتا ہے۔

نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو روکنا

سوال:- اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گزرے تو

---

(۱) ابن حبان، باب ما يكره للمصلي وما لا يكره، حدیث نمبر: ۲۳۶۴

(۲) دیکھئے: رد المحتار: ۲/۱۰۵، پاکستان (۳) البحر الرائق: ۲/۱۵

اسے ہٹانے کی تعلیم دی گئی ہے، اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ براہ مہربانی اس کی وضاحت کیجئے۔ (عبدالمنعم، قاضی پورہ)

جواب:- اگر سترہ نہیں لگایا گیا ہو اور سجدہ کی جگہ سے کوئی گزرنا چاہے یا سترہ ہونے کے باوجود نمازی اور سترہ کے درمیان سے گزرنے کی کوشش کرے، تو گزرنے والے کو روکنے کی کوشش کرنی چاہئے، روکنے کے دو طریقے ہیں: ایک سبحان اللہ کہنا، دوسرے ہاتھ کے اشارہ سے روکنا، دونوں میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرنا چاہئے، بیک وقت دونوں طریقے اختیار نہیں کئے جائیں، اس کے باوجود اگر کوئی شخص نہیں مانے اور گزر جائے تو اسی پر اس کا گناہ ہے:

"ويدرأ إذا أراد أن يمر في موضع سجوده أو بينه وبين السترة بالإشارة أو بالتسبيح لا بهما معاً" (۱)

نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو روکنے کی تدبیر

سوال:- آج کل لوگ نمازیوں کے سامنے سے گذرتے ہیں، احتیاط نہیں کرتے، پس اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گذرنے لگے تو اس گذرنے والے کے سلسلہ میں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے؟ (محمد توفیق، دہلی)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے نمازی کے سامنے سے گذرنے کو سختی سے منع فرمایا ہے، ضرورت ہے کہ مساجد کے ائمہ اور خطباء وقتاً فوقتاً اس پر توجہ دلائیں اور لوگوں کی تربیت کریں، رہ گئی یہ بات کہ چلنے والوں کو کس طرح روکا جائے؟ — تو فقہاء نے لکھا ہے کہ سبحان اللہ کہے یا سری نماز ہو تو ایک آدھ آیت زور سے پڑھ دے، جہری نماز ہو تو اپنی آواز میں اضافہ کردے، نیز گذرنے والے کے فہم کے لحاظ سے روکنے کے لئے ہاتھ کا اشارہ بھی کیا جاسکتا ہے، عورتوں کے لئے طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ کو دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے تھپتھپائیں:

(۱) منية المصلي وغنية المتملي: ص ۳۶۳

"ويدفعه بتسبيح أو جهر بقراءة أو إشارة ولا يزاد عليها عندنا . قهستاني . لا بهما : فإنه يكره ، والمرأة تصفق" (۱)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ ساری تدبیریں سمجھداروں کے لئے ہیں کہ:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ اصل ضرورت لوگوں کی تربیت کرنے کی ہے۔

نمازی کے سامنے سے ہٹنے کی صورت

سوال:- نمازی کے سامنے سے گزرنے کی سخت وعید ہے، لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں یا بیٹھا ہوا ہوں اور دوسرا شخص ٹھیک میرے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا، تو ایسی صورت میں کیا میں اپنی جگہ سے صرف ہٹ سکتا ہوں؟

(محمد شریف الدین قریشی، یاقوت پورہ)

جواب:- یہ صحیح ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے کی حدیث میں سخت مذمت کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر گزرنے والے کو اس فعل پر جواب دہی کے بارے میں معلوم ہو جائے تو اس کو چالیس (دن) کھڑا رہنا گزرنے سے بہتر محسوس ہوگا:

"ولو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه" (۲)

البتہ گزرنے کی ممانعت ہے، گزرنا ایک طرف سے آنے اور دوسری طرف سے نکل جانے کو کہتے ہیں، اس لئے جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۰۳

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۵۱۰

نماز پوری ہونے کا انتظار کرلیا جائے؛ لیکن اگر اس میں دشواری ہو، تو اپنی جگہ سے ہٹ جانے کی گنجائش ہے، اگر بالکل مقابل میں ہو تو دائیں بائیں جس طرف سے چاہے ہٹ جائے، اور اگر مصلی کے دائیں جانب پشت کا کچھ حصہ ہو اور کچھ باہر ہو، تو دائیں طرف سے ہٹے اور بائیں طرف سے پشت کا کچھ حصہ ہو اور کچھ باہر ہو، تو بائیں طرف سے نکل جائے۔

مرد وعورت کے درمیان احکام نماز میں فرق

سوال:- مرد وعورت کے درمیان احکام نماز میں کیا فرق ہے؟ براہ کرم وضاحت فرمائیں؟ (محمد شفیع، امیر پیٹ)

جواب:- یہ بات ظاہر ہے کہ عورت کے لئے بمقابلہ مرد کے پردہ کے احکام زیادہ ہیں؛ اسی لئے بعض فرائض جو مرد سے متعلق ہیں، عورتوں سے متعلق نہیں کیے گئے ہیں، نماز میں فقہاء نے اسی کو ملحوظ رکھا ہے، بنیادی فرائض وواجبات مرد وعورت کے لئے یکساں ہیں؛ لیکن ان کو ادا کرنے کی کیفیت میں کسی قدر فرق کیا گیا ہے، ان میں سے بعض فرق تو وہ ہے جن کی صراحت رسول اللہ ﷺ کے فرمودات یا صحابہ ؓ کے فتاویٰ میں موجود ہے، اور بعض وہ ہیں جن میں شریعت کے اصول ومقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے اجتہاد واحتیاط سے کام لیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ نماز کے بعض افعال سے متعلق ایک سے زیادہ کیفیتیں منقول ہیں، ان میں جس کیفیت میں ستر کا لحاظ زیادہ ہے اور جن میں عورت کا جسم کم نمایاں ہوتا ہے، ان کیفیات کو عورت کے حق میں ترجیح دی گئی ہے؛ کیوں کہ اس میں احتیاط اور شریعت کے اس بنیادی منشاء ومقصد کی رعایت ہے کہ عورت کے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ ستر اور پوشیدگی کو ملحوظ رکھا جائے۔

بحیثیت مجموعی جن احکام میں فرق کیا گیا ہے، ان کی تعداد ۲۲ تک پہنچتی ہے، جس کا علامہ شرنبلالیؒ اور علامہ ابن نجیم مصریؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے، یہاں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱) عورت اذان نہیں دے سکتی، اگر اذان دے دے تو لوٹائی جائے گی۔

۲) تکبیر تحریمہ کے وقت مرد کانوں تک ہاتھ اٹھائے گا اور عورتیں صرف کندھوں تک اٹھائیں گی۔

۳) عورتوں کو ہاتھ دوپٹہ کے اندر ہی اندر اٹھانا چاہئے، جب کہ مرد چادر اوڑھے ہوا ہو تو چادر سے باہر ہاتھ نکال کر اٹھانا چاہئے۔

۴) عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنا ہے اور مردوں کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے۔

۵) عورتوں کو صرف دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ دینا کافی ہے، جب کہ مردوں کو اپنے ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لینا چاہئے۔

۶) عورتوں کو کسی بھی وقت اتنی بلند آواز سے قراءت نہیں کرنی چاہئے کہ غیر محرم سن لے، اس کے بالمقابل مردوں کو جہری نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۷) مردوں کو رکوع میں اس طرح جھکنا چاہئے کہ سر، سرین اور پشت برابر ہوں اور پنڈلیاں سیدھی ہوں اور عورتوں کو صرف اتنا جھکنا کافی ہے کہ ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

۸) مرد ہاتھ کی انگلیاں رکوع میں پھیلا کر گھٹنوں پر رکھیں، اور عورتیں ملا کر رکھیں گی۔

۹) مرد رکوع میں اپنی کہنیاں پہلو سے الگ رکھیں گے، اور عورتیں ملا کر رکھیں گی۔

۱۰) سجدہ کی حالت میں مرد پیٹ کو رانوں سے، بازو کو بغلوں سے اور کہنیوں کو پہلو سے جدا رکھیں گے، اور باہوں کو زمین سے اٹھا ہوا رکھیں گے اور اس کے برخلاف عورتیں پیٹ کو رانوں سے، کہنیوں کو پہلو سے ملا کر اور باہوں کو زمین پر بچھا کر سجدہ کریں گی۔

(۱۱ مرد سجدہ میں دونوں پاؤں کھڑا رکھ کر انگلیاں قبلہ رخ کریں گے، عورتوں کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں، وہ پاؤں کو کھڑا نہ کریں گی، بلکہ دب کر سمٹ کر سجدہ کریں گی۔

(۱۲ مرد سجدہ سے سر اٹھا کر اپنا پیر کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ کرے گا اور بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھے گا، دونوں ہاتھ زانو کے قریب رکھے گا، عورتیں اپنے دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھیں گی، دونوں ہاتھ کی انگلیاں خوب ملا کر رانوں پر رکھیں گی۔

(۱۳ عورتوں کی جماعت اور عام حالات میں عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

(۱۴ اگر عورتیں جماعت بنائیں تو ان کی امام ان کے درمیان کھڑی ہوں گی۔

(۱۵ عورتیں نماز میں مرد کے برابر یا اس کے آگے کھڑی ہوجائیں تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

(۱۶ مردوں کے لیے عورتوں کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

(۱۷ عورتوں کی صف سب سے اخیر میں ہوگی۔

(۱۸ عورتوں پر جمعہ اور عیدین کی نماز واجب نہیں۔

(۱۹ عورتوں پر تکبیرات تشریق واجب نہیں۔

(۲۰ عورتیں تشہد پڑھتے وقت ہاتھ کی انگلیاں ملا کر رکھیں گی۔

(۲۱ بہتر ہے کہ عورتیں نماز فجر تاریکی میں پڑھیں اور مرد صبح کے زیادہ روشن ہوجانے پر پڑھیں۔

(۲۲ اگر نماز میں کوئی امر پیش آجائے تو عورت ہاتھ تھپکے گی اور مرد سبحان اللہ کہے گا۔(۱)

---

(۱) دیکھئے: نور الایضاح :۷۱، البحر الرائق :۱/۵۱۱

فرض اور نفل نمازوں میں فرق

سوال:- فرض، سنت اور نفل نمازوں میں کن کن احکام میں فرق ہوتا ہے؟ اس پر روشنی ڈالیں تو بڑی مہربانی ہوگی؟

(حمید اللہ قادری، گلبرگہ)

جواب:- مشہور فقیہ علامہ علاء الدین کاسانیؒ نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے آٹھ فرق ذکر کیا ہے، باقی احکام تمام نمازوں کے لئے یکساں ہیں، وہ آٹھ فرق یہ ہیں:

۱) جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہو، اس کے لئے بیٹھ کر فرض نماز ادا کرنا درست نہیں، لیکن نفل بیٹھ کر ادا کر سکتا ہے، گو اس صورت میں اجر کم ہوگا۔

۲) زمین پر اتر کر نفل پڑھ سکتا ہے، پھر بھی سواری پر ادا کرنے کی گنجائش ہے، فرض اتر کر پڑھ سکتا ہو تو سواری پر ادا نہیں کر سکتا۔

۳) نفل کی تمام رکعتوں میں قرآن مجید پڑھنا فرض ہے اور فرض کی صرف پہلی دو رکعتوں میں۔

۴) قعدۂ اولیٰ فرض نمازوں میں بالاتفاق فرض نہیں ہے، نفل نماز میں ایک قول کے مطابق فرض ہے۔

۵) فرض میں جماعت واجب یا سنت مؤکدہ ہے اور نفل میں (سوائے تراویح کے) جماعت مسنون نہیں ہے۔

۶) نفل کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہے، (سوائے فرض نمازوں سے مربوط سنن مؤکدہ کے) فرائض کے لئے وقت مقرر ہیں۔

۷) فرض نماز کی نیت میں نماز کی تعیین ضروری ہے، جیسے ظہر، عصر وغیرہ، نفل میں مطلق نماز کی نیت کافی ہے۔

۸) جو شخص صاحب ترتیب ہو، اس پر فرض ادا کرنے میں ترتیب کی رعایت ضروری ہے، نفل میں نہیں۔(۱)

اس کے علاوہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، فرض نماز پڑھنا مکروہ نہیں، فقہاء کی اصطلاح میں سنتیں بھی نفل میں داخل ہیں، اس لئے یہ احکام سنن و مستحبات دونوں سے متعلق ہیں۔

امام کی جگہ پر تقریر و بیان

سوال:- میں نے ایک سال قبل درس بخاری شریف میں سنا تھا کہ مسجد میں جماعت ہو جائے اور وعظ کہیں تو امام کی جگہ دوسرے لوگ بیٹھ کر تقریر نہ کریں، بلکہ دو صف کے بقدر ہٹ کر وعظ کہیں، اس کا ذکر کس حدیث میں ہے؟ (وہاب نجمی، ملکنڈو)

جواب:- میرے علم کے مطابق ایسی کوئی حدیث نہیں ہے، جس میں امام کی جگہ پر وعظ کہنے کی ممانعت کی گئی ہو اور وہاں سے دو صف ہٹ کر وعظ کہنے کا حکم ہو، نماز ختم ہونے کے بعد جائے امامت پر بھی بیٹھ کر وعظ بیان کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

نماز عشاء کی رکعتیں

سوال:- لوگ کہتے ہیں کہ نماز عشاء کی صرف پندرہ رکعت ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ سترہ رکعت ہے، اس سلسلہ میں صحیح رہنمائی فرمائیں۔ (محمد فاروق احمد، چرلہ پلی جیل)

جواب:- اصل میں نماز عشاء اور اس سے متعلق نمازیں کل نو رکعتیں ہیں، چار رکعت فرض، دو رکعت سنت مؤکدہ اور تین رکعت نماز وتر، اس قدر نماز پڑھ لینا کافی ہے، تاہم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دو اذان یعنی اذان اور اقامت کے درمیان نماز پڑھنی چاہئے

---

(۱) دیکھئے: بدائع الصنائع: ۲/۳-۱۹

اور ایک سلام کے ساتھ کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ بلا کراہت چار نفل نمازیں پڑھی جاتی ہیں؛ اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فریضۂ عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنا سنت یا مستحب ہے، اس طرح تیرہ رکعتیں ہوگئیں، پھر وتر کے بعد رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک دو رکعت نفل پڑھنے کا تھا، اسے بھی پڑھ لیا جائے تو مزید بہتر ہے، اس طرح سترہ رکعتیں ہوجاتی ہیں:

" و أربع قبل العشاء و أربع بعدها و إن شاء ركعتين و الأربع أفضل خصوصاً عند أبي حنيفة على ما عرف من مذهبه " (۱)

پس حاصل یہ ہے کہ نو رکعت تو ضرور ہی پڑھ لیں، پندرہ رکعت پڑھیں تو سنت پر پورا پورا عمل ہوجائے گا اور سترہ رکعت ادا کرنے میں زیادہ فضیلت اور زیادہ اجر و ثواب ہے۔

مسجد حرام کے علاوہ مکہ مکرمہ کی دوسری مسجدوں میں نماز کا اجر

سوال:- بہت سے حجاج جو مکہ مکرمہ جاتے ہیں، ان کا قیام مسجد حرام سے خاصے فاصلہ پر ہوتا ہے، وہ سواری کے ذریعہ ہی مسجد تک پہنچ سکتے ہیں، اس لئے بعض نمازیں انہیں اپنی قیامگاہ کے قریب مسجد میں ادا کرنی پڑتی ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ مسجد حرام کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، اب یہ حجاج جو مسجد حرام کی نماز سے محروم رہ جاتے ہیں، ان کے لئے کیا مسئلہ ہے؟ ان کا اس مسجد میں نماز نہ پڑھنا مجبوری کی وجہ سے ہے نہ کہ اپنی خواہش اور پسند سے۔ (علی احمد، کوٹھی)

جواب:- اکثر علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ مسجد حرام سے صرف وہ مسجد مراد نہیں ہے جو کعبۃ اللہ کے چاروں طرف بنی ہوئی ہے، بلکہ پورا حرم شریف مراد ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر مسجد حرام سے "حرم" ہی مراد لیا گیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کے زمانے

(۱) هدایه: ۱۳۴/۱

میں کعبہ کے چاروں طرف کھلا ہوا صحن تھا، وہیں آپ ﷺ نے اور صحابہ ؓ نے نماز ادا فرمائی، باضابطہ مسجد کی عمارت نہیں تھی، یہ عمارت لوگوں کی آسانی کے لئے بعد میں بنی، اور عہد بہ عہد اس میں اضافہ ہوتا رہا، تابعین میں ایک بزرگ عطاء بن رباح ہیں، یہ بڑے بلند پایہ فقہاء اور محدثین میں ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کے خاص شاگردوں میں ہیں، ان سے دریافت کیا گیا کہ مسجد حرام کی جو فضیلتیں نقل کی جاتی ہیں، کیا وہ صرف مسجد حرام کے لئے ہیں، یا پورے حرم کے لئے ہیں؟ عطاء نے کہا: پورے حرم کے لئے ہے؛ کیوں کہ پورا کا پورا حرم مسجد ہے: "بل في الحرم كله ؛ فإن الحرم كله مسجد" (۱) اس لئے جو لوگ مکہ کی کسی اور مسجد میں نماز ادا کریں، ان شاء اللہ انہیں بھی یہی اجر حاصل ہوگا، البتہ یہ ضرور ہے کہ چوں کہ حرم کی یہ فضیلت کعبۃ اللہ کی وجہ سے ہے؛ اس لئے مشقت پہونچائے بغیر کعبۃ اللہ کے جتنا قریب نماز ادا کی جائے گی، اسی قدر انسان زیادہ اجر کا مستحق ہوگا۔ واللہ اعلم

مکہ مکرمہ میں نماز کے علاوہ دوسری عبادتوں کا ثواب

سوال:- مسجد حرام میں نماز کی فضیلت میں ایک لاکھ گنا اجر کی بات آئی ہے، لیکن کیا یہ فضیلت نماز ہی کے لئے مخصوص ہے؟ یا دوسری نیکیوں میں بھی اجر کا یہی تناسب ہوگا؟ (علی احمد، کوچی)

جواب:- بظاہر جس اضافہ کے ساتھ نماز کا اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے، اسی تناسب سے دوسری نیکیوں کا اجر بھی ہونا چاہئے؛ کیوں کہ کعبۃ اللہ شریف کی نسبت سے جب اس جگہ کو نماز کے سلسلہ میں زیادتِ اجر کی خصوصیت حاصل ہے، تو اس مقام کے شرف و سعادت کی وجہ سے دوسری عبادتوں میں بھی اسی طرح اجر کا اضافہ ہونا چاہئے، چنانچہ خواجہ حسن بصریؒ اور بعض اہل علم سے منقول ہے کہ نماز ہی کی طرح حرم مکہ میں روزہ اور صدقہ کا ثواب بھی ایک لاکھ گنا ہوگا، اور روزہ کے سلسلہ میں تو ایک روایت میں صراحت بھی موجود ہے، گو اس کی سند پر بعض محدثین کو کلام ہے، یہ حدیث عبد اللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) دیکھئے: مسند أبي داؤد طيالسي، حدیث نمبر: ۱۳۶۴

مکہ میں رمضان کا روزہ رکھنا مکہ سے باہر ایک ہزار رمضان کے روزوں سے افضل ہے؛(۱) اس لئے اللہ کے کرم سے یہ امید رکھنی چاہئے کہ حرم اقدس میں دوسری نیکیوں کا اجر بھی اسی تناسب سے ہوگا۔ وماذلك علی الله بعزیز

مسجد میں اپنے لئے جگہ مخصوص کر لینا

سوال:- ہمارے محلے کی مسجد میں مسجد کمیٹی کے ذمہ دار حضرات بھی ماشاء اللہ پابندی سے نماز کے لئے آتے ہیں، ان میں بعض ذمہ داروں کے بیٹھنے کی جگہ متعین ہے، وہ ہمیشہ وہیں بیٹھتے ہیں، اگر کوئی اور آدمی بیٹھ جائے تو اس کو وہاں سے اٹھا دیتے ہیں، اور دوسری طرف بیٹھنے کو کہتے ہیں، کیا ان کا ایسا کرنا درست ہے؟

(محی الدین، ناگپاڑہ، ممبئی)

جواب:- مسجد اللہ کا گھر ہے، جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت نماز، اعتکاف، ذکر، تلاوت اور دین سیکھنا اور سکھانا ہے، اس میں تمام مسلمانوں کا حق برابر ہے، یہاں تک کہ جس نے مسجد تعمیر کی ہو یا جو اس کا متولی ہو، اس کو بھی حق نہیں ہے کہ کسی کو مسجد میں آنے سے روک دے، علامہ ابن نجیم مصریؒ نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں کسی جگہ بیٹھ کر درس دیتا ہو اور کسی دن دوسرا درس دینے والا وہاں پہلے سے بیٹھ گیا تو پہلا شخص اسے وہاں سے ہٹا نہیں سکتا؛ کیوں کہ مسجد میں کسی کی کوئی جگہ متعین نہیں ہوتی:

"ولا يتعين مكان مخصوص لأحد حتى لو كان للمدرس موضع من المسجد يدرس فيه فسبقه غيره إليه ليس له إزعاجه وإقامته منه" (۲)

---

(۱) مجمع الزوائد: ۳/۳۲۸، حدیث نمبر: ۴۷۹۹

(۲) البحر الرائق: ۳۴/۲

کیا کپڑا سترہ بن سکتا ہے؟

سوال:- میرے گھر میں ماشاء اللہ ایک بڑا ہال ہے، جس میں خواتین کا اجتماع ہوتا ہے اور تراویح کی نماز بھی پڑھی جاتی ہے، اس ہال کے بیچ میں ایک پردہ ڈال دیا گیا ہے، جس کے پیچھے سے مرد حضرات خواتین میں بیان کرتے ہیں، گھر کی عورتیں عام طور پر اسی پردہ کے سامنے مصلیٰ بچھا کر نماز ادا کرتی ہیں، تیز ہوا ہو تو یہ اڑنے بھی لگتا ہے، کیا یہ پردہ سترہ کے لیے کافی ہوگا؟ اور اگر پردہ کے ایک طرف نماز پڑھی جائے گی، تو اس کے دوسری طرف سامنے سے گزرنا درست ہوگا؟ (حمید الدین عمری، ممبئی)

جواب:- "سترہ" کے اصل معنی پردہ کے ہیں، نمازی کے سامنے کوئی ایسی چیز ہو، جو نماز کے مقام کو آگے کی جگہ سے ممتاز رکھتی ہو؛ تاکہ گزرنے والے کو نمازی کا پاس و لحاظ رہے اور خود نمازی کی بھی توجہ بٹنے نہیں پائے، یہ سترہ کا مقصد ہے، چوں کہ کپڑے کا پردہ بھی اس ضرورت کو پوری کر دیتا ہے؛ اس لئے اس کو بھی سترہ بنایا جاسکتا ہے، اگر ہوا میں پھڑ پھڑا جاتا ہو تب بھی حرج نہیں:

" .. ولو ستارة ترتفع إذا سجد وتعود إذا قام (۱)

وصورته أن تكون ستارة من ثوب أو نحوه معلقة في سقف مثلاً، ثم يصلي قريباً منه " (۲)

لہٰذا جو صورت آپ نے لکھی ہے، وہ سترہ کے لئے کافی ہے۔

جائے نماز پر تصویریں

سوال:- ایک مسجد کی جائے نماز کے دونوں کناروں پر

---

(۱) در مختار مع الرد ۲: ۴۰۰ (۲) رد المحتار ۲: ۴۰۰

سلسلے سے ایک جانور کی تصویریں ہیں، ایک کنارے کی تصویروں پر قدم ہے، تو دوسرے کنارے کی تصویروں پر سجدہ ادا ہو رہا ہے، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔ (بصیر، سالے پلی)

جواب:- نمازی کے سامنے تصویر کا ہونا تو نہایت ہی مذموم اور قبیح ہے؛ کیوں کہ اس میں اس تصویر کی عبادت کا وہم پیدا ہوتا ہے، لیکن دائیں بائیں، اوپر یا سجدہ کی جگہ پر تصویر کا ہونا بھی مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے، جو قریب بہ حرام ہوتا ہے:

"ویکره أن یکون فوق رأسه أو بین یدیه أو بحذائه یمنة أو یسرة ، أو محل سجوده تمثال" (۱)

اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے، وہ درست نہیں، مسجد کے ذمہ داروں کو محبت کے ساتھ توجہ دلائیں کہ ایسی جا نماز نہ بچھائی جائے۔

نماز کے لئے آخری وقت میں بیدار کرنا

سوال:- ہم لوگ چند نوجوان ایک ساتھ رہتے ہیں، بعض ساتھیوں کی ڈیوٹی اس طرح کی ہے کہ وہ رات میں دیر سے آتے ہیں؛ اس لئے فجر میں اٹھ نہیں پاتے، اس طرح کچھ لوگ فجر کی نماز پڑھ لیتے ہیں اور بعض ساتھیوں کی نمازیں قضاء ہو جاتی ہیں، اس سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اٹھ جانے والوں پر سوئے ہوئے ساتھیوں کو اٹھا دینا واجب ہے، یا ان کے دیر سے سونے کی رعایت کرتے ہوئے انہیں سویا ہوا چھوڑ دیں اور خود نماز ادا کرلیں؟

(محمد اسعد خاں و دیگر احباب، ممبئی)

جواب:- نیکی کی طرف بلانا ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق ہے، اور ایمان کے بعد نماز سے بڑھ کر کیا نیکی ہو سکتی ہے؟ چنانچہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں

---

(۱) الدر المختار : ۲/۴۱۷۔

داخل ہوئے اور ایک شخص کو سویا ہوا پایا، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اسے اٹھا دو، تاکہ وضوء کرے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھا دیا، پھر اپنے علم کے لئے استفسار کیا کہ آپ تو نیکیوں میں سبقت فرماتے ہیں؛ لیکن آج آپ نے خود اٹھانے کے بجائے مجھے اٹھانے کا حکم فرمایا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، میں نے ایسا اس لئے کیا کہ اگر تمہارے اٹھانے پر وہ انکار کر جاتا تو کفر نہیں ہوتا، اور میرے اٹھانے پر انکار کرتا تو کفر ہو جاتا، (۱) چنانچہ فقہاء نے اس سلسلہ میں جو گفتگو کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اول وقت میں اٹھانا تو واجب نہیں؛ لیکن جب اتنی دیر ہوگئی ہو کہ نہ اٹھانے کی صورت میں نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو پھر اٹھا دینا واجب ہے:

" لا یجب انتباه النائم في أول الوقت و یجب إذا ضاق الوقت " (۲)

دوسرے یہ کہ اگر کوئی ضعیف و مریض شخص ہو اور جگانے سے اس کی صحت کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو تو اس وقت نہیں اٹھانا چاہئے، جیسا کہ روزہ دار کے بھول کر کھانے کا حکم ہے، عام حالات میں جگا دینا چاہئے، علامہ شامی نے اس کی صراحت کی ہے:

" ومثل أکل الناسي النوم عن صلاۃ: لأن کلا منهما معصیة في نفسه، ألخ " (۳)

یہ تو سوئے ہوئے شخص کو اٹھانے کے سلسلہ میں اصولی احکام ہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو اتفاقی طور پر سو گیا ہو، نہ یہ کہ کوئی آدمی نماز کے وقت میں سونے ہی کو اپنا معمول بنا لے، آپ حضرات کو چاہئے کہ اپنا نظام اس طرح بنائیں کہ دیر سے سونے والے ساتھیوں کو فجر کے وقت اٹھا دیں اور یہ حضرات فجر کی نماز ادا کر کے فوراً سو جائیں؛ تاکہ ان کی نیند پوری ہو جائے۔

---

(۱) دیکھئے: تفسیر کبیر، سورۂ قدر: ۶۲۹/۸

(۲) رد المحتار: باب المواقیت: ۱۳/۲

(۳) رد المحتار، کتاب الصوم: ۳۶۶/۳

مائک پر جہری نماز

سوال:- ہماری مسجد کے امام صاحب مائک پر جہری نماز پڑھاتے ہیں اوران کا استدلال یہ ہے کہ اسی بہانے لوگ تلاوت سے فیض حاصل کریں گے ؛ حالانکہ ابھی کے حالات کے اعتبار سے لوگ ٹی وی اور فلم دیکھتے رہتے ہیں ، اور قرآن کی تلاوت کے وقت خاموش سننے کا حکم ہے ، لوگ ایسا نہیں کرتے ، تو یہ بتایا جائے کہ امام صاحب کا ایسا کرنا درست ہے؟ (اشفاق احمد، فلک نما)

جواب:- امام صاحب کا ایسے مائک پر جہری نماز ادا کرنا — جس کی آواز مسجد سے باہر جاتی ہو — کراہت سے خالی نہیں ، فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کو بس اتنی آواز رکھنی چاہئے کہ مقتدیوں تک آواز پہنچ جائے ؛ اس لئے اگر زیادہ لوگ ہوں ، تو مائک پر نماز پڑھائی جائے ؛ لیکن آواز اتنی رکھی جائے کہ آواز مسجد کے اندر تک محدود رہے ، اور اگر کم لوگ ہوں تو بغیر مائک کے نماز پڑھائی جائے ، بیرونی مائک پر نماز ادا کرنے سے ان لوگوں تک آواز پہنچتی ہے جو اپنے دنیوی کاموں میں مشغول ہوتے ہیں ، وہ نہ قرآن سنتے ہیں اور نہ خاموش ہوسکتے ہیں ؛ اس طرح بالواسطہ ہم لوگ قرآن کی بے احترامی کا باعث بنتے ہیں ؛ اس لئے احتیاط کرنا چاہئے ، بیرونی مائک کو صرف اذان کے لئے استعمال کرنا چاہئے کہ اذان کا مقصد ہی بیرون مسجد کے لوگوں کو نماز کی طرف متوجہ کرنا ہے ۔

زندہ لوگوں کے لئے نماز کے بدلے فدیہ

سوال:- جسمانی مجبوری اور عاجزی یا پھر لاپرواہی کے سبب نماز فرض ادا نہ ہوسکے تو کیا روزوں کو نہ رکھنے کی صورت میں فدیہ ادا کرنے کا جس طرح حکم ہے اسی طرح نمازوں کا بھی فدیہ ادا کیا جاسکتا ہے؟ (قاضی محمد فصیح الدین، گلبرگہ)

جواب:- روزہ دانی عبادت ہے جس کو بوقت مشقت چھوڑ دینے کی اجازت ہے مگر مسلسل روزہ کی جگہ جزوی طور پر روزہ کا رکھنا کافی نہیں، ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص غروب آفتاب تک روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو زوال آفتاب تک روزہ رکھ لے، اس کے برخلاف نماز میں یہ سہولت ہے کہ اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، اس پر بھی قادر نہ ہو تو لیٹ کر، وہ بھی دشوار ہو تو حرکت کے بجائے اشارہ دے، اگر وضو نہیں کر سکتا تو تیمم کر لے نجاست صاف کرنے پر قادر نہ ہو تو نجاست کے ساتھ پڑھ لے، غرض کہ عذر کے اعتبار سے درجہ بدرجہ نماز کی کیفیت رکھی گئی ہے، اور اگر انسان عقل و ہوش سے محروم ہو جائے تو پھر نماز اس کے لئے معاف ہے؛ اس لئے جس طرح ممکن ہو، اسی طرح نماز ادا کرے، جو آدمی زندہ ہو، وہ پچھلی چھوٹی ہوئی نمازوں یا موجودہ چھوٹنے والی نمازوں کا فدیہ ادا کردے یہ کافی نہیں؛ البتہ اگر کسی شخص کی وفات ہو گئی، اس کے ذمہ کچھ نمازیں باقی تھیں تو اس کی جانب سے فدیہ ادا کیا جا سکتا ہے، تاہم اس سلسلہ میں قرآن و حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے؛ بلکہ روزہ کی نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، رب کریم کی ذات سے امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ فدیہ اس کی نمازوں کے عوض قبول کر لیا جائے گا۔

جائے نماز پر اللہ اکبر

سوال:- آج کل بعض ایسی جائے نمازیں آرہی ہیں جن پر "اللہ اکبر" یا "العظمۃ للہ" لکھا ہوتا ہے، تو ایسی جائے نماز پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ (محمد اکبر خان، کڑپہ)

جواب:- اللہ تعالیٰ کا مبارک نام بھی قابل احترام ہے اور قابل احترام چیزوں کو بچھانا اور بچھا کر استعمال کرنا بے احترامی ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہیں، اس لئے ایسی جائے نماز بنانا اور اسے نماز پڑھنے یا بیٹھنے کے لیے استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں، جس پر اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی نقش ہو، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ بچھائی جانے والی چیز پر قرآن مجید کا لکھنا مکروہ ہے، یعنی قریب بہ حرام ہے، اسی طرح اگر کسی چادر ہی پر "الملک للہ" لکھ دیا گیا ہو تو اس کو

بچھانا، اس پر بیٹھنا اور اس کو استعمال میں لانا درست نہیں :

"كتابة القرآن على ما يفترش ويبسط مكروهة بساط أو مصلى كتب عليه "الملك الله "يكره بسطه والقعود عليه واستعماله "(۱)

مسلمانوں کو آگاہ رہنا چاہیے کہ یہود ونصاریٰ شعائرِ اسلام کی توہین وتذلیل کے درپے رہتے ہیں اور ذرا انہیں کوئی موقع بے اکرامی کا مل جائے تو اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے؛ اس لیے عجب نہیں ہے کہ اس طرح کی جائے نمازیں اسی مغضوب اور خدا بیزار طبقہ کی جانب سے بنائی جاتی ہوں؛ تا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی ہو اور سادہ لوح مسلمانوں کے مذہبی جذبات کا استحصال کر کے تجارتی فوائد بھی حاصل کیے جائیں ۔

نمازی کے سامنے رخ کر کے بیٹھنا

سوال:- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ کر مشرق کی طرف گھوم کر بیٹھا ہوا ہے اور بالکل اس کے سامنے ایک دوسرا شخص نماز ادا کر رہا ہے، اس طرح نماز ادا کرنے کا کیا حکم ہے، نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (محمد فضل، بیدر)

جواب:- نماز اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی ہے، اس لیے اگر نمازی کے سامنے کوئی شخص اپنا چہرہ کیے ہوا ہو، تو اس شخص کی عبادت کا وہم پیدا ہوتا ہے، یا بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے، اس لیے فقہاء نے ایسی چیزوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، جس کی کوئی قوم عبادت کیا کرتی ہے، یا جس کی عظمت وکرامت ذہن میں ہوتی ہے؛ اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی شخص کی پیٹھ نمازی کے سامنے ہو تو یہ درست ہے، جیسا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں ہوتا ہے؛ لیکن یہ بات کہ نمازی کے سامنے کسی شخص کا چہرہ ہو مکروہ ہے؛ کیونکہ اس میں اس شخص کی عبادت کا ایہام پیدا ہوتا ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص مشرق کی طرف رخ کر کے

(۱) فتاوی ہندیہ : ۵/۳۲۳

بیٹھا ہوا ہو تو نمازی کو بالکل اس کے سامنے کھڑا نہ ہونا چاہئے، اور اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو دوسرے شخص کو اس کی طرف رخ کرکے بیٹھنے میں احتیاط کرنی چاہئے:

"ویکرہ أن یصلی مواجها للإنسان : لأنه یصیر کالمعظم له ولا بأس بأن یصلي إلی ظهر رجل"(۱)

تسبیح کس ہاتھ سے پڑھی جائے؟

سوال:- فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد پڑھی جانے والی تسبیح فاطمہ دونوں ہاتھوں پر گنی جاسکتی ہے یا دائیں ہاتھ کا استعمال ہی ضروری ہے؟ (احمد حسین، سعید آباد)

جواب:- چاہے فجر وعصر کے بعد تسبیح پڑھی جائے یا کسی اور موقع پر، ان کا ایک ہی حکم ہے، دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں پر پڑھی جاسکتی ہیں، حضرت یسیرہ بنت یاسر نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"یا معاشر النساء اعقدن بالأنامل فإنهن مسئولات مستنطقات"(۲)

''اے خواتین! انگلیوں کے پوروں سے تسبیحات کو شمار کرو کہ ان سے بھی پوچھ گچھ ہوگی اور ان کو بھی گویائی عطا کی جائے گی''

اس ارشاد میں آپ ﷺ نے دائیں اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں کوئی فرق نہیں فرمایا ہے۔

نماز اور نماز سے باہر آلتی پالتی مار کر بیٹھنا

سوال:- قعدہ کی حالت میں آلتی پالتی مار کر بیٹھنا کیسا

---

(۱) المحیط البرهانی : ۲/۵۰۵

(۲) سنن للترمذی : ۵/۵۲۱، حدیث: ۳۴۸۶، باب ماجاء في عقد التسبیح بالید

ہے؟ ہماری مسجد میں ایک صاحب ہمیشہ اسی طرح بیٹھا کرتے ہیں،
نیز نماز سے باہر اس طرح بیٹھنے میں کیا کوئی حرج ہے؟

(حبیب اللہ، بازار گھاٹ)

جواب:- قعدہ میں جس طریقہ پر بیٹھا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ اسی طرح بیٹھا کرتے تھے؛ اس لیے اسی طریقہ پر بیٹھنا مسنون ہے، اگر عذر کی بنا پر آلتی پالتی مار کر بیٹھے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلا عذر اس طرح بیٹھنا مسنون طریقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے؛ البتہ فقہاء نے اسے کراہت تنزیہی قرار دیا ہے:

" وكره تربيع تنزيها لترك الجلسة المسنونة بغير عذر " (۱)

نماز سے باہر اس طرح بیٹھنے میں کوئی قباحت نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ صحابہ ﷺ کے ساتھ زیادہ تر اسی طرح بیٹھتے تھے اور حضرت عمر ﷺ کا بھی زیادہ تر اسی طرح کا معمول منقول ہے (۲) تاہم اس کا تعلق علاقہ کے عرف سے ہے جہاں بڑوں کے سامنے چھوٹوں کا اس طرح بیٹھنا خلاف ادب سمجھا جاتا ہے وہاں بلا عذر بڑوں کے سامنے اس طرح بیٹھنا خلاف اولیٰ شمار کیا جائے گا، اسی لیے بعض فقہاء نے دو زانو ہو کر بیٹھنے کو تواضع سے قریب تر قرار دیا ہے۔ (۳)

اوقات ملازمت میں نفل نمازیں

سوال:- میں ایک امریکن کمپنی میں کام کرتا ہوں، کمپنی کے ڈائریکٹر کا سلوک اچھا ہے، سعودی عرب کے قانون کے مطابق اذان کے بعد دفاتر کا بند ہونا ضروری ہے؛ اس لیے فرض نمازیں

(۱) در مختار: ۲/۴۹۱ (۲) حوالہ سابق
(۳) دیکھئے: رد المحتار، بحوالہ کبیری: ۲/۴۹۱

بھی با آسانی ادا ہو جاتی ہیں؛ لیکن اشراق اور اوابین کا موقع نہیں ملتا، جب ڈائریکٹر نہیں ہوتا ہے تو میں کمپنی ہی میں چھپ کر پڑھ لیتا ہوں؛ لیکن ڈائریکٹر کی موجودگی میں نہیں پڑھ سکتا، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ (مصباح الدین، جدہ)

جواب:- نماز اور عبادت کا شوق وذوق بہت مبارک ہے؛ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ لوگوں کے حقوق کی بھی بڑی اہمیت ہے اور اس میں کوتاہی ناقابل عفو ہے، جب آپ نے کسی کمپنی میں ملازمت کی تو ملازمت کے بقدر اوقات آپ نے اس سے فروخت کر دیے، ان اوقات کو نفل عبادت میں خرچ کرنا جائز نہیں؛ بلکہ وعدہ خلافی اور دھوکہ دہی کی وجہ سے اس میں الٹا گناہ کا اندیشہ ہے؛ اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اجیر فرض نمازیں تو اوقات ملازمت میں ادا کرے گا، نفل نماز ادا نہیں کرے گا۔

"واتفقوا أنه لا يؤدي نفلا، وعليه الفتوى" ليس للأجير الخاص أن يصلي النافلة" (۱)

لہٰذا اگر اشراق اور اوابین کا وقت ملازمت میں گھرا ہوا ہے تو آپ اپنے فارغ اوقات میں نفل نمازیں پڑھا کریں اور چھٹیوں کے دن میں ان نمازوں کا اہتمام کر لیں، ہاں، فرض ضرور وقت پر ادا کر لیں، اس طرح آپ حق اللہ اور حق العبد دونوں کو ادا کر سکیں گے۔

دیوارِ قبلہ پر کیلنڈر

سوال:- ہمارے شہر کی ایک مسجد میں قبلہ کی دیوار پر اوقات نماز کا چارٹ اور کیلنڈر آویزاں ہے اور بہت ہی خوشخط قرآن مجید کی آیات بھی لکھی ہوئی ہیں، جس کی وجہ سے نماز پڑھتے ہوئے بار بار نگاہ ادھر چلی جاتی ہے، کیا اس طرح

(۱) ردالمحتار: ۹/۹۲

مسجد کو سجانا چاہئے؟ (عبدالمجید، نظام آباد)

جواب:- ہر ایسی بات سے بچنا چاہئے جس سے نماز میں خشوع وخضوع متاثر ہو، اور توجہ بٹ جائے، کیونکہ خشوع اور یکسوئی ہی اس کی اصل روح ہے؛ اسی لئے فقہاء نے محراب اور دیوارِ قبلہ پر نقش ونگار کو منع کیا ہے:

"وكره بعض مشايخنا النقش على المحراب وحائط القبلة؛ لأنه يشغل قلب المصلي" (۱)

مناسب ہوگا کہ ایسی چیزیں بجائے قبلہ کے دائیں بائیں لکھی یا آویزاں کی جائیں۔

ولادت کے بعد نماز کب شروع کرنی چاہئے؟

سوال:- اکثر عورتیں بچہ تولد ہونے کے بعد چالیس دن تک نماز نہیں پڑھتیں اور چالیس دن کے بعد پانی پر کچھ دعا پڑھ کر پھونکتی ہیں اور اس سے نہاتی ہیں، ایام حیض کے بعد جب غسل کرتی ہیں تو اس وقت بھی پانی پر کچھ دعا پڑھ کر غسل کرتی ہیں، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ (ایک بہن، ٹولی چوکی)

جواب:- (الف) ولادت کے بعد جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں، نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے؛ لیکن ہمیشہ چالیس دن تک خون آنا ضروری نہیں، اگر چند دن خون آکر پاک صاف ہوجائیں تو اب غسل کرکے نماز ادا کرنی چاہئے، اگر چالیس دن تک نماز نہ پڑھیں تو خون بند ہونے کے بعد جو ایام گزرے ہیں ان میں نماز نہ پڑھنے کا گناہ ہوگا اور قضاء واجب ہوگی۔

(ب) ایسی کوئی مخصوص دعا منقول نہیں جو غسل کے پانی پر پھونک کر اس سے غسل کیا جائے، ہاں! اگر بزراہ علاج کوئی ایسی دعا جس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں پڑھ کر دم

(۱) ردالمحتار: ۲/۴۳۱، کبیری ص: ۶۱۱

کر کے اس سے غسل کرنے کو کہا گیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔

بھیگی ہوئی دری کو جائے نماز پر ڈالنا

سوال:- کیا مسجد میں وضو کرنے کے بعد گیلی دری جائے نماز پر ڈال سکتے ہیں؟ (ع۔م، بیدر)

جواب: دری میں وضو کا پانی پونچھا جاتا ہے، وضو میں استعمال شدہ پانی کا کیا حکم ہو ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ ناپاک نہیں ہے، اس لئے اس کی وجہ سے جائے نماز ناپاک نہیں ہوگی، لیکن چونکہ بعض فقہاء نے اسے ناپاک بھی قرار دیا ہے اور اگر کپڑے میں ایک درہم سے زیادہ غیر معمولی مقدار میں ماء مستعمل لگ جائے تو اسے نماز کے درست ہونے میں مانع قرار دیا ہے (۱) نیز اس میں جسمانی میل و کچیل سے آلودہ پانی لگا ہوتا ہے، بعض اوقات ناک کی آلائشیں بھی شامل ہو جاتی ہیں؛ اس لئے ایسی تر دری کا مسجد کی جائے نماز پر بچھانا خلاف ادب ہے؛ اس سے احتیاط کرنی چاہئے ۔

ایسی جگہ نماز پڑھنا کہ گذرنے والوں کو دشواری ہو

سوال:- نماز کو تاخیر سے آنے والے کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو وسیع ترین مسجد کی خالی جگہ چھوڑ کر ہماری ایڑی کے عین پیچھے اپنے سجدہ کا مقام منتخب کرتے ہیں، سلام پھیرنے کے بعد چند بڑے بغیر نئی نماز شروع کر دیتے ہیں اور اطمینان سے پڑھتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر ہمیں دق کیا جا رہا ہے، ہمیں جانے کی جلدی ہوتی ہے اور نمازی کے آگے سے گذرنا منع ہے، ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ (احمد بریہ، وسے نگر کالونی)

---

(۱) دیکھئے: فتاویٰ تاتارخانیہ: ۱/۲۳۰

جواب:- نمازی کے سامنے سے گزرنے کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اولاً تو ممانعت نمازی کے سامنے سے گزرنے یعنی ایک سمت سے آنے اور دوسری سمت کی جانب جانے کی ہے، اگر بالکل نمازی کے سامنے ہی بیٹھا ہوا ہو، اس کے دائیں اور بائیں دوسرے نمازی موجود نہ ہوں، اور وہ اپنی جگہ سے صرف مڑ جائے تو اس کی ممانعت نہیں۔

دوسرے اگر مسجد کبیر ہے، یعنی مشرق سے مغرب تک کم سے کم چالیس ہاتھ مستطیل ہے تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ ایک ڈیڑھ صف آگے بڑھ کر مسجد سے نکل جائے، اسی مسجد کو "مسجد کبیر" کہا جاتا ہے، اور مسجد کبیر کا حکم یہ ہے کہ مصلی اگر اپنی سجدہ گاہ پر نگاہ رکھے تو جتنا حصہ اس کی نگاہ کے دائرہ میں آجائے اوراس کا اندازہ اس کی صف کے علاوہ مزید ایک صف کا لگایا گیا ہے، اس سے آگے سے گزرا جاسکتا ہے، اگر مسجد کا طول چالیس ہاتھ سے کم ہو تو نمازی کے سامنے سے گزرنا نہیں چاہئے؛ البتہ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اگر آپ کو کوئی بہت ضروری کام نہ ہو جو فوری مطلوب ہو تو آپ کا نمازی کے سامنے سے گذرنا گناہ ہوگا، اگر فوری گزرنا ضروری ہو، جیسے ٹرین یا بس کا وقت ہو تو پھر نمازی کے سامنے سے گزرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، اسی طرح نماز پڑھنے والے کے لئے اگر ستون کے پیچھے یا سترہ کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع حاصل تھا؛ لیکن اس نے ایسی جگہ نماز پڑھنا شروع کردیا جہاں سے لوگ گزرنے پر مجبور ہوں، یا گزرنے والے تکلیف سے دوچار ہو جائیں تو وہ گنہگار ہوگا، اور اگر اس کو ایسی جگہ میسر نہ ہو اس لئے وہاں نماز پڑھنی پڑی تو وہ بھی گناہ گار نہیں، مشہور حنفی فقیہ علامہ شامیؒ نے ان تمام پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ (۱) بہر حال ایسی جگہ کا انتخاب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ گزرنے والے کے لئے باعث زحمت نہ ہو جائے۔

---

(۱) دیکھئے: رد المحتار: ۱/ ۴۷۹، ط: رشیدیہ

کتاب الفتاویٰ

آٹھواں حصہ

کتاب الجنائز

جنازہ سے متعلق مسائل

قریب مرگ سے متعلق احکام

قریب بہ مرگ شخص پر سورہ یٰس کی تلاوت کا ثبوت

سوال:- عام طور پر مرنے سے پہلے مرنے والے پر سورۂ یٰسین کی تلاوت کی جاتی ہے، اس کی اصل کیا ہے، کیا حدیث میں اس کا ذکر آیا ہے؟ (سید اللہ صدیقی، بیسور)

جواب:- معقل بن یسار ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے قریب بہ موت شخص پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو: "اقرؤا علی موتاکم یٰس" یہ روایت مسند امام احمد بن حنبل، سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم وغیرہ میں نقل کی گئی ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اس روایت پر کلام کیا ہے؛ لیکن سنن ابی داؤد میں اس روایت کو نقل کر کے اس پر کلام نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ سکوت اختیار کیا گیا ہے، امام ابوداؤد کے طرز عمل کے لحاظ سے یہ ان کی طرف سے روایت کی توثیق ہوا کرتی ہے، امام جلال الدین سیوطی نے بھی اس حدیث کو "حسن" قرار دیا ہے، یعنی معتبر مانا ہے، (۱) حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مردہ پر سورۂ یٰسین پڑھی جائے؛ لیکن شارحین حدیث اور فقہاء نے اس کو ایسے شخص سے متعلق قرار دیا ہے جو مرنے کے قریب ہے؛ کیوں کہ عرب کے محاورہ کے مطابق جو شخص قریب بہ موت ہو اس کو بھی "موتی" کہہ دیتے ہیں، سورۂ یٰسین کی یہ فضیلت بھی منقول ہے کہ اس سے

(۱) دیکھئے: الجامع الصغیر و فیض القدیر: ۲/۶۷، حدیث نمبر: ۱۳۴۴

انسان کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل شامل حال ہوتا ہے، موت کے قریب انسان اس بات کا ضرورت مند رہتا ہے کہ اس کو حسن خاتمہ نصیب ہو، کلمۂ توحید پر اس کی موت ہو اور اس کی موت تکلیف دہ نہ ہو، اس جہت سے بھی قریب بہ موت شخص پر سورۂ یٰس کی تلاوت اور دعا کا اہتمام مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مردہ اور قریب مرگ کا پاؤں قبلہ کی طرف

سوال:- بیمار آدمی پر جب نزع کا وقت شروع ہو جائے، تو حکم یہ ہے کہ اس کا پیر قبلہ کی طرف کر دیا جائے، اور سر اونچا کر دیا جائے، صورت مسئلہ میں معلوم کرنا ہے کہ اس صورت میں قبلہ کی بے احترامی تو نہیں ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حکم کب تک کے لئے ہے، آیا حالت نزع تک یا کفن دفن تک، اس کا پیر قبلہ ہی کی طرف رکھیں گے؟ (عبید اللہ ندوی، تاجنگوز)

جواب:- اصل میں مقصود یہ ہے کہ مرتے وقت اور اس کے بعد بھی انسان کا رخ قبلہ کی طرف رہے، یہ ایک علامتی عمل ہے کہ اس کی توجہ اپنے مالک کی طرف ہے، اب اگر نزع کے وقت یا اس کے بعد مردہ کی گردن کو قبلہ کی طرف موڑ دیا جائے، تو اندیشہ ہے کہ وضع بگڑ جائے اور چوں کہ موت کے بعد گردن سخت ہو جاتی ہے، اس لئے سیدھا نہیں کیا جا سکے، اسی لئے فقہاء نے دونوں صورتوں کو درست لکھا ہے، یہ بھی کہ شمال وجنوب کی طرف لٹایا جائے اور چہرہ کو تھوڑا سا قبلہ کی طرف خم کر دیا جائے، اور یہ بھی کہ پشت کے بل سلایا جائے اور سر کے نیچے تھوڑی سی اونچی چیز رکھ دی جائے، تا کہ سر کسی قدر اونچا ہو جائے اور چہرہ قبلہ کی طرف ہو جائے، مگر پاؤں قبلہ کی طرف کرنا مقصود نہیں ہے، اصل میں چہرہ قبلہ کی طرف رکھنا مقصود ہے، پھر یہ طریقہ اختیار کرنے کا جو سبب ہے وہ موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے، اس لئے انتقال کے بعد بھی تدفین تک مردہ کو اسی کیفیت پر لٹانے کی گنجائش ہے۔

" والمختار في زماننا أن يلقى على قفاه وقدماه
إلى القبلة ، قالوا هو أيسر لخروج الروح ،
ويرفع رأسه قليلا ليصير وجهه إلى القبلة دون
السماء " (۱)

شوہر وبیوی کی موت کے بعد ایک دوسرے کو چھونے کے حکم میں فرق کیوں ہے؟

سوال:- اس کی کیا وجہ ہے کہ عورت کے انتقال کے بعد شوہر اس کی میت کو نہ دیکھ سکتا ہے، نہ ہاتھ لگا سکتا ہے اور شوہر کے انتقال کے بعد بیوی اس کی میت کو ہاتھ لگا سکتی ہے؟ کیا یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

جواب:- عورت کے وفات پاتے ہی شوہر کا نکاح اس سے ختم ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بیوی کی وفات کے ساتھ ہی بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے، اگر مرحومہ سے اس کا نکاح باقی رہتا تو اس کی بہن سے نکاح کرنا درست نہ ہوتا، اس کے برخلاف شوہر کے انتقال کے بعد بیوی عدت گذارتی ہے اور جب تک عدت نہ گذر جائے ایک درجہ میں شوہر مرحوم کی نکاح میں رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ درمیان عدت وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی، پس بیوی کے انتقال کی صورت میں نکاح ختم ہو گیا، اس لئے شوہر بیوی کے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، چہرہ دیکھ سکتا ہے، کیوں کہ بوقت ضرورت اجنبی عورت کا چہرہ دیکھنا بھی جائز ہے، اور شوہر کے انتقال کے بعد عورت اس کے جسم کو ہاتھ لگا سکتی ہے، کیوں کہ نکاح پوری طرح منقطع نہیں ہوا ہے، یہ مسئلہ صراحتاً تو قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، لیکن جس اصول پر مبنی ہے، وہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

---

(۱) مجمع الأنهر : ۱/۱۷۹ .

استاذ کی میت کو طالبات کا دیکھنا

سوال:- کیا استاذ کے انتقال پر طالبات عقیدت

مند خواتین اور مرحوم کے گھر کی خادمائیں ان کا آخری دیدار

کر سکتے ہیں؟ (جمیلہ بیگم، اکبر باغ)

جواب:- اگر شہوت اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اصول یہ ہے کہ ایک مرد دوسرے مرد کے جس حصۂ جسم کو دیکھ سکتا ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک کے حصہ کو چھوڑ کر بقیہ حصۂ بدن عورت بھی دیکھ سکتی ہے، اور اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا کھیل دکھانا ہے،(۱) میت کا عام طور پر چہرہ ہی دکھایا جاتا ہے اور عادۃً اس موقع پر فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں ہوتا؛ لہٰذا استاذ کے بعد از مرگ دیدار کی گنجائش ہے:

"وتنظر المرأة من الرجل كنظر الرجل للرجل إن أمنت شهوتها" (۲)

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث:۲۰۶۶، کتاب صلاۃ العیدین

(۲) الدر المختار ورد المحتار، ۳۷۶/۹

میت کا غسل اور کفن

مخنث میت وغیرہ کا غسل اور نماز

سوال:- (الف) میت کو غسل کون کرے؟ اگر میت کے رشتہ داروں کو غسل کا طریقہ معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں غسل کون کرائے گا؟

(ب) کیا مرد عورت کو، یا عورت مرد کو، اور بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو غسل دے سکتے ہیں؟

(ج) مخنث کو خواہ بالغ ہوں یا نابالغ، مرد و عورت غسل دے سکتے ہیں؟

(د) مخنث کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

(سعدیہ سراج، اکبر باغ)

جواب:- (الف) افضل طریقہ یہ ہے کہ محرم یا قریبی رشتہ دار میت کو غسل دائیں، اگر ان کو طریقہ معلوم نہ ہو تو پھر ایسے دین دار لوگوں سے جو غسل کے طریقے سے واقف ہوں، غسل دلایا جائے:

"ویستحب للغاسل أن یکون أقرب الناس إلی المیت، فإن لم یعلم الغسل فأهل الأمانة

والورع" (۱)

(ب) مرد میت کو مرد ہی غسل دے سکتے ہیں اور خاتون میت کو خواتین ہی؛ البتہ اگر مرد کو غسل دینے والا کوئی موجود نہ ہو اور اس کی بیوی ہو، تو بیوی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔

"یغسل الرجال الرجال والنساء النساء، ولا یغسل أحدهما الآخر، ویجوز للمرأة أن تغسل زوجها" (۲)

البتہ شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا؛ کیوں کہ بیوی کے انتقال کے بعد شوہر سے اس کا نکاح فوراً ہی منقطع ہو جاتا ہے؛ گویا وہ عورت اس کے حق میں اجنبی ہے، اور شوہر کے انتقال کے بعد جب تک عورت کی عدت نہ گذر جائے بعض پہلوؤں سے نکاح باقی رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تک عدت پوری نہیں ہو جائے، اس کے لئے دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں۔

(ج) تیسری صنف کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر وہ بالغ یا قریب بہ بلوغ ہوں تو نہ انھیں مرد غسل دے سکتے ہیں نہ عورتیں غسل دے سکتی ہیں؛ البتہ چھوٹے نابالغ بچوں کو مرد یا عورت غسل دے سکتے ہیں اور جن کو غسل دینے کی ممانعت ہو ان کو کپڑے کے اوپر سے تیمم کرایا جائے گا، یہی حکم تیسری صنف کا ہے۔

"والخنثى المشكل كالمراهق لا يغسل رجلاً ولا امرأة ولم يغسلها رجل ولا إمرأة، وييمم وراء الثوب" (۳)

(د) نماز جنازہ ہر مسلمان پر پڑھی جائے گی، خواہ مرد ہو یا عورتیں، یا ان کا تعلق تیسری صنف سے ہو؛ البتہ باغیوں، راہزنوں اور والدین یا ان میں سے ایک کے قاتلوں پر زجر او سرزنش نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

---

(۱) فتاویٰ ہندیہ ۱۵۹/۱ (۲) فتاویٰ ہندیہ : ۱۶۰/۱

(۳) فتاویٰ ہندیہ ۱۶۰/۱

"ویصلی علی کل مسلم، مات بعد الولادة صغیراً کان أو کبیراً، ذکراً کان أو انثی الخ" (۱)

مردوں کے درمیان وفات پانے والی عورت اور غسل

سوال:- اگر عورت کا انتقال ایسی جگہ ہوا، جہاں سب کے سب مرد ہی ہوں تو عورت کو کون غسل دے گا؟

(قاری ایم، ایس، خان، اکبر باغ)

جواب:- اگر کسی عورت کی وفات مردوں کے درمیان ہو جائے اور وہاں اجنبی عورتیں بھی دستیاب نہ ہوں جو غسل دے سکیں، تو چوں کہ غسل کا بدل شریعت میں تیمم ہے، اس لیے اس عورت کو تیمم کرایا جائے گا، تیمم کی صورت یہ ہوگی کہ اگر محرم مرد موجود ہو تو وہ اپنے ہاتھ مٹی پر مار کر ہاتھ سے تیمم کرائے گا، اور اگر محرم رشتہ دار نہ ہوں، غیر محرم یا اجنبی مرد ہوں یا شوہر ہو تو ہاتھ میں کپڑا یا کوئی چیز لپیٹ کر تیمم کرایا جائے گا، کیوں کہ غیر محرم کے جسم کو مس کرنا جائز نہیں ہے:

"إذا کان للمرأة محرم، ییممها بالید، و أما الأجنبي فبخرقة علی یدیه و یغض بصره عن ذراعیها، وکذا الرجل في امرأته إلا في غض البصر" (۲)

موت کے بعد شوہر و بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا

سوال:- کیا انتقال کے بعد بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے یا شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے؟ واضح ہو کہ ہفت روزہ 'دعوت' میں لکھا گیا ہے کہ شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور اس سلسلہ میں

---

(۱) فتاوی ہندیہ ۱/۱۶۳

(۲) فتاوی تاتارخانیہ ۲: ۱۳۷

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کی گئی ہے۔

(محمد شرف الدین قریشی، یاقوت پورہ)

جواب:- مسئلہ یہ ہے کہ بیوی شوہر کو غسل دے سکتی ہے، لیکن احسن طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی مرد وہاں موجود ہو تو وہی غسل دے؛ البتہ شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا ہے، دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے انتقال کے بعد بھی عدت گذرنے تک ایک حد تک بیوی کا اس سے رشتۂ نکاح باقی رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی ہے، اس طرح وہ ایک ایسے مرد کو ہاتھ لگا رہی ہے جس سے ابھی اس کا رشتۂ نکاح باقی ہے، اس کے برخلاف بیوی کا جیسے ہی انتقال ہو، شوہر کا نکاح اس سے ختم ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شوہر کے لئے کسی وقفہ کے بغیر اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہوتا ہے، لہذا بیوی اس کے حق میں اب اجنبی عورت قرار پائی اور اجنبی عورت کے جسم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں؛ اس لئے شوہر اسے غسل نہیں دے سکتا:

... والنكاح بعد الموت باق إلى وقت انقطاع العدة، بخلاف ما إذا ماتت المرأة حيث لا يغسلها الزوج؛ لأن هناك انتهى ملك النكاح لانعدام المحل، فصار الزوج أجنبيا فلا يحل له غسلها (1)

ہاں بعض روایت میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا، تو اول تو اس روایت کی مراد متعین کرنی ہوگی؛ کیوں کہ دوسری روایات میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کا ذکر آیا ہے؛ اس لئے ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل دینے سے مراد غسل کا انتظام کرنا ہو، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے قلعہ بنایا اور مراد ہوتی ہے کہ اس

---

(1) بدائع الصنائع ۳۰۳/۲

کے حکم سے قلعہ تعمیر کیا گیا، دوسرے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ﷛ سے فرمایا تھا کہ فاطمہ دنیا میں بھی تمہاری بیوی ہے اور آخرت میں بھی رہے گی: "إن فاطمة زوجتك في الدنيا والآخرة" (۱) اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ظاہر ہوتی ہے کہ نکاح کے رشتے دنیا سے رشتہ ٹوٹنے کے ساتھ ہی منقطع ہو جاتا ہے، لیکن حضرت علی ﷛ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتۂ نکاح دنیا سے آخرت تک قائم رہا؛ چنانچہ علامہ کاسانی نے اسے حضرت علی ﷛ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ (۲)

حضرت علی ﷛ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینا

سوال:- ہماری عزیزہ مرحومہ کی تدفین کے موقع پر ان کے شوہر جب خود دفن کے لئے قبر میں اترنا چاہتے تھے، تو بعض احباب نے انھیں یہ کہہ کر روک دیا کہ فقہ حنفی کی رو سے شوہر کا اپنی بیوی کی نعش کو دفن کرنا درست نہیں ہے؛ چنانچہ مرحومہ کے لڑکے اور ایک دوسرے محرم نے تدفین کا کام انجام دیا، اب ان کے شوہر موصوف کا استدلال یہ ہے کہ "حضرت علی ﷛ نے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے غسل جنازہ میں حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ساتھ حصہ لیا تھا اور خود حضرت علی ﷛ نے اپنے ہاتھوں سے دفن فرمایا تھا" اس بات کی وضاحت درکار ہے کہ کیا حضرت علی ﷛ کا عمل ہمارے لئے قابل تقلید نہیں؟ پھر یہ فقہی امتناع کیوں؟ اور وہ خاص کیا حالات تھے، جس میں حضرت علی ﷛ نے خود تدفین فرمائی؟ (اشرف مجیب الرحمن، حیدرآباد)

---

(۱) أبو نعيم في الحلية: ۵/۵۹

(۲) دیکھئے بدائع الصنائع: ۲/۳۲

جواب:- بیوی کا جیسے ہی انتقال ہو، شوہر سے رشتۂ نکاح بالکلیہ منقطع ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مرد کے لئے اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا جائز ہو جاتا ہے، اگر نکاح باقی رہتا تو اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہوتا، کیوں کہ دو حقیقی بہنوں کو نکاح میں جمع نہیں کیا جا سکتا، گویا اب مرد اس کے حق میں اجنبی ہو گیا اور اجنبی کا حکم یہ ہے کہ عورت کو نہ ہی چھو سکتا ہے اور نہ غسل دے سکتا، البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو چہرہ دیکھ سکتا ہے، اسی لئے حنفیہ کا نقطۂ نظر ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا اور کفن نہیں پہنا سکتا، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے، ان کا استدلال سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا والی اسی روایت سے ہے، جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، —— اس روایت کے سلسلے میں احناف نے دو باتیں کہی ہیں: اول یہ کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا، جنہوں نے بچپن میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش فرمائی تھی، لہٰذا جس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل دینے کا ذکر ہے، اس کا منشا یہ ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دینے کا انتظام کیا تھا اور غسل و کفن کے اسباب مہیا کئے تھے اور ایسا ہوتا ہے کہ اسباب مہیا کرنے والوں کی طرف بھی فعل کو منسوب کر دیا جاتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے ''الف'' نے مکان تعمیر کیا، حالاں کہ مکان مزدور تعمیر کرتے ہیں، الف اسباب و وسائل فراہم کرتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر روایت کا منشا یہی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہ نفس نفیس غسل دیا، تو یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہے، چنانچہ جب اس مسئلہ کی نسبت سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: فاطمہ دنیا میں بھی تمہاری بیوی ہے اور آخرت میں بھی:

''إن فاطمة زوجتك في الدنيا و الآخرة'' (۱)

اس روایت کی بنیاد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ موت کے باوجود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں ہیں اور اس رشتہ کا تسلسل عالم آخرت تک ہے (۲)؛ اس

---

(۱) أبو نعيم في الحلية: ۵۹/۵ (۲) دیکھئے: الدر المختار مع الرد: ۱۹۰/۳

لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت سے دوسرے واقعات پر استدلال کرنا درست نہیں۔

جہاں تک قبر میں اترنے کی بات ہے، تو یہ بہتر ہے کہ قبر میں اترنے والے محرم رشتہ دار ہوں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے، غیر محرم بھی قبر میں اتر سکتے ہیں:

"وذو الرحم المحرم أولىٰ بإدخال المرأة من غيرهم كذا في الجوهرة ، وكذا ذو الرحم الغير المحرم أولىٰ من الأجنبي ، فإن لم يكن فلا بأس للأجانب وضعها كذا في البحر الرائق" (۱)

مردہ کی تدفین سے پہلے تناول طعام

سوال:- اگر ابھی لاش دفن نہیں ہوئی ہو تو کیا گھر کے لوگ کھانا کھا سکتے ہیں؟ (محمد عبد اللہ، بیدر)

جواب:- کھانا کھایا جا سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کے لئے کھانا بنانے کا حکم دیا تھا؛ حالانکہ اس وقت تک ان کی تدفین نہیں ہوئی تھی، آج کل بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ قانونی یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے تدفین میں خاصی تاخیر ہو جاتی ہے، خاص کر خلیجی ممالک میں بہت سی دفعہ لوگ ایسے حالات سے دوچار ہوتے ہیں، اس لئے تدفین سے پہلے کھانا درست ہے، اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو یہ لوگوں کے لئے مشقت اور حرج کا باعث ہوگا۔

کفن پر "اللہ، محمد" لکھنا

سوال:- میرے علاقہ میں بہت سے لوگ میت کے کفن پر ایک طرف اللہ اور دوسری طرف محمد لکھتے ہیں، کیا اس طرح کفن پر لکھنا حدیث سے ثابت ہے؟ (احمد حسن، کریم نگر)

---

(۱) الفتاوى الهندية: ۱۶۶/۱، الفصل السادس في القبر والدفن

جوا ب:- کفن پر اللہ، یا کلمہ طیبہ لکھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور فقہاء نے بھی اس سے منع کیا ہے، نیز اس میں کلمہ طیبہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، اگر کوئی زندہ شخص اپنے کپڑے پر اللہ، محمد کا نام لکھ لے، تو آپ یقیناً اسے بے ادبی سمجھیں گے، کفن بھی مُردوں کا لباس ہے اور پھولنے، پھٹ جانے کے بعد کفن ناپاک چیزوں سے بھی آلودہ ہو جائے گا؛ اس لئے اس پر کلمہ طیبہ وغیرہ لکھنا بے ادبی اور بے احترامی ہے۔(۱)

---

(۱) دیکھئے: ردالمحتار: ۱۶۸/۳

نمازِ جنازہ

اگر کسی کو نماز جنازہ کی دعا یاد نہ ہو؟

سوال:- میرے ایک دوست کو نماز جنازہ کی دعاء یاد نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ ابھی کچھ دنوں پہلے ہی دین کی طرف متوجہ ہوا ہے اور کچھ ساتھیوں کی کوشش سے اس نے نماز وغیرہ کا اہتمام کرنے کا آغاز کیا ہے، کیا وہ شخص نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے؟ تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ (حشمت اللہ خاں، سنگل پوزہ)

جواب:- آپ کے دوست کا اعمال صالحہ کی طرف آنا بہت مبارک ہے، ان کو نماز جنازہ میں شریک ہونا چاہئے، وہ آہستہ آہستہ نماز جنازہ کی دعاء یاد کرتے رہیں؛ کیوں کہ یہ دعا بہت ہی جامع، تمام لوگوں کو حاوی اور بڑی اہم التجاؤں پر مشتمل ہے، لیکن جنازہ میں خاص اسی دعاء کا پڑھنا واجب نہیں، اگر کوئی اور دعاء یاد ہو، تو اس کو بھی پڑھ لینا کافی ہے، چنانچہ حدیث میں اس موقع کے لئے مختلف دعائیں منقول ہیں:

" ... وليس في صلاة الجنازة دعاء موقت : لأن الأخبار وردت بدعوات مختلفة " (۱)

البتہ چوں کہ نماز جنازہ کا مقصد استغفار ہے، اس لئے ایسی دعا کرنی بہتر ہے، جس

---

(۱) فتاوى التاتار خانية: ۲/۱۵۵

میں مردہ کے لئے، اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے نجات و مغفرت کا مفہوم پایا جاتا ہو:

"ثم یکبر أخری ویدعو للمیت ولجمیع المسلمین

ولیس فیها دعاء موقت" (۱)

ایک مختصر قرآنی دعاء ہے: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ جو عام طور پر لوگوں کو یاد ہوتی ہے، یہ دعاء بھی کی جاسکتی ہے اور اس میں بھی فی الجملہ استغفار کا مفہوم شامل ہے۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت

سوال:- کتاب "تجرید بخاری" مترجم عربی و اردو تصنیف محمد بن اسماعیل بخاری، تجرید علامہ حسین مبارک زبیدی مطبوعہ دارالاشاعت اردو بازار کراچی کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھی اور فرمایا: میں نے ایسا اس لئے کیا ہے کہ تم لوگ جان لو کہ اس کا پڑھنا سنت ہے؛ لیکن آج تک کتاب میں اس کا ذکر نہیں، صحیح طریقہ سے نماز جنازہ پڑھنے کی وضاحت فرمائیں۔

(صبغۃ اللہ، مرادنگر)

جواب:- یہ بات درست ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی؛ لیکن خود رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں؛ حالاں کہ مختلف موقعوں پر آپ ﷺ کے نماز جنازہ پڑھانے کا ذکر تفصیل سے آیا ہے؛ اس لئے یہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ذاتی اجتہاد ہے کہ انہوں نے دوسری نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے نماز جنازہ میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھی، صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ

---

(۱) الفتاویٰ الهندیہ: ۱۶۴

بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل ہیں، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں؛ امام مالکؒ جو مدینہ میں پوری زندگی مقیم رہے اور صحابہ اور تابعین کی اولاد اور شاگردوں کو دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ مدینہ میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا تعامل نہیں ہے، (۱) —— اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ اگر حضور ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی ہوتی اور یہ آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول ہوتا تو یہ بات بہت سے لوگوں سے منقول ہوتی نہ کہ صرف حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے، اصل میں نماز جنازہ کی حیثیت عبادت سے زیادہ دعاء و استغفار کی ہے؛ اسی لئے رکوع و سجود جو عبادت کے مظاہر میں سے ہیں، نماز جنازہ میں نہیں رکھے گئے ہیں، تلاوت قرآن مجید کی نوعیت بھی یہی ہے؛ اس لئے نماز کے اس عمل کو بھی نماز جنازہ میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں مشہور محدث امام طحاویؒ کی بات بہت اچھی لگتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سورۂ فاتحہ پڑھنا بہ طور دعاء کے تھا، نہ کہ بہ طور تلاوت کے، اسی طرح علامہ ابن ہمامؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے بطور ثناء کے سورۂ فاتحہ پڑھی ہوگی؛ اس لئے اگر کوئی شخص تلاوت قرآن کے بجائے بہ طور دعاء اور ثناء کے سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات

سوال:- ایک جنازہ میں امام صاحب نے پانچ تکبیریں کہہ دیں اور چوتھی تکبیر کے بعد زیادہ دیر تک خاموش رہے پھر پانچویں تکبیر کے بعد سلام کے ذریعہ نماز ختم کی، مقتدی حضرات نے بھی امام کی متابعت میں پانچ تکبیریں کہیں، ایسی صورت میں نماز جنازہ ادا ہوئی یا نہیں؟ (اشفاق حسین، فلک نما)

---

(۱) حاشیہ مولانا احمد علی سہارنپوری علی البخاری، ۱۷۸/۱، اصح المطابع ہند

جواب:- نماز جنازہ میں چار تکبیرات کہی چاہئیں، لیکن اگر امام صاحب نے پانچ تکبیر بھی کہہ دی، تو نماز ادا ہوگئی، اگر امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدیوں کو پانچویں تکبیر نہیں کہنی چاہئے اور خاموش رہنا چاہئے، پھر جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیرنا چاہئے:

"ولو كبر الإمام خمسا فالمقتدي لا يتابع ثم ماذا يصنع ؟ في رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى يمكث حتى يسلم معه وهو الأصح " (۱)

نماز جنازہ میں زور سے ہنسنا

سوال:- میں نے یہ سن رکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں زور سے ہنس دے تو نماز تو ٹوٹ ہی گئی، اس کا وضو بھی جاتا رہے گا، اور دوبارہ وضو کرنا ضروری ہوگا، لیکن چند روز پہلے یہاں ایک عالم صاحب آئے، انہوں نے بتایا کہ اگر نماز جنازہ میں ہنسے تو وضو نہیں ٹوٹے گا، صرف نماز ٹوٹے گی، کیا یہ درست ہے؟

(سمیع الدین قادری، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بعض احادیث کی روشنی میں نماز میں قہقہہ لگانے یعنی زور سے ہنسنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، عام قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وضو نہیں ٹوٹتا؛ کیوں کہ اس کے جسم سے کوئی ناپاک چیز خارج نہیں ہوئی، لیکن چوں کہ حدیث میں ایک ایسا واقعہ آیا ہے، جس میں آپ ﷺ نے وضو کا حکم دیا؛ اس لئے فقہاء نے وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حکم عام اصول کے خلاف منقول ہوتا ہے تو وہ اس واقعہ کی نوعیت تک ہی محدود رہتا ہے؛ چوں کہ یہ واقعہ عام نماز کا ہے؛ اس لئے امام ابوحنیفہؒ نے وضو ٹوٹنے کے حکم کو عام نمازوں تک محدود رکھا ہے، جنازہ کی نماز کو اس میں شامل نہیں رکھا؛ اس لئے آپ کی رائے ہے کہ نماز جنازہ میں زور سے ہنسنے کی وجہ سے نماز تو ٹوٹ جائے گی؛ لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا۔

---

(۱) الفتاوی الهندیہ ۱: ۱۶۴

"المعاني الناقضة للوضوء ... القهقهة في الصلاة ذات ركوع وسجود الخ" (۱)

اس لئے مذکورہ عالم صاحب نے جو مسئلہ بیان کیا ہے، وہ درست ہے۔

نماز جنازہ کا حکم

سوال:- نماز جنازہ تو فرض کفایہ ہے، لیکن جب جنازہ میں کئی سو آدمی شریک ہوں تو ان کے حق میں نماز جنازہ کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیا ان سبھوں کے لئے یہ نماز فرض سمجھی جائے گی یا کچھ لوگوں کے لئے فرض اور باقی لوگوں کے لئے کچھ اور حکم ہوگا؟

(محمد عزیز قاسمی، بیدر)

جواب:- جو چیزیں فرض کفایہ ہوں، ان کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بھی اس ذمہ داری کو ادا نہ کرے تو سب کے سب گناہ گار ہوں گے اور اگر کچھ لوگوں نے ادا کرلیا تو ترک فریضہ کا گناہ سب سے ساقط ہو جائے گا، لیکن انفرادی حیثیت میں ان سب کے لئے اس کی حیثیت مستحب کی ہوگی، چنانچہ نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ وہ ہے تو فرض کفایہ، لیکن جو لوگ نماز میں شریک ہیں، ان کے لئے اس کی حیثیت مستحب کی ہے:

"وإذا كان فرض كفاية كان الدخول فيه مندوباً لما أن أدنى درجات فرض الكفاية الندب كما في صلاة الجنازة" (۲)

متعدد جنازوں پر نماز اور دعا

سوال:- ایک ساتھ کئی جنازے ہوتے ہیں جن میں بالغ،

---

(۱) هداية، فصل في نواقض الوضوء: ۲۹/۱ (۲) رد المحتار ۲۰۳/۲

نابالغ، مرد اور عورتیں ہوتی ہیں، اس لئے کیسی دعا پڑھنی چاہئے؟

(ڈاکٹر محمد یوسف، سابائی)

جواب:- ایسی صورت میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ مردوں، عورتوں اور نابالغوں کی نمازیں الگ الگ پڑھی جائیں، اور اگر بالغوں اور نابالغوں کی ایک ساتھ پڑھی جائیں تو بہتر ہے کہ دونوں سے متعلق دعا پڑھی جائے،(۱) اور اگر نابالغ لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی تو "اللهم اجعله الخ" پڑھا کریں، یعنی مذکر کی ضمیر استعمال کریں، کیوں کہ قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر خطاب مذکر کے صیغوں سے ہے اور شامل اس میں عورتیں بھی ہیں، واللہ اعلم۔

سونامی کے مہلوکین اور جنازہ وتدفین

سوال:- سونامی کے حادثہ میں ڈیڑھ لاکھ سے بھی زیادہ اموات ہو چکی ہیں، ان میں مسلمان بھی ہیں اور غیر مسلم بھی، بہت سی لاشوں میں تعفن پیدا ہو چکا ہے، جن کی تجہیز وتکفین دشوار ہے، بہت سے مقامات پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کی لاشوں میں امتیاز کرنا ممکن نہیں، ان حالات میں غسل، دفن اور نماز جنازہ کی کیا صورت ہوگی؟ بعض ایسی مسلمان لاشیں بھی ہیں جنہیں نماز جنازہ بغیر ہی دفن کردیا گیا ہے، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(عبید الرحمن، کنور)

جواب:- (۱) اگر کچھ مسلمانوں کو بغیر نماز یا بغیر غسل کے بھی دفن کردیا گیا ہو تو جب تک یہ گمان نہ ہو کہ اس کی لاش قبر کے اندر پھٹ چکی ہوگی، اس وقت تک قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے کی گنجائش ہے:

"وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أو بها بلا

---

(۱) دیکھئے: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵؍۳۷۳

غسل أو ممن لا ولاية له صلى على قبره استحسانا

مالم يغلب على الظن تفسخه" (۱)

۲) اگر مسلمان کی لاش کی شناخت موجود ہو، لیکن پھول پھٹ گئی ہو تو مل کر غسل کرنے کے بجائے صرف لاش پر پانی بہا دیا جائے، یہ کافی ہے:

"ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه" (۲)

۳) اگر مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نعشیں اس طرح مخلوط ہوں کہ ان میں امتیاز دشوار ہو تو اگر گمان ہو کہ زیادہ تر مسلمان ہوں گے تو سبھوں پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نیت مسلمان نعشوں کی کی جائے گی:

"يصلى على الكل و ينوى بالصلاة الدعاء للمسلمين" (۳)

اور اگر مسلمان اور غیر مسلم برابر ہوں یا زیادہ مقدار غیر مسلموں کی ہو تو انہیں غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا، نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ (۴)

۴) اگر زیادہ تر نعشیں مسلمانوں کی ہوں تو تدفین مسلم قبرستان میں ہوگی اور اگر غالب تعداد غیر مسلموں کی ہو یا دونوں برابر ہوں تو بعض حضرات کی رائے ہے کہ غیر مسلموں کے قبرستان میں تدفین ہو اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ کسی اور جگہ۔ (۵)

اس کی روشنی میں زلزلہ اور سمندری تموج کے مہلوکین کا حکم متعین کیا جا سکتا ہے، بظاہر ان حالات میں جلد سے جلد دفن کرنے اور تعفن سے بچانے کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ اجتماعی تدفین عمل میں آئے، اور غالباً ایسا ہی ہو رہا ہے، ان حالات میں اس حقیر کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ گو احناف کے یہاں غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے، لیکن امام شافعی اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھی جا سکتی ہے اور حضور ﷺ کے زمانہ

---

(۱) در مختار مع الرد ۳/۱۲۵ (۲) ہندیہ ۱/۱۵۸
(۳) ہندیہ ۱/۱۵۹ (۴) حوالہ سابق (۵) حوالہ سابق

میں اس کی مثال موجود ہے کہ آپ ﷺ نے نجاشی شاہ حبش پر نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی ہے، اس لئے جہاں مسلمانوں کی بلا نماز تدفین عمل میں آرہی ہو یا جہاں لاشوں کی شناخت نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ایک ساتھ دفن کردیا گیا ہو، غائبانہ نماز جنازہ ادا کرلی جائے تو بہتر ہے، واللہ اعلم۔

مسجد میں نماز جنازہ

سوال:- پنج وقتہ نماز والی مسجد کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اس میں بلا کسی شرعی عذر کے نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، صورت مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ ذمہ داران مسجد علم رکھنے کے باوجود برابر نماز جنازہ مسجد ہی میں ادا کریں، تو اس کا کیا حکم ہے اور اس صورت میں جماعت کی اقتداء کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(عبیداللہ ندوی، ناجن گوڑ)

جواب:- یہ درست ہے کہ مسجد میں بلا ضرورت نماز جنازہ پڑھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، بعض اہل علم نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے اور بعض نے مکروہ تنزیہی، اور بعض حضرات اگر جنازہ مسجد کے باہر ہو اور نماز پڑھنے والے مسجد کے اندر ہوں، تو اس صورت کو مکروہ قرار نہیں دیتے اور بعض اس کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں:

"وإنما يكره الصلاة على الجنازة في المسجد الجامع ومسجد الحي عندنا ... وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى روايتان" (۱)

اس لئے نماز جنازہ مسجد کے باہر پڑھنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے صرف حضرت سہل اور حضرت سہیل - جن کی اراضی پر مسجد نبوی کی تعمیر عمل میں آئی تھی - کی نماز جنازہ مسجد نبوی میں ادا فرمائی ہے، جس کو علماء نے ان کی خصوصیت قرار دیا ہے، اگر مسجد میں نماز

---

(۱) محیط برهانی: ۳/ ۱۰۸

جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھی اور پڑھائی ہوتی، کیوں کہ مسجد نبوی کی خصوصی فضیلت ہے، البتہ اگر مسجد کے باہر کھلی ہوئی جگہ نہ ہو، بارش یا سخت دھوپ ہو تو مسجد میں بھی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے — ذمہ داران مسجد کو چاہئے کہ مسجد سے باہر کوئی افتادہ جگہ نماز جنازہ کے لئے مخصوص کرلیں، تاہم اگر وہ اس کا خیال نہ رکھیں اور توجہ دلانے کے باوجود وہ اسے قبول نہ کریں تو اس کو مسئلہ نہ بنایا جائے، اور اس کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت کو ترک نہیں کیا جائے، کیوں کہ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے رہا ہے، امام شافعی کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ افضل ہے، اور امام ابو یوسف کے یہاں جائز ہے، نیز فی الجملہ حدیث سے بھی اس کا ثبوت ہے، اس لئے ایسے مسائل میں شدت نہیں برتنی چاہئے۔

غائبانہ نماز جنازہ اور احناف

سوال:- امام ابو حنیفہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (ام بصیر، رحمت پورہ)

جواب:- امام ابو حنیفہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں، نماز کے وقت میت کا سامنے رکھا جانا ضروری ہے۔

"ومن الشروط حضور المیت ووضعه أمام المصلی فلا تصح علی غائب" (۱)

کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بہت سے صحابی دور دراز مقامات پر اموات ہوئیں، لیکن آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ان پر غائبانہ نماز جنازہ ادا نہیں فرمائی، صرف شاہ حبش اصحمہ نجاشی کی نماز آپ ﷺ نے غائبانہ پڑھی ہے، جو اسلام قبول کر چکے تھے اور انہوں نے حبش ہجرت کرنے والے صحابہ کے ساتھ بڑا حسن سلوک فرمایا تھا، لیکن ان کی قوم کفر پر تھی

(۱) ہندیہ: ۱/۱٦٤

ہوئی تھی؛ اس لئے امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ یہ ان کی خصوصیت تھی، اس کی تائید بعض ان روایات سے بھی ہوتی ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے اور نجاشی کے درمیان حجابات اٹھادیے گئے تھے، گویا اگرچہ کہ نجاشی کی لاش صحابہ کے سامنے نہیں تھی؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھی اور یہ واقعہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے — امام شافعیؒ اور بعض اور فقہاء اسی روایت کے بناء پر غائبانہ نماز جنازہ کے قائل ہیں۔

مردہ بچہ کا نام اور نماز جنازہ

سوال:- میرے رشتہ داروں میں ایک خاتون کو مردہ بچہ پیدا ہوا، گاؤں کے مولوی صاحب نے کہا کہ اس کا نام رکھنا ضروری ہے، بعض لوگوں نے نام رکھنے سے منع کیا، براہ کرم بتایئے کہ اس کے نام رکھنے اور اس پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(محمد جبیں، چنچل گوڑہ)

جواب:- اگر بچہ مردہ پیدا ہوا اور پیدا ہوتے وقت اس میں زندگی کی کوئی علامت موجود نہ ہو تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا نام بھی نہیں رکھا جائے گا:

"من ولد میتا لا یسمی عند أبی حنیفة خلافا لمحمد"(۱)

اس لئے ان لوگوں کی بات زیادہ درست ہے جنہوں نے نام رکھنے سے روکا ہے اور یوں بھی سوچئے کہ نام رکھنا تو شناخت کے لئے ہے، دنیا میں چوں کہ اس کا وجود ہی نہیں رہا، اس لئے شناخت کی ضرورت نہیں ہوگی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ شناخت کے محتاج نہیں۔

واللہ اعلم

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۳۶۲/۵

والدین کے قاتل کی نماز جنازہ

سوال:- آج کل حصولِ جائداد یا ترکہ یا مال و دولت یا دیگر وجوہ سے نوجوان اپنے حقیقی ماں یا باپ کو قتل کر رہے ہیں، اس طرح کی خبروں سے دل دہل جاتا ہے، کیا ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کے قاتل کی نماز جنازہ پڑھانا، غسل دینا، کفنانا اور دفن کرنا شرعاً جائز ہے؟ (قاری ایم ایس خاں، جدید ملک پیٹ)

جواب:- ماں باپ کو تو اف کہنے کی بھی ممانعت ہے، چہ جائے کہ ان پر ہاتھ اٹھانا اور ان کے قتل کا مرتکب ہونا، ایسے شخص کے گناہ اور محرومی کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے ظالم شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور اس کو یوں ہی دفن کر دیا جائے گا: "ومن قتل أحد أبويه لا يصلى عليه إهانة له" (۱)

خواتین کی نماز جنازہ میں شرکت

سوال:- حج و عمرہ کے وقت ہر نماز کے بعد کئی جنازے آتے ہیں اور بعد نماز فرض جنازے کی نماز ہوتی ہے، کیا مستورات کو بھی جنازہ کی نماز پڑھنی چاہئے؟ (ڈاکٹر محمد یوسف سایانی)

جواب:- نماز جنازہ کا حکم بھی عام نمازوں ہی کی طرح ہے، حرمین شریفین کی خصوصی عظمت اور فتنہ سے بڑی حد تک حفاظت کے پیش نظر حرمین شریفین میں ہمیشہ سے خواتین کے شریک جماعت ہونے کا معمول ہے، اور علماء نے اسے منع نہیں کیا ہے، تو جیسے وہ دوسری نمازیں امام کے پیچھے پڑھ سکتی ہیں، اسی طرح نماز جنازہ میں بھی شریک ہو سکتی ہیں، بلکہ نماز جنازہ کا حکم دوسری نمازوں کے مقابلہ میں زیادہ رعایت کا ہے، دوسری نمازوں میں اگر عورت مرد کے بازو میں کھڑی ہو جائے، تو نماز مرد و عورت دونوں کی فاسد ہو جاتی ہے، لیکن

---

(۱) ہندیہ: ۱/۱۶۳

نماز جنازہ میں اگر کوئی خاتون مرد کے بازو میں کھڑی ہو جائے تو گو عورت کی نماز نہیں ہوگی، لیکن مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی

" .... وتصف النساء خلف الرجال في الصلاة على الجنازة فإن وقعت المرأة بجنب رجل فيها لم تفسد عليه صلاته " (۱)

نماز جنازہ میں مسبوق

سوال:- میں اپنے ایک قریبی عزیز کے جنازہ میں اس وقت حاضر ہوا، جب کہ نماز شروع ہو چکی تھی، میں اللہ اکبر کہہ کر شامل ہو گیا اور جب امام صاحب نے سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیر دیا، مگر اب تک دل میں کھٹک ہے کہ میرا یہ عمل درست ہوا یا نہیں؟ (محمد عبد الحمید انصاری، مشیر آباد)

جواب:- نماز جنازہ میں تکبیرات کی بڑی اہمیت ہے، گویا کہ وہ عام نمازوں کی رکعتوں کے مماثل ہیں؛ اس لئے اگر کوئی شخص نماز جنازہ شروع ہونے کے بعد آیا ہو تو اسے چاہئے کہ امام کے تکبیر کہنے کا انتظار کرے، جب امام تکبیر کہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تکبیر کہے، یہ تکبیر اس شخص کے حق میں تکبیر تحریمہ کے درجہ میں ہے، پھر جب امام سلام پھیر دے تو یہ سلام نہ پھیرے؛ بلکہ جو تکبیریں چھوٹ گئی ہوں، ان کو ادا کرکے سلام پھیرے:

" ...... ينتظر تكبير الإمام ليكبر معه من افتتاح " (۲) ؛ " فيصير مسبوقا بتكبيرة يأتي بها بعد سلام الإمام " (۳)

---

(۱) فتاویٰ تاتارخانیہ: ۲/ ۱۷۲
(۲) الدر علی رد المحتار ۳/ ۱۱۴
(۳) رد المحتار: ۳/ ۱۱۳

نماز کی وجہ سے نماز جنازہ میں تاخیر

سوال:- عام طور پر جنازہ کے مسجد پہنچ جانے کے بعد بھی نماز جنازہ میں تاخیر کی جاتی ہے؛ کیوں کہ اکثر مسجدوں میں دینی پروگراموں کی وجہ سے فرض نماز اور بیان کے بعد نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟ (محمد شکیل، قاضی پورہ)

جواب:- میرے حقیر علم کے مطابق حدیث میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ نماز جنازہ اور فرض نماز میں سے پہلے کسے ادا کیا جائے؟ البتہ فقہاء نے اہمیت کے اعتبار سے مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے، چوں کہ پنجوقتہ فرائض فرض عین ہیں، یعنی انفرادی حیثیت میں فرض ہیں؛ اس لئے راجح ہے کہ اسے مقدم رکھا جائے؛ البتہ چوں کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ کا درجہ سنت سے بڑھ کر ہوتا ہے؛ اس لئے عام طور پر فقہاء نے لکھا ہے کہ فرض کے بعد اور سنت سے پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے، البتہ علامہ حلبی نے پہلے سنت ادا کرنے اور پھر نماز جنازہ ادا کرنے کو ہی مفتی بہ کہا ہے:

" ... وتقدم صلاتها على صلاة الجنازة إذا اجتمعا ؛ لأنه واجب عينا والجنازة كفاية ، وتقدم صلاة الجنازة على الخطبة وعلى سنة المغرب وغيرها والعيد على الكسوف ، لكن في البحر قبيل الأذان عن الحلبي : الفتوى على تأخير الجنازة عن السنة إلخ " (۱)

اس حقیر کی رائے بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ کو فرض نماز کے بعد منقول سنت مؤکدہ کے بعد ادا کیا جائے، ورنہ سنت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے؛ البتہ اگر نماز کے بعد بیان

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار :۳/۲۱

ہوتو بیان کے مکمل ہونے تک نماز کو مؤخر نہیں کیا جائے ؛ کیوں کہ کسی ضروری سبب کے بغیر نماز جنازہ کو مؤخر کرنا کراہت سے خالی نہیں ۔ واللہ اعلم

نماز جنازہ کے بعد میت کا دیدار

سوال :- نماز جنازہ کے بعد میت کی صورت دیکھنے ، دکھانے سے کیا شریعت نے منع کیا ہے ؟

(سراج مستور، سید علی چبوترہ)

جواب :- وفات کے بعد جنازہ سے پہلے تو مردہ کو دیکھنا خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے ، چنانچہ آپ ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں ، اسے کفن میں نہ لپیٹو : " لا تدلجوا في أكفانه حتى أنظر إليه إلخ " (۱) — جہاں تک جنازہ کے بعد مردہ کو دیکھنے کی بات ہے تو اس حقیر کے علم کے مطابق اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے ؛ اس لئے اس کی گنجائش ہے ؛ البتہ اگر صورت میں تغیر واقع ہو جائے تو نہیں دکھانا چاہئے ، فقہاء نے اس سے منع کیا ہے ؛ کیوں کہ تغیر بعض دفعات طبعی اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے ، لیکن اندیشہ ہے کہ لوگ اسے بدشگونی کا ذریعہ بنالیں ۔ واللہ اعلم

جنازہ پڑھانے کی وصیت

سوال :- ایک صاحب نے انتقال سے پہلے وصیت کردی تھی کہ فلاں صاحب سے ان کی نماز جنازہ پڑھوائی جائے ؛ لیکن ان کے ورثہ کو ان سے نماز پڑھوانا پسند نہیں تھا ؛ چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے عالم سے نماز پڑھوائی ، اب خاندان کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے غلط کام کیا ، مرنے والے نے جس سے نماز

---

(۱) ابن ماجة ، حديث نمبر : ۱۴۷۵ ، باب ما جاء في النظر إلى الميت إذا أولج في أكفانه

پڑھانے والے تھی اسی سے نماز پڑھانی چاہئے تھی، اس سلسلہ میں حکم
شرعی بیان کریں۔ (عبدالقدیر، مقام نامعلوم)

جواب:- شرعاً جس وصیت کو پورا کرنا واجب ہے، وہ وہ ہے جس کا تعلق مال سے ہو اور جس میں معصیت نہ ہو، اس کے علاوہ میت جن تمناؤں اور خواہشات کا اظہار کرے، ان کا پورا کرنا واجب نہیں ہے؛ لہٰذا اگر میت نے کسی خاص شخص سے نماز پڑھوانے کی وصیت کی ہو تو بہتر تو ہے کہ ورثاء اپنے مورث کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسی سے نماز پڑھوائیں، لیکن کسی عذر کی بناء پر یا بلا عذر کسی اور سے پڑھوا لے تو اس میں کچھ حرج نہیں؛ کیوں کہ یہ وصیت معتبر نہیں ہے:

"إذا أوصى الميت أن يصلي عليه فلان، فالوصية باطلة، وفي الكبرى: وعليه الفتوى" (۱)

---

(۱) التاتارخانية: ۳/۹۰

میت کو لے جانے اور دفن کرنے کا طریقہ

میت کو لے جاتے ہوئے کیا پڑھے؟

سوال:- میت کو لے کر جاتے ہوئے کیا پڑھنا چاہیے؟

(عزیز اللہ خاں، نظام آباد)

جواب:- یہ وقت اصل میں آخرت اور قبر کی منزل کو یاد کرنے کا ہے، اس لئے افضل طریقہ یہ ہے کہ اس وقت خاموش رہے، حساب و کتاب اور آخرت کی جواب دہی کو یاد کرے اور خود اپنی موت کے تصور کو ذہن میں تازہ کرے، کیوں کہ آخرت کا خوف ہی انسان کو گناہوں سے بچا سکتا ہے؛ چنانچہ مشہور محدث و فقیہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

" و اعلم أن الصواب المختار ما كان عليه السلف السكوت في حال السير مع الجنازة ، فلا يرفع صوتا بقراءة و لا ذكر و لا غير ذلك " (۱)

"یاد رکھو! درست اور پسندیدہ طریقہ جس پر سلف صالحین کا عمل تھا، یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے کی حالت میں خاموش رہے، نہ زور سے قرآن مجید پڑھے اور نہ ذکر کرے اور نہ کوئی اور عمل"

مشہور حنفی فقیہ علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر ذکر کرنا چاہے، تو دل ہی دل میں اللہ

---

(۱) الأذكار للنووي ۲۱۹

کا ذکر کرنا چاہئے لیکن بہتر ہے کہ دیر تک خاموش رہے۔

"ينبغي لمن تبع الجنازة أن يطيل الصمت ، وفيه عن الظهيرية : فإن أراد أن يذكر الله يذكره في نفسه" (۱)

اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس وقت کو موت کے یاد کرنے میں گزاریں اور دل ہی دل میں استغفار کرتے رہیں۔

تدفین میں مردہ پر مٹی ڈال دی جائے؟

سوال:- تدفین کے وقت میت پر صرف مٹی ڈالنا مسنون ہے یا پہلے لکڑیاں رکھ کر اس پر مٹی ڈالی جائے؟

(سید عبدالقیوم، شہر جنڈو)

جواب:- براہِ راست لاش پر مٹی بھی ڈالی جا سکتی ہے، البتہ لکڑیاں رکھ کر مٹی ڈالنا میت کے احترام و تکریم کے نقطۂ نظر سے زیادہ بہتر ہے۔

"يسوى اللبن عليه والقصب لا الآجر والخشب" (۲)

حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر میں اینٹیں نصب کی گئی تھیں، (۳) اسی بنیاد پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے لئے بغلی قبر بنائی جائے اور کچی اینٹیں چن دی جائیں۔ (۴)

قبر میں کفن کی گرہیں کیوں کھول دی جاتی ہیں؟

سوال:- دفن کرنے کے وقت عام طور پر سر، کمر اور پاؤں

---

(۱) رد المحتار: ۱۳۱/۳ (۲) البحر الرائق: ۳۳۹/۲

(۳) دیکھئے: نصب الرایہ: ۳۶۵/۲ (۴) مسلم: ۳۱۱/۱، عن عامر بن سعد

کے پاس باندھی ہوئی گرہ کو کھول دیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ اس لئے ہے کہ جب منکر نکیر حساب کے لئے آئیں تو مردہ آسانی سے بیٹھ سکے؟ (حبیب اللہ حسینی، سکندرآباد)

جواب:- عوام میں اس طرح کی بات مشہور ہے؛ لیکن فقہاء نے اس کی حکمت یہ لکھی ہے کہ لاش کو لانے لے جانے میں کفن کے بکھر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لئے گرہیں لگا دی جاتی ہیں، قبر میں رکھنے کے بعد بکھرنے کا اندیشہ نہیں ہوتا؛ لہذا اب اسے باقی رکھنے کی ضرورت نہیں؛ اسی لئے گرہیں کھول دی جاتی ہیں۔

" ويحل العقدة أي العقدة التي على الكفن خيفة الانتشار " (۱)

جہاں تک مردہ کے اٹھنے کی بات ہے تو جیسے اللہ تعالیٰ تن مردہ میں اٹھنے کی اور جواب دینے کی قوت پیدا کر سکتے ہیں، اسی طرح مردہ کے لئے گرہ کے باوجود اٹھنے کو بھی آسان فرما سکتے ہیں اور اس پر قبر کو کشادہ فرما سکتے ہیں، واللہ اعلم۔

قبر پر پانی کا چھڑکاؤ

سوال:- عام طور پر تدفین کے بعد قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے، اس کی کیا مصلحت ہے اور کیا حدیث سے بھی اس کا ثبوت ہے؟ (تاج الدین، گلبرگہ)

جواب:- قبر پر پانی کے چھڑکاؤ کا ذکر حدیث میں آیا ہے، جب صاحبزادۂ رسول حضرت ابراہیم ؓ کی تدفین ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ فرمایا: " ... أن رسول الله ﷺ رش على قبر ابنه إبراهيم " اس حدیث کے راوی محمد بن عمرو کا بیان ہے کہ یہ پہلی قبر تھی، جس پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا، (۲) ——— پانی کے چھڑکاؤ کی حکمت یہ سمجھ

---

(۱) شرح وقایہ: ۱/۲۱۰ (۲) مراسیل أبي داؤد، ص: ۱۸

میں آتی ہے کہ اس کی وجہ سے مٹی بیٹھ جاتی ہے اور ایسے جانوروں سے حفاظت ہوتی ہے، جو قبر کو کھود کر نعش کو کھا جایا کرتے ہیں، غرض کہ ایسا کرنا سنت سے ثابت ہے اور اس میں قبر کی حفاظت ہے۔

ناقص الخلقت جنین کی تدفین

سوال:- اگر حمل گر جائے اور بچہ کے ہاتھ، پاؤں، منہ، ناک وغیرہ عضو کچھ بھی نہ ہوں تو ایسی صورت میں مولود بچہ کو کفنانے، دفنانے کے کیا احکام ہیں؟ "ایسے نامکمل بچوں کو دفنانے سے پہلے ان کا نام رکھا جائے یا نہیں"

(قاری ایم، اے، خان، جدید ملک پیٹ)

جواب:- ایسا بچہ جنازہ وغیرہ کے معاملہ میں انسانی وجود کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے نہ اس کا نام رکھا جائے گا نہ نماز پڑھی جائے گی اور نہ غسل دینے کی ضرورت ہے؛ البتہ کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے؛ تا کہ جزو انسانی ہونے کے لحاظ سے اس کا احترام ملحوظ رہے اور وہ حول آلودی اور تعفن سے محفوظ رہے۔

تدفین کے بعد قبر پر فاتحہ

سوال:- تدفین کے بعد قبر پر دعا کرنا اور فاتحہ پڑھنا کس حد تک درست ہے؟ اور کیا حدیث سے اس کا ثبوت ہے؟

(سراج منور، سید علی چبوترہ)

جواب:- تدفین کے بعد قبر کے سرہانے کے حصہ میں سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کرنا مستحب ہے اور حدیث سے اس کا ثبوت ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مردہ کو جلد دفن کرنے کا حکم دیا اور قبر کے سر کی طرف سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ اور پاؤں کی طرف آخری حصہ

تلاوت کرنے کو فرمایا:

"إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره" (۱)

ظاہر ہے کہ آیات قرآنی کے پڑھنے کا مقصد صاحب قبر کے لئے ایصال ثواب ہے اور دعا بھی ایصال ثواب کا ایک طریقہ ہے؛ اس لئے تدفین کے بعد قبر پر آیت قرآنی پڑھ کر دعاء مغفرت کی جاسکتی ہے اور صرف دعاء پر بھی اکتفاء کیا جاسکتا ہے۔

تدفین کے بعد سورہ بقرہ کی تلاوت اور قبر کے پاس دعا

سوال:- میت کی تدفین کے بعد قبر کے سرہانے اور پائتیں کچھ قرآن مجید تلاوت کی جاتی ہے اور پھر دعاء کی جاتی ہے، کیا یہ عمل درست ہے؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ بعض لوگ قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کو منع کرتے ہیں اور بعض حضرات ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، صحیح اور سنت سے ثابت عمل کیا ہے؟

(ممتاز احمد قاسمی، شولاپور)

جواب:- (الف) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ موت کے بعد جلد تدفین کی جائے اور دفن کرنے کے بعد سر کی طرف سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیت اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت کی جائے، یہ روایت مشکوٰۃ شریف میں بیہقی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ (۲) اسی لئے فقہاء نے تدفین کے بعد سر اور پاؤں کی طرف ان آیات کے پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے:

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، حدیث نمبر: ۱۳۶۱۳، شعب الإيمان للبيهقي، حدیث نمبر: ۹۲۹۴

(۲) مشكوة المصابيح: ۱/۱۴۹

"یستحب أن یقرأ علی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها" (۱)

(ب) تدفین کے بعد قبر پر دعا کرنا بھی ثابت ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرتے اور فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اب اس سے سوال کیا جائے گا:

"استغفروا لأخیکم واسئلوا له التثبیت فإنه الآن یسئل" (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضرت عبد اللہ ذی البجادین رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب ان کی تدفین سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے قبلہ رخ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔ (۳)

(ج) قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی جاسکتی ہے، سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت منقول ہے جس میں وارد ہے کہ آپ ﷺ جنت البقیع میں تشریف لائے یہاں دیر تک کھڑے رہے، پھر دونوں ہاتھ اٹھائے یعنی ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی:

"... حتی جاء البقیع فقام وأطال القیام ثم رفع یدیه" (۴)

نیز اوپر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں گذر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ذی البجادین رضی اللہ عنہ کی قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، اس لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی جاسکتی ہے؛

(۱) طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۶۳

(۲) أبوداؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت الخ حدیث نمبر: ۳۲۲۳

(۳) فتح الباری ۱۱/۱۴۴، باب الدعاء مستقبل القبلة

(۴) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبور الخ حدیث نمبر: ۲۳۰۱

البتہ بہتر اور محتاط طریقہ یہ ہے کہ مُردوں پر سلام کرتے وقت تو رخ قبر کی طرف رہے اور جب دعا کرے تو اپنا رخ قبلہ کی طرف کرلے، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلا لوجه الميت يقول السلام عليكم يا أهل القبور الخ ... وإذا أراد الدعاء يقوم مستقبل القبلة، كذا في خزانة المفتين" (۱)

"پھر قبلہ کی طرف پشت کرکے اور میت کی طرف رخ کرکے کہے: السلام علیکم یا اہل القبور ... اور جب دعا کا ارادہ کرے تو اپنا چہرہ قبلہ کی طرف کرلے"

---

(۱) ہندیہ: ۵ / ۳۵۰

ایصال ثواب کا بیان

ایصال ثواب کا طریقہ

سوال:- بہت سے لوگ مسجد میں ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید کے پارے ہی دیتے ہیں، حالانکہ پہلے سے ہی بہت سے قرآن کے پارے موجود رہتے ہیں، ایسی صورت میں کیا قرآن ہی دینا بہتر ہے؟ (کریم محسن، ملک پیٹ)

جواب:- اگر مسجد میں قرآن مجید کے پارے نہ ہوں یا ہوں مگر ضرورت سے کم، تو قرآن اور اس کے پارے دینا افضل ہے اور اگر قرآن کے پارے حسب ضرورت موجود ہوں تو دوسری دینی کتابیں جیسے قرآن کی تفسیر یا احادیث وغیرہ کے مجموعہ کا ایصال ثواب کے طور پر دینا بہتر ہے۔(۱)

غیر مسلم لیڈروں کے لئے ایصال ثواب

سوال:- کئی عرصے سے ٹی وی پر دیکھا جا رہا ہے کہ تقریباً ہر بڑے غیر مسلم لیڈر کی برسی کے موقع پر دیگر قوموں کے مذہبی پیشواؤں کی طرح ہمارے علماء دین بھی ان کے ایصال ثواب کے

---

(۱) دیکھئے: مجمع الانہر: ۲/ ۲۸

لئے غیر اسلامی ماحول میں ناپاک مقام پر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، کیا یہ عمل شرعی اعتبار سے جائز ہے؟

(سید فاضل علی قادری، اورنگ آباد)

جواب:- غیر مسلم حضرات کے لئے قرآن مجید کی تلاوت یا کسی اور طریقہ پر ایصال ثواب کرنا یا ان کے لئے استغفار کرنا جائز نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (۱)

"نبی کے لئے اور ایمان والوں کے لئے درست نہیں ہے کہ مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کریں، اگر چہ کہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی ہیں"

اس لئے ماحول کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے اور جگہ کے پاک یا ناپاک ہونے سے قطع نظر بذات خود غیر مسلموں کے لئے استغفار اور ایصال ثواب جائز نہیں، ایسا کرنے والے لوگ گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں اور قرآن مجید کے حکم کی نافرمانی کا عذاب اپنے اوپر لے رہے ہیں۔

---

(۱) التوبۃ: ۱۱۳

قبروں سے متعلق مسائل

قبر کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی

سوال:- بالغ و نابالغ کی قبر کتنی لمبی اور کتنی گہری کھودنی چاہئے؟ (محمد سراج الدین، خیریت آباد)

جواب:- قبر کی گہرائی اور لمبائی کے سلسلہ میں اصل خود مردہ کا قد و قامت ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ قبر کی گہرائی پاؤں سے سینے تک کے بقدر ہونی چاہئے، "لمبائی" مردہ کے قد کے لحاظ سے ہونی چاہئے اور "چوڑائی" اس کے قد کا آدھا ہونا چاہئے، تاہم اگر گہرائی اس سے کچھ زیادہ رکھی جائے تو زیادہ بہتر ہے؛ کیوں کہ اس میں نعش کی حفاظت کا پہلو ہے:

"وینبغي أن یکون مقدار عمق القبر إلی صدر رجل وسط القامة، وکلما زاد فهو أفضل ... طول القبر علی قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامته" (۱)

غرض کہ قبر کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ تدفین میں بھی دشواری نہ ہو اور اس کا بھی لحاظ رہنا چاہئے کہ بقدر ضرورت زمین استعمال کی جائے، زمین ضائع نہ ہو، تاکہ دوسروں کو سہولت ہو۔

---

(۱) الفتاوی الهندیه: ۱/۱۶۶، نیز دیکھئے: الجوهرة النیرة: ۱/۱۳۲

زندگی میں اپنی قبر کی کھدائی

سوال:- کیا زندگی ہی میں اپنی قبر کھدوا کر محفوظ کر لینا جائز ہے؟ (سید صابر حسینی، چھرنگی)

جواب:- بعض حضرات نے اپنی قبر آپ کھدوانے کو مکروہ کہا ہے، لیکن عام طور پر فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، کیوں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اپنی قبر خود کھدوانا ثابت ہے، البتہ زندگی میں اپنے کفن کا انتظام کر کے رکھنا بالاتفاق جائز ہے:

"ويحفر قبرا لنفسه أي لا بأس به ، ويؤجر عليه ، هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهما ، وقيل : يكره ، والذي ينبغي أن لا يكره تهيئة نحو الكفن الخ" (۱)

اس لئے زندگی میں قبر کی جگہ یا قبر کھدوا کر محفوظ کر لینے کی گنجائش ہے۔

مردہ کی اس کے گھر میں تدفین

سوال:- ہمارے یہاں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا، ان کے لڑکوں نے قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے ان کو ان کے گھر میں ہی دفن کر دیا، دوسرے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی، معلوم نہیں کہ مرنے والے شخص نے اس کی وصیت کی تھی یا ورثہ نے بطور خود ایسا کیا، اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ (محمد جنید، اندور)

جواب:- بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کی تدفین عام قبرستان میں ہو، مدینہ منورہ میں عام قبرستان جنت البقیع اور مکہ مکرمہ میں جنت معلیٰ تھا، چنانچہ رسول اقدس ﷺ

---

(۱) رد المحتار ۳/۱۵۴، مطلب في اهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ

کی حیات مبارکہ میں جن حضرات کی وفات ہوئی، وہ ان ہی قبرستانوں میں مدفون ہوئے، آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اسی پر عمل رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ مشہور ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ اگر ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روضہ شریف میں تدفین کی اجازت عنایت کردیں تب تو وہاں دفن کیا جائے ورنہ عام قبرستان میں تدفین ہو۔

اگر عام قبرستان کے بجائے کسی اور کھلی ہوئی جگہ یا صحن وغیرہ میں تدفین ہو اور وہ جگہ دفن کرنے والوں کی ملکیت میں ہو اور ان کی خواہش یا اجازت سے تدفین عمل میں آرہی ہو، تو اس کی بھی گنجائش ہے، بہت سے بزرگوں کے مزارات کی نوعیت یہی ہے لیکن یہ بات کہ مرنے والے کے رہائشی مکان میں ہی اس کو دفن کردیا جائے کراہت سے خالی نہیں، یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی خصوصیت ہے؛ اسی لیے فقہاء نے اس سے منع فرمایا ہے۔

"و لا ينبغي أن يدفن في الدار؛ لأن ذلك سنة الأنبياء" (۱)

جنت البقیع کی مٹی کو مرحومین کی قبر میں ڈالنا

سوال:- ہمارے پڑوس کے ایک صاحب ریاض میں رہتے ہیں، انہوں نے جنت البقیع کی کچھ مٹی بھیجی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ مٹی مرحومین کی قبر پر چڑھا کر کے بھر دیں، جس سے مرحومین کو سکون ملے گا، کیا یہ باعث اجر وثواب ہے؟ (محمد فہیم احمد، کریم نگر)

جواب:- حدیث میں جس مقام کی کوئی فضیلت منقول ہو، اس کا تعلق اس مقام سے ہے نہ کہ وہاں کی مٹی سے، مثال کے طور پر مسجد میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے، اب اگر کوئی شخص مسجد کے فرش کا کچھ حصہ نکال کر اپنے گھر میں لے آئے اور گھر میں اسی فرش پر نماز

---

(۱) فتاوی سراجیہ:۲۴

ادا کرے، تو کیا اس سے مسجد کی فضیلت حاصل ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں، اسی سے جنت البقیع کی مٹی کے معاملہ کو سمجھنا چاہئے، کہ جنت البقیع کی جو فضیلت آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہے وہ اس جگہ سے متعلق ہے، نہ کہ وہاں کی مٹی سے، اگر اس کا تعلق وہاں کی مٹی سے ہوتا تو جو صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ سے نکل کر دوسرے شہر میں آباد ہوئے اور وہیں آسودۂ خواب ہیں، سب سے پہلے انہوں نے یہ عمل کیا ہوتا؛ کیوں کہ ان سے بڑھ کر نہ کوئی شخص منشأ شریعت سے واقف ہو سکتا تھا اور نہ اجر و ثواب کا طلب گار۔

جنت البقیع میں تدفین

سوال:- بہت سے لوگ جنت البقیع میں دفن ہونے کی خواہش کرتے ہیں، کیا مدینہ کے اس قبرستان میں دفن ہونے کی کوئی خاص فضیلت منقول ہے؟ اور حدیث سے اس کا ثبوت ہے؟

(عبدالشکور، مہدی پٹنم)

جواب:- جنت البقیع میں تدفین اور مدینہ منورہ میں وفات کی فضیلت احادیث میں منقول ہے، حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ کے ساتھ جنت البقیع میں گئیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس قبرستان سے ستر ہزار لوگ اٹھائے جائیں گے، جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے اور ان کے چہرے چودھویں شب کے چاند کی طرح ہوں گے''، مولانا ظفر احمد عثمانی نے ''وفاء الوفاء'' کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے(۱) اسی طرح کعب قرظی سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ہمارے اس قبرستان میں دفن ہوگا، ہم اس کے لئے شفاعت کریں گے: "من دفن في مقبرتنا هذه شفعنا له أو شهدنا له"(۲) اسی طرح ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ تم میں سے جو مدینہ میں مر سکے اسے وہاں مرنا چاہئے، یعنی مدینہ میں رہائش اختیار کرنی چاہئے؛ تا کہ اسے وہیں موت آئے؛

---

(۱) إعلاء السنن: ۱۳/ ۲۲۵، حدیث نمبر: ۳۵۸۹ (۲) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۳۵۹۰

اس لئے کہ مدینہ میں جس کی موت ہوگی، قیامت کے دن میں اس کے لئے سفارش کروں گا، یا فرمایا: گواہ رہوں گا (۱) لیکن یہ ایک زائد فضیلت ہے، اصل چیز انسان کے اپنے اعمال ہیں، اگر اعمال بہتر ہوں تو مدینہ میں موت اور جنت البقیع میں تدفین اس کے لئے مزید تقویت اور سعادت کا سبب بن جائے گی، اس لئے محض اس فضیلت پر بھروسہ کر کے عمل سے غافل ہو جانا درست نہیں۔

انتقال کی جگہ پر قبر بنانا

سوال:- ہمارے یہاں ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ ایک صاحب کا انتقال ہوگیا، بہت سے لوگ ان کے معتقد تھے، چنانچہ بعض لوگوں کی رائے ہوئی کہ جس جگہ ان کا انتقال ہوا ہے، وہیں ان کی قبر بنادی جائے؛ چنانچہ ان کے بچوں نے وہیں ان کی قبر بنائی اور اسی جگہ پر ان کی تدفین ہوئی۔ (عبد القدیر، مقام نامعلوم)

جواب:- مردہ کو اس کے مکان میں دفن کرنا درست نہیں ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ صرف انبیاء کی خصوصیت ہے کہ جس جگہ ان کی وفات ہوتی تھی، وہیں ان کو دفن کیا جاتا تھا؛ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب تاتارخانیہ میں ہے:

"وفي النوازل : لا يدفن الميت في الدار ، وفي الولوالجية : وإن كان صغيرا ؛ لأن الدفن مكان الموت سنة الأنبياء، ولا سنة غيرهم " (۲)

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) الفتاوی التاتار خانیہ ۳/۷۵

متفرق مسائل

کیا فسادات کے مقتولین شہداء ہیں؟

سوال:- فسادات اور پولیس کے ساتھ جھڑپ میں جو لوگ فوت ہوتے ہیں کیا وہ شہید ہیں؟ اور کیا انہیں غسل اور کفن دیا جائے گا؟ (سید عبدالقیوم شاہ علی بنڈہ)

جواب:- اگر مرنے والا شخص مظلوم اور بے قصور ہو تو وہ شہید ہے "الشهيد هو كل مسلم طاهر قتل ظلما بغير حق" (۱) ایسے شخص کا حکم یہ ہے کہ اگر حملے کے بعد اسے کھانے پینے، سونے اور علاج کرنے کا موقع نہ ملا ہو اور وہ پہلے سے جنابت کی حالت میں نہیں ہو تو اسے غسل نہیں دیا جائے گا اور اسی کپڑے میں دفن کر دیا جائے گا؛ البتہ اگر جسم پر زائد کپڑے بھی ہوں تو انہیں اتار دیا جائے۔

"من ارتث غسل وحد الارتثاث أن يأكل ويشرب وينام ويداوى وينقل عن المعركة لأنه نال بعض مرافق الحيوة" (۲)

شہید کی ایک صورت

سوال:- ہمارے ایک رشتہ دار صوم و صلوۃ کے پابند ہیں،

(۱) رد المحتار ۳: ۱۵۸ (۲) ہدایہ ۱: ۱۶۲

اپنوں اور غیروں کی خیر خواہی کیا کرتے تھے، لیکن زندگی بھر نہ کبھی سنت کے مطابق داڑھی رکھی اور نہ سنت کے مطابق لباس کی پابندی کی، دیوار گرنے کی وجہ سے اچانک ان کی موت ہوگئی، ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ کوئی شخص دیوار گرنے سے مرجائے تو اس کو شہید کا درجہ ملتا ہے، تو کیا یہ درجہ مذکورہ شخص کو بھی مل سکتا ہے، جس کی وضع قطع اور لباس سنت کے مطابق نہیں تھا، پھر یہ بات بھی سنی ہے کہ اچانک کی موت سے اولیاء کرام پناہ چاہتے ہیں؟

(خان منصور خان، نظام آباد)

جواب:- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ پانچ قسم کے لوگ شہید ہیں، ان پانچ میں آپ ﷺ نے ''صاحب الہدم'' کا بھی شمار کیا ہے، یعنی جس کی موت کسی شئی کے اس پر گر جانے سے واقع ہوئی ہو، (۱) اس لئے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کے ان عزیز کو شہداء میں شامل فرمالیں — رہ گیا بعض جہتوں سے ان کا متبع سنت نہ ہونا تو یہ ان کے شہید ہونے کے منافی نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے اس قصور کو معاف کر سکتے ہیں، اللہ کے خزانۂ عفو میں کوئی کمی نہیں، — اچانک کی موت سے پناہ مانگنے کی دعاء خود حدیث میں بھی سکھائی گئی ہے، لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ اچانک کی موت میں توبہ اور وصیت وغیرہ کا موقع نہیں ملتا، ورنہ اچانک کی موت واقع ہونا مرنے والے کے انجام سے متعلق کوئی خراب علامت نہیں ہے۔

تعزیت کا شرعی طریقہ

سوال:- میت کے وارثین کو پرسہ دینے کا طریقہ کیا ہے؟ برائے مہربانی وضاحت کریں۔

(عاطف سلیم، شکر گنج، حیدرآباد)

---

(۱) مسلم، بیان الشہداء، حدیث نمبر ۴۹۴۰

جواب:- پرسہ دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کے ورثہ سے دلداری کے کلمات کہے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک صاحبزادی کے بیٹے کے انتقال کے موقع پر بیٹی کو تعزیت فرماتے ہوئے لکھا تھا:

"إن لله ما أخذ وله ما أعطى ، وكل إلى أجل مسمى فلتصبر ولتحتسب" (۱)

''جو کچھ اللہ نے لے لیا، وہ اسی کا تھا، اور جو کچھ دیا ہوا ہے، وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اور اللہ کے نزدیک ہر چیز کی عمر مقرر ہے! اس لئے صبر کرنا اور اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہئے''

یہ دلداری کے کلمات ہیں، اس موقع پر دعاء کے کلمات بھی کہنے چاہئیں، بعض اہل علم نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

"أعظم الله أجرك وأحسن عزائك وغفر لميتك" (۲)

''اللہ آپ کے اجر کو بڑھائے، آپ کی مصیبت کو اچھی طرح دور فرمائے اور آپ کے میت کی مغفرت فرمائے''

اگر مریض کو عیادت سے تکدر ہو؟

سوال:- ایک صاحب سے میرے تعلقات بہت خراب ہیں، اور وہ اس وقت کافی بیمار ہیں، بظاہر ان کا صحت مند ہونا دشوار ہے، میں ان کی عیادت کے لئے جانا چاہتا ہوں؛ لیکن تعلقات میں اتنی تلخی پیدا ہو چکی ہے کہ میرا اندازہ ہے کہ میرا ان کے پاس جانا ان

---

(۱) صحيح البخاري ، كتاب التوحيد ، باب ما جاء في قول الله تعالى: إن رحمة الله قريب من المحسنين ، حدیث نمبر: ۷۴۴۸

(۲) رد المحتار: ۱۴۷/۱

کے لئے خوشی کے بجائے ناگواری کا باعث ہوگا، اس حالت میں کیا مجھے ان کی عیادت کرنی چاہیے؟ (ایک بندۂ خدا)

جواب:- عیادت ایک اہم سنت اور قابل اجر و ثواب عمل ہے اور اسے رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق قرار دیا ہے؛ اس لئے آپ کو کوشش کرنی چاہئے کہ عیادت کے اجر سے محروم نہ ہوں، ممکن ہے کہ آپ کا جانا اور محبت و تعلق کا اظہار کرنا باہمی تلخیوں کو دور کردے، اور ان کے لئے خوشی کا باعث ہو جائے، ایسے وقت میں فریق مخالف کا عمل اکثر طمانیت قلب کا باعث بن جاتا ہے؛ تاہم اگر کبھی ایسا تجربہ ہوا ہو کہ آپ کے عیادت کرنے کی وجہ سے انہیں ناراضگی ہوئی ہو اور ان کے تکلیف میں اضافہ ہو گیا ہو، تو پھر یہ درست ہے کہ آپ ان کے لئے دعا پر اکتفاء کریں اور عیادت سے اجتناب برتیں:

"من العيادة المكروهة إذا علم انك تثقل على المريض فلا تعد" (۱)

ڈی این اے ٹسٹ کے لئے مردہ کے جسم سے کوئی ٹکڑا لینا

سوال:- آج کل جرم کی تحقیق کے لئے ایک اہم طریقہ کار ڈی این اے ٹسٹ ہے، ڈی این اے ٹسٹ کے لئے جسم کے کسی حصہ سے ایک معمولی سا جزو لینا پڑتا ہے، اب اگر کسی شخص کا مشتبہ حالت میں انتقال ہو جائے اور ڈی این اے ٹسٹ کے لئے اس کے جسم کا کوئی جزو لینا پڑے تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟

جواب:- جیسے زندہ انسان کا احترام واجب ہے، اسی طرح مردہ کا احترام بھی واجب ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مردہ کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے: "كسر عظم الميت ككسر عظم الحي في الإثم" (۲)؛ لیکن

---

(۱) رد المحتار : ۹/ ۵۵۷

(۲) سنن ابن ماجة ، باب في النهي عن كسر عظام الميت ، حدیث نمبر : ۱۶۱۷

کسی اہم ضرورت کے لئے مردہ کے جسم کو چاک کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، جیسے ایک حاملہ عورت کا انتقال ہو گیا ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہو:

"لو أن حاملا ماتت في بطنها ولد يضطرب ، فإن كان غالب الظن أنه ولد حي وهو في مدة يعيش غالبا فإنه يشق بطنها" (۱)

جرم کی تحقیق بھی ایک ضرورت ہے؛ تاکہ مظلوم کی دادرسی ہو، ظالم کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور ایسے لوگوں کو عبرت ہو؛ چنانچہ اسی نقطۂ نظر سے موجودہ دور کے علماء نے مشتبہ معاملات میں جرم کی تحقیق کے لئے پوسٹ مارٹم کی اجازت دی ہے، پوسٹ مارٹم میں انسان کا جتنا جز نکالا جاتا ہے یہ جو چیر پھاڑ کی نذر ہو جاتا ہے، ڈی این اے ٹسٹ میں اس کے مقابلے بہت ہی معمولی جز لیا جاتا ہے؛ اس لئے یہ صورت بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگی، مگر اسی صورت میں جبکہ غیر طبعی موت کے سلسلہ میں واضح شبہ پایا جاتا ہو۔

---

(۱) تحفۃ الفقہاء: ۳۴۳/۲

سجدۂ تلاوت اور سجدۂ شکر کا بیان

اگر رکوع یا قعدہ میں سجدۂ تلاوت یاد آجائے؟

سوال:- اگر نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کرلی اور سجدہ کرنا بھول گئے، رکوع میں، سجدہ میں، یا قعدہ میں یاد آگیا تو کیا کرنا چاہئے؟ (انور حسین، ممتاز باغ)

جواب:- سجدۂ تلاوت قرآن پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر واجب ہے اور نماز میں اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی تو اس سجدہ کا محل نماز ہی ہے، نماز کے بعد وہ سجدہ نہیں کیا جاسکتا، اگر نماز کے اندر یاد آجائے تو ایک صورت یہ ہے کہ اسی وقت سجدہ کرلے، اگر رکوع میں ہے تو رکوع ہی سے سجدہ میں چلا جائے، قعدہ میں ہے تو اسی حالت میں سجدہ میں چلا جائے اور سجدہ سے لوٹ کر اس رکوع یا قعدہ کو دوبارہ ادا کرلے، یہ بہتر ہے، اگر اس کو دوبارہ ادا نہیں کیا، تب بھی نماز درست ہوجائے گی، سجدہ میں یاد آجائے تو اس سجدہ کے بعد سجدۂ تلاوت بھی کرلے، دوسری صورت یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت یاد آنے کے بعد بھی افعال نماز کو ادا کرتا رہے، یہاں تک کہ آخر میں یعنی سلام سے پہلے سجدۂ تلاوت کرلے؛ کیوں کہ پوری نماز ایک ہی مجلس کے حکم میں ہے؛ لہٰذا اگر سجدۂ تلاوت میں تاخیر ہو؛ لیکن نماز پوری ہونے سے پہلے سجدہ کرلیا جائے تو یہ اسی مجلس میں سمجھا جائے گا:

" المصلي إذا نسي سجدة التلاوة في موضعها ثم

زکوۃ واجب ہونے کی شرطیں

زکاۃ کا مال اور زکاۃ کی شرح

سوال:- زکوۃ کی شرح کی بنیاد کیا ہے، یہ آمدنی کا ڈھائی فیصد ہے یا بچت کا؟ (نظیر سہروردی، راجیو نگر)

جواب:- شریعت نے ہر طرح کے مال میں زکاۃ واجب قرار نہیں دی ہے؛ بلکہ کچھ مالوں میں زکوۃ رکھی گئی ہے، جانوروں میں بکرے بکریاں، گائے بیل، بھینس اور اونٹ، کرنسی خواہ کسی ملک کی ہو، سامان تجارت، خواہ کسی چیز کی تجارت ہو اور زرعی پیداوار، یہ مال خواہ اصل دولت ہو یا اس کی بچت، صاحب نصاب ہونے کی تاریخ کے وقت جتنا بھی مال موجود ہو، اس کی زکاۃ واجب ہے، اس میں اصل دولت اور بچت کی کوئی تفریق نہیں، زرعی پیداوار کی زکاۃ میں چوں کہ سال کا گزرنا ضروری نہیں؛ اس لئے ہر فصل میں اس فصل کی پیداوار پر زکاۃ دینی ہوگی، زکاۃ کی شرح سونا چاندی، روپے اور مال تجارت میں ڈھائی فیصد ہے، زرعی پیداوار میں کبھی پانچ فیصد اور کبھی دس فیصد، اور جانوروں میں مختلف جانوروں کے حساب سے الگ الگ شرحیں ہیں۔

ڈھائی فیصد واجب ہونے کا ثبوت

سوال:- یہ جو بات کہی جاتی ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی میں زکاۃ واجب ہوتی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ زکوۃ

ڈھائی فیصد ادا کرنی ضروری ہے، کیا یہ بات حدیث سے ثابت ہے
یا قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے؟ (ابوسعید، مہدی پٹنم)

جواب:- حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ دوسو درہم میں پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، جو اضافہ ہوگا، اس میں اسی کے حساب سے اضافہ ہوگا:

"فإذا كانت مائتي درهم ففيها خمسة دراهم ، فما زاد فعلى حساب ذلك ... " (۱)

درہم چاندی کا سکہ ہوا کرتا تھا اور دوسو درہم ہندوستان کے قدیم اوزان کے مطابق ساڑھے باون تولہ (بحساب ۱۲ گرام = ۱ تولہ) چاندی کا ہوتا تھا، موجودہ اوزان میں اس کی مقدار ۶۱۲ گرام سے کچھ زیادہ ہے؛ اس لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اسی حدیث میں اس بات کی بھی صراحت آگئی کہ درہم میں بطور زکوٰۃ چالیسواں حصہ واجب ہے، اور چالیسواں حصہ ڈھائی فیصد ہوتا ہے، غرض کہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں یہ دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں۔

نصاب میں اضافہ اور سال کا گذرنا

سوال:- میرے پاس دس تولہ سونا پہلے سے ہے، جس پر سال گذر چکا ہے، مزید دس تولہ ابھی حاصل ہوا ہے، جس پر سال نہیں گذرا تو اب مجھے دس تولہ کی زکاۃ ادا کرنی ہوگی یا بیس تولہ کی؟
(عبدالشکور، مانصاحب ٹینک)

جواب:- زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لئے سال کا گذرنا ضروری ہے؛ لیکن یہ اس وقت جب کہ وہ پہلی مرتبہ نصاب کا مالک ہوا ہو، ایک دفعہ جب آدمی صاحب نصاب ہو جائے تو اس میں جو اضافہ ہو، اس پر سال گذرنا ضروری نہیں؛ لہٰذا جب پہلے سے دس تولہ سونا آپ

---

(۱) سنن أبي داؤد ، كتاب الزكاة ، باب في زكاة السائمة ، حدیث نمبر: ۱۵۷۳

کے پاس موجود تھا، جس پر سال گذر چکا ہے اور اس پر دس تولہ کا اضافہ ہوا ہے تو اگرچہ دس تولے پر ابھی سال نہیں گذرا ہے، پھر بھی اس پورے بیس تولہ کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

زکوۃ پورے نصاب پر ہے

سوال:- سونا دس تولے موجود ہوں تو دس تولے پر زکوۃ ہے یا ساڑھے سات تولے پر؟ اور ساڑھے سات تولے سے زائد سونے پر زکوۃ ہے یا مکمل ساڑھے سات تولہ پر؟

(تمیر احمد، بانصاحب ٹینک)

جواب:- دس تولہ سونا موجود ہو تو پورے دس تولہ پر زکوۃ واجب ہوگی، سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ساڑھے سات تولہ سے کم پر زکوۃ نہیں ہوگی، لیکن جب ساڑھے سات تولہ ہوجائے یا اس سے بڑھ جائے تو اس پورے سونے پر زکوۃ واجب ہوگی۔

مقدار نصاب سے زیادہ زکوۃ

سوال:- فقیر محتاج شخص کو مقدار نصاب زکوۃ دینے کو علماء مکروہ قرار دیتے ہیں، لیکن بعض دفعہ مستحق زکوۃ کثیر العیال ہوتا ہے اور آج کل چاندی کے نصاب کے لحاظ سے نصاب کی قیمت بہت کم ہو جاتی ہے، اگر اتنی کم رقم اسے دی جائے تو اس کی ضروریات پوری نہیں ہوسکیں گی؟ (محمد بشیر اللہ، امیر پیٹ)

جواب:- فقہاء نے جہاں ایک شخص کو نصاب کی مقدار زکوۃ دینے کو مکروہ قرار دیا ہے، وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مقروض ہو یا اس کا کنبہ بڑا ہو کہ کنبہ کے تمام افراد پر اگر رقم تقسیم کردی جائے تو فی کس مقدار نصاب سے کم رقم پڑتی ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں:

"وكره إعطاء فقير نصابا إلا إذا كان مديونا وصاحب

عیال لوفرقه علیهم لایخص کلا نصاب "(۱)

اس طرح ایسے ضرورت مند شخص کے لئے کئی نصاب ادا کرنے کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے۔

زکوٰۃ کا حساب کس کیلنڈر سے؟

سوال:- زکوٰۃ کا سالانہ حساب شمسی مہینہ سے کریں یا قمری مہینہ سے؟ کیوں کہ دونوں کے درمیان چند سالوں میں ایک سال کا فرق ہو جاتا ہے۔ (محمد نعیم الدین، نولی چوکی)

جواب:- شریعت میں جو احکام ماہ و سال سے متعلق ہیں، ان میں مہینہ سے چاند کا مہینہ مراد ہے، چاہے روزہ، حج اور عدت کے مسائل ہوں، یا زکاۃ کے؛ کیوں کہ قرآن مجید نے چاند کو اوقات اور مدت کے جاننے کا ذریعہ قرار دیا ہے: ﴿قل هي مواقيت للناس و الحج﴾ (۲) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا، ظاہر ہے کہ یہ کیفیت قمری مہینوں کی ہی ہوتی ہے، فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے کہ زکاۃ میں چاند کے مہینہ کا اعتبار ہوگا اور اسی لحاظ سے ایک سال کی مدت شمار کی جائے گی۔

استعمال کی گاڑیاں اور زکوٰۃ

سوال:- میرے پاس گھریلو استعمال کے لئے ایک کار تین لاکھ روپے کی اور دو موٹر سائیکل ہیں، جس کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے، جو استعمال میں ہے اور ایک کار چھ ماہ قبل سات لاکھ روپے میں لیا ہوں تاکہ موٹر سائیکل نکال کر اسے استعمال کریں، ان میں سے کس پر زکوٰۃ واجب ہے؟ (محمد سمیع الدین، بازار گھاٹ)

---

(۱) رد المحتار: ۳۰۳/۳

(۲) البقرة: ۱۸۹

جواب: سونے چاندی کے علاوہ جو اشیاء استعمال کے لئے ہوں، ان میں زکوٰۃ واجب نہیں، خواہ وہ کتنی ہی قیمتی ہوں، اس لئے آپ نے جو گاڑیاں استعمال کے لئے لی ہیں، ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں تجارت کے لئے اگر آپ نے ان گاڑیوں کو خرید کیا ہوتا تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی۔

کرایہ کے مکان پر زکوٰۃ

سوال: میرے پاس ایک فلیٹ ہے جس کی آج قیمت پندرہ لاکھ روپے ہے، اس کا ماہانہ کرایہ تین ہزار روپے آرہا ہے، کیا اس کے کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہے یا اس کی قیمت پر؟

(محمد سمیع الدین، باز رگھاٹ)

جواب: — کرایہ پر لگائی جانے والی چیزوں میں زکوٰۃ نہیں ہے، خواہ مکان ہو، گاڑی ہو، یا کوئی اور قابل استعمال چیز، لہٰذا آپ کے فلیٹ کی اصل قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے، بلکہ جس دن آپ زکوٰۃ کا حساب کریں، اس دن کرایہ کی جو رقم بچی ہوئی آپ کے پاس موجود ہو یا بینک وغیرہ میں محفوظ ہو، دوسرے پیسوں کے ساتھ ملا کر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

کرایہ کی رقم میں زکوٰۃ

سوال: — ہمارے تین مکانات کرایہ پر ہیں، ایک مکان ڈھائی لاکھ میں رہن پر ہے، بلکہ کی زمین کا کچھ حصہ بھی کرایہ پر دیا ہے، دوسری جگہ خود ہم لوگوں نے کارخانہ کے لئے جگہ کرایہ پر لے رکھی ہے، اسی بلکہ کے کرایہ سے کارخانہ کی جگہ کا کرایہ ادا کیا جاتا ہے، اب تینوں مکانوں کا ایڈوانس کرایہ تیس ہزار روپے پر ہم لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں، ماہانہ کرایہ تینوں مکانات کا جو نو ہزار روپے آتا ہے، اسی سے روز مرہ کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، کیا اس پر سالانہ حساب

سے زکوٰۃ واجب ہے؟   (سمیع الدین قادری، بازار گھاٹ)

جواب:- جو چیزیں کرایہ پر لگائی جائیں، ان کی اصل قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ ہر سال زکوٰۃ کا حساب کرنے کے لئے جو تاریخ آپ نے مقرر کر رکھی ہے، اس تاریخ میں جو رقم بچ رہے، اس میں دوسری رقوم کے ساتھ ساتھ اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، اس لئے آپ صرف یہ دیکھیں کہ جس دن زکوٰۃ کا حساب کرتے ہیں، اس دن تیس ہزار ازوانس اور نو ہزار ماہانہ میں کیا رقم بچ رہتی ہے، اگر وہ دوسری رقوم اور سونا چاندی کے ساتھ مل کر مقدار نصاب کو پہنچ جائے، تو ان کی زکوٰۃ ادا کردیں، جو رقم پہلے خرچ ہو چکی، ان کی زکوٰۃ واجب نہیں اور اگر یہ رقم مقدار نصاب کو نہیں پہنچتی ہو، یا پہنچتی ہو لیکن قرض اتنا باقی ہو کہ اس کو ادا کرنے کے بعد مقدار نصاب نہیں رہ پاتی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

پگڑی اور ایڈوانس کی زکوٰۃ

سوال:- مالک مکان و دکان کرایہ دار سے پگڑی یا ڈپازٹ کے طور پر ایک خطیر رقم حاصل کرتے ہیں، اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، اور مالک مکان پر واجب ہوگی یا کرایہ دار پر؟   (عبد الشکور، ملے پلی)

جواب:- پگڑی کی رقم کی حیثیت موجودہ دور کے اہل علم کے نقطۂ نظر کے مطابق حق قبضہ کے معاوضہ کی ہے، یعنی جب مالک مکان پگڑی لے کر کسی کو مکان کرایہ پر دیتا ہے تو وہ حق ملکیت اپنا باقی رکھتا ہے اور حق قبضہ کرایہ دار سے فروخت کر دیتا ہے؛ لہٰذا پگڑی مکان دار کی ہوگی، رقم پر کرایہ دار کا کوئی حق باقی نہیں رہتا؛ اس لئے اس کی زکوٰۃ کرایہ دار پر واجب نہیں ہوگی؛ بلکہ مالک مکان جس تاریخ کو زکوٰۃ کا حساب کیا کرتا ہے اس تاریخ کو پگڑی کی رقم میں سے جتنی رقم باقی رہ جائے، اس پر دوسری رقموں کے بشمول زکوٰۃ واجب ہوگی۔

کرایہ دار ایڈوانس کے طور پر جو رقم ادا کرتا ہے، وہ اصل میں تو امانت ہے، اس لئے

اس میں مالک مکان کو تصرف نہیں کرنا چاہئے ؛ لیکن عملاً ایسا نہیں ہوتا ؛ بلکہ مالک مکان اس میں تصرف کیا کرتا ہے تو اگر ایڈوانس کی رقم بطور امانت لی گئی ہو اور طے پایا ہو کہ مکان خالی کرنے پر یہی رقم واپس کی جائے گی تو اس رقم کی حیثیت رہن کی ہے، کرایہ دار پر اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی ؛ کیوں کہ مال رہن میں زکاۃ واجب نہیں ہوتی ، اور اگر مالک نے اس رقم کو خرچ کئے بغیر محفوظ رکھا ہے تو اس پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی ؛ کیوں کہ وہ اس کا مالک نہیں ہے ، اور اگر اس نے اس رقم میں تصرف کرلیا اور دوسرے اموال کے ساتھ خلط ملط کردیا تو اس کے تمام پیسوں پر زکاۃ واجب ہوگی ؛ کیوں کہ یہ رقم اب اس کی ملکیت میں آگئی ؛ البتہ جس سال وہ اس رقم کو واپس کرے گا ، اس سال زکوۃ ادا کرنے میں قرض کی رقم منہا ہوجائے گی ۔ واللہ أعلم ۔

نابالغ کے مال میں زکوۃ

سوال:- ہم نے اپنے بچوں کے نام کچھ رقم بینک میں کرائی ہے ، یہ بچے چار ، چھ اور آٹھ سال کے ہیں ، یہ رقم ایک خاص عمر تک پہنچنے کے بعد ان بچوں کو ملے گی ، کیا اس رقم میں بھی زکوۃ واجب ہوگی ؟ (حسن الدین ، مہدی پٹنم)

جواب:- زکوۃ ایک عبادت ہے اور عبادتیں بالغوں پر واجب ہوتی ہیں ، اس لئے جو رقم آپ نے اپنے بچوں کے نام سے محفوظ کردی ہیں اور ان کو اس کا مالک بنادیا ہے ، اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی : " شرط افتراضها : عقل و بلوغ و إسلام و حرية " (۱) ، بالغ ہونے کے بعد اگر اس رقم پر سال گذر جائے تو اس وقت ایک سال کی زکوۃ واجب ہوگی ، البتہ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ بینک میں رقم فکسڈ پازٹ کرانا اور اس پر سود حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر کرادیا ہو تو رقم وصول کرلی جائے اور اصل جمع شدہ رقم سے زائد جو رقم ملے ، اسے بلا نیت ثواب غرباء پر خرچ کردیا جائے ۔

---

(۱) درمختار مع الرد : ۳/۱۷۳

ویزا کی محفوظ رقم میں زکوۃ

سوال:- زید کے پاس ویزا کے لئے پیسے ہیں، ایک سال سے کوشش جاری ہے، لیکن ویزا نہیں مل رہا ہے، تو کیا ان پیسوں پر زکوۃ واجب ہوگی؟

(محمد مختار، بنگلور)

جواب:- شریعت کی نظر میں سونا، چاندی اور روپیہ پیسہ افزائش پذیر مال ہے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں "مال نامی" کہتے ہیں، اس لئے اس میں بہر حال زکوۃ واجب ہوگی، سوائے اس کے کہ وہ بطور امانت کے ہو، یا بطور قرض حاصل کئے گئے ہوں، لہذا جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں زکوۃ واجب ہوگی، ہوسکتا ہے کہ زکوۃ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ویزے کے مسئلہ کو آسان فرمادیں۔

زر ضمانت کی زکوۃ

سوال:- بعض دفعہ مکانات کرایہ پر لیتے ہوئے مالک مکان کو کچھ پیشگی رقم بطور زر ضمانت دی جاتی ہے، اس رقم کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی، کرایہ دار پر یا مالک مکان پر؟

(شفیع احمد، مہدی پٹنم)

جواب:- مالک مکان کے پاس وہ رقم اگر کرایہ دار کی امانت ہے، جب بھی وہ مکان خالی کرے، اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے؛ لیکن چوں کہ مکان کا ضرورت مند ہونے اور طویل عرصہ تک مکان خالی کرنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے وہ اس رقم کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا؛ اس لئے موجودہ عہد کے علماء کی رائے ہے کہ کرایہ دار پر اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔(۱)

---

(۱) نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص: ۵۸، پانچواں فقہی سیمینار

شادی کے لئے محفوظ رقم پر زکوٰۃ

سوال:- ایک وظیفہ یاب شخص کو سرکاری جانب سے خطیر رقم ملی ہے، اس کی تین لڑکیوں کی شادی باقی ہے، اس نے یہ رقم ان بچیوں کی شادی کے لئے رکھ رکھا ہے تو کیا ان روپیوں میں زکوٰۃ واجب ہوگی؟　　(ابوسعید، مہدی پٹنم)

جواب:- روپیہ پیسے اور سونا چاندی اگر کسی شخص کی ملکیت میں ہے تو خواہ وہ کسی بھی مقصد کے تحت ہو، اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی، لہٰذا اگر آپ نے ان رقموں کا لڑکیوں کو مالک بنا دیا ہے اور وہ بالغ ہیں تو ان پر زکاۃ کی ادائیگی واجب ہوگی اور اگر وہ نابالغ ہیں تو جب تک بالغ نہ ہو جائیں، اس روپیہ میں زکاۃ واجب نہیں؛ کیوں کہ نابالغ پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی اور اگر اس رقم کو آپ نے اپنی ملکیت میں رکھ رکھا ہے تو آپ کو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؛ البتہ جس سال لڑکی کی شادی ہو رہی ہے، اس سال اس کے لئے محفوظ کی گئی رقم کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ بعض اہل علم نے اس سال کی حد تک اس رقم کو حاجت اصلیہ یعنی بنیادی ضروریات میں شامل کیا ہے، جن کو زکاۃ سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، اسی طرح اگر اس رقم سے اس لڑکی کے لئے اشیاء جہیز خرید کی جائیں، جو سونے اور چاندی کے علاوہ ہوں تو ان میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

ہدیہ کا وعدہ کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ

سوال:- میرے لڑکے نے اپنی ذاتی کمائی میں سے مجھے ایک لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا ہے، آج تک وہ رقم مجھے وصول نہیں ہوئی ہے، اور وہ رقم میری نہیں ہے، بلکہ لڑکے کی طرف سے ہدیہ ہوگی، کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟ (عبدالکریم، مہدی پٹنم)

جواب:- ہدایا اور تحائف پر — خواہ والدین اور اولاد ہی کی طرف سے کیوں نہ

ہوں، — جب تک دے نہیں دیئے جائیں اور ان پر قبضہ نہیں ہوجائے، ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے، اس لئے آپ کے لڑکے نے جس رقم کا وعدہ کیا ہے، وہ ابھی آپ کی ملکیت نہیں ہے، اور زکوٰۃ اس مال میں واجب ہوتی ہے، جو آپ کی ملکیت میں ہو، اس لئے اس وعدہ کی رقم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، ہاں، جب رقم وصول ہوجائے اور سال گزر جائے، یا اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہوں اور زکوٰۃ کا حساب کرنے کی تاریخ آجائے، اس وقت اس میں سے جو رقم بچی ہوئی موجود ہے، اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

موبائل اور زکاۃ

سوال:- اگر کسی شخص کے پاس ایک سے زائد سیل یا موبائل ہو اور ان کی قیمت اس حد تک پہونچ جائے جس سے آدمی صاحب نصاب ہوجاتا ہے تو اتنے قیمتی موبائل رکھنے کی وجہ سے اس پر زکاۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں، جب کہ اس سے کم قیمت کے موبائل سے بھی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے؟

(قاری ایم ایس خان، ملک پیٹ)

جواب:- اگر موبائل تجارت کے لئے ہو تب تو مال تجارت ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہوگی، بشرطیکہ اس کی قیمت تنہا یا اس کے پاس موجود دیگر اموال زکوٰۃ سے مل کر نصاب کی قیمت کو پہونچ جائے، اور اگر وہ فروخت کرنے کے لئے نہیں ہو، استعمال کرنے کے لئے ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ کیوں کہ زکوٰۃ مخصوص اموال میں واجب ہوتی ہے اور موبائل اس میں شامل نہیں ہے؛ لیکن اگر ایک شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ اتنے موبائل موجود ہوں جو نصاب کی قیمت کو پہونچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہوگی، صدقۂ فطر واجب ہوگا اور اس کے لئے زکوٰۃ کا لینا درست نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ان احکام کے لئے شریعت کی طرف سے متعین اموال زکوٰۃ کا پایا جانا ہی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اس کی قیمت کا بقدر نصاب پہونچ جانا بھی کافی ہے —— یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے؛ لیکن یہ بات بھی

پیش نظر رہنی چاہئے کہ موبائل کی کثرت سے پیسے بھی ضائع ہوتے ہیں، وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور بعض اوقات انسان لہو و لعب میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے؛ اس لئے موبائل کی کثرت اور زائد از ضرورت موبائل کا استعمال کراہت سے خالی نہیں۔

فکسڈ ڈپازٹ اور زکوٰۃ

سوال:- زید کے پاس دو لاکھ روپے ہیں، جن کو زید نے فکس ڈپازٹ کرادیا ہے، وہ پازٹ زید ہی کے نام سے ہے؛ لیکن نام پشن بچی کا ہے، اور اس کی شادی کی غرض سے رقم ڈپازٹ کی گئی ہے، یہ ڈپازٹ ایک سال کے لئے کروائی گئی ہے جس کی مدت ماہ فروری سے دوسرے سال فروری ہوا کرتی ہے، خود زید پر بیس ہزار کا قرض ہے، اور کوئی نقد رقم موجود نہیں، جس سے زکوٰۃ ادا کر سکے، تو کیا زکوٰۃ اقساط میں ادا کی جاسکتی ہے؟ اور ادا کی جائے تو کتنی رقم پر کتنی ادا کی جائے؟ (اکرام الدین، سات گنبد)

جواب:- اگر آپ نے لڑکی کو اس مال کا مالک بنادیا ہے، تو اب زکوٰۃ کے واجب ہونے اور نہ ہونے کا تعلق آپ کی لڑکی سے ہے، اگر لڑکی ابھی نابالغ ہے، تو جب تک بالغ نہ ہو جائے، زکوٰۃ واجب نہیں، کیونکہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے، اور عبادت بالغوں پر ہی واجب ہوتی ہے:

"فلا تجب على مجنون وصبي ؛ لأنها عبادة محضة" (۱)

اگر آپ ابھی اس پر اپنی ملکیت باقی رکھتے ہیں، یا لڑکی بالغ ہے اور آپ نے اسے مالک بنادیا ہے، تو ہر دو صورت میں اس مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر ابھی زکوٰۃ ادا نہ کر سکیں،

---

(۱) رد المحتار: ۱۷۳/۳

تو آئندہ حسب سہولت ایک ساتھ یا اقساط میں زکوۃ ادا کر سکتے ہیں، البتہ جس قدر ممکن ہو جلد ادا کردیں۔ " افتراضها عمري أي على التراخي " (۱)

زکوۃ میں قمری سال کا اعتبار ہے، اس لئے چاند کے مہینوں کا حساب رکھیں نہ کہ انگریزی مہینہ کا۔ " وحولها قمري لا شمسي " (۲)

پیسوں میں زکوۃ ڈھائی فیصد یعنی ایک لاکھ پر ڈھائی ہزار کے حساب سے واجب ہوتی ہے۔

یہ تو آپ کے سوال کا جواب ہے، لیکن یاد رکھیں کہ فکسڈ ڈپازٹ (Fixed deposit) میں جو زیادہ رقم ملتی ہے وہ سود ہے، اس لئے اول تو فکس ڈپازٹ کرانا ہی جائز نہیں، اور اگر کرالیا ہو تو جو زائد رقم ملے، اس کو غرباء پر یا رفاہی کاموں میں خرچ کر دینا واجب ہے:

" لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه (۳)

" و يتصدق بلا نية الثواب إنما ينوي به براءة الذمة " (۴)

---

(۱) حوالہ سابق: ۳/۱۹۱ (۲) حوالہ سابق: ۳/۲۲۳

(۳) رد المحتار: ۵/۲۳۵، کتاب الحظر و الإباحة ، فصل في البيع ، ط: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

(۴) القواعد الفقهية ص: ۱۱۵

مالِ تجارت کی زکوٰۃ

مالِ تجارت سے مراد

سوال:- میں نے گزشتہ دو سال قبل ایک زمین کا پلاٹ تقریباً ۱۵ ہزار روپے میں خریدا، تاکہ مستقبل میں بچوں کی تعلیم و دیگر ضروریات میں کام آئے، میرے پاس اس کے علاوہ کوئی جائیداد نہیں ہے، میں سونے کے زیورات وغیرہ کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، تو کیا اس پلاٹ پر بھی زکوٰۃ نکالوں؟

(حبیب محمد، رشید نگر کالونی)

جواب:- اصول یہ ہے کہ جس مال کو بیچنے ہی کی نیت سے خرید لیا ہو، اس کا شمار مالِ تجارت میں ہوگا، اور جو چیز اپنے استعمال میں رکھنے کی نیت سے خریدی گئی، البتہ ذہن میں یہ بات ہے کہ کبھی ضرورت ہوئی تو فروخت بھی کردیں گے، تو یہ تجارت کی نیت نہیں ہوئی، اس لئے وہ سامانِ تجارت نہیں ہوا، اس اصول کی روشنی میں آپ اپنی نیت کا جائزہ لیں، اگر آپ کا ارادہ یہ تھا کہ زمین پر کچھ عمارت بنائیں گے تاکہ اس کا کرایہ بچوں کی تعلیم میں کام آئے اور دیگر ضروریات پوری ہوں، تب تو پلاٹ کی اصل قیمت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، اور اگر یہ خیال تھا کہ بچوں کی تعلیم کے لئے اسے فروخت کردیں گے، گویا بیچنے کا ارادہ تھا، تب اس پلاٹ کی قیمت میں بھی زکوٰۃ ادا کردیں، یا کوئی چیز فروخت کرکے اس کی قیمت سے زکوٰۃ ادا کریں اور اگر

ابھی زکوۃ ادا نہ کرسکیں تو حساب لکھتے جائیں اور جب زمین فروخت کریں، اس وقت اس پورے عرصہ کی زکوۃ ادا کردیں، بہر حال بہتر یہی ہے کہ بروقت زکوۃ ادا کرتے جائیں۔

تجارت کی نیت سے خریدے ہوئے پلاٹ میں زکوۃ

سوال:- زید کے پاس کچھ پلاٹس خریدے ہوئے ہیں، جو بچوں کی پرورش اور تعلیم کی غرض سے ہیں، اس کی زکاۃ ادا کرتے وقت سابقہ قیمت پر زکاۃ ادا کی جائے یا پھر قیمت حال پر؟

(سالم بن حسن، نظام آباد)

جواب:- بچوں کی پرورش اور تعلیم کی غرض سے پلاٹ خریدنے کا مطلب یہ ہے کہ خریدار کی نیت اس کو فروخت کرنے کی تھی اور جب کوئی چیز فروخت کرنے کی نیت سے خریدی جائے تو وہ مال تجارت شمار ہوتی ہے، خواہ اس کو بیچنے کا مقصد کچھ بھی ہو، اور مال تجارت پر زکاۃ موجودہ بازاری قیمت کے لحاظ سے واجب ہوتی ہے؛ اس لئے زید پر موجودہ نرخ کے لحاظ سے پلاٹس کی قیمت پر زکاۃ نکالنا واجب ہے۔

زکوۃ نفع پر ہوگی یا پورے مال تجارت پر؟

سوال:- ۱۹۹۵ء میں ایک زمین پچیس لاکھ روپیوں میں خریدی گئی اور اس پر عمارت تعمیر کی گئی، جس میں ایک کروڑ ایک لاکھ تک نفع آیا، مکمل دکان و مکان ۲۰۰۲ء تک فروخت ہوئے، جن کی مجموعی قیمت ایک کروڑ اٹھاسی لاکھ حاصل ہوئی، کل نفع باسٹھ لاکھ ہوا، زید کے حصہ کا نفع شراکت دار کی حیثیت سے اکتیس لاکھ ہوا، اب مذکورہ مسئلہ میں زکوۃ کی کیا شکل ہوگی؟ زمین خریدی گئی:

سن 1995 میں خریدی قیمت : 25,000,00/= سرکاری کاغذات و تعمیری خرچ:=1,01,000,00/

سن 1996 تا 2002 میں قیمت فروخت =/1,88,00,000

سن 2002 میں کل نفع =/62,00,000 زید کا نفع :

=/31,00,000

(۱) ادائے گی زکوۃ کی شکل کیا ہوگی، یعنی کیا ہر سال مکمل مال میں زکوۃ نکالنی ہوگی یا نفع پر؟

(۲) سرکاری خرچ وضع ہوں گے یا نہیں؟

(۳) نفع سے انکم ٹیکس کی قیمت منہا کی جائے گی یا نہیں؟

(صغیر احمد، وانمباڑی)

جواب:- جب آپ نے زمین مکانات بنا کر فروخت کرنے کے ارادے سے خرید کی اور اس میں تعمیر بھی اسی نیت سے کیا، تو یہ پورا کا پورا مال تجارت ہوا؛ لہٰذا اس کاروبار میں جو لوگ شریک ہیں، اپنے اپنے شیئر میں ان پر زکوۃ واجب ہوگی، زکوۃ صرف نفع میں واجب نہیں ہوگی، بلکہ پورے مال میں واجب ہوگی، البتہ قیمت لگانے میں ہر سال اس سال کی قدر کے لحاظ سے حساب کیا جائے گا، مثلاً 1995ء میں صرف زمین کی قیمت لگے گی، 1996ء سے 2002ء تک جتنا حصہ تعمیر شدہ تھا، زمین کے علاوہ اتنے تعمیر شدہ حصہ کی قیمت بھی لگائی جائے گی، 2002ء میں زمین اور پوری عمارت کی قیمت لگے گی، اور اس طرح ہر سال زمین اور عمارت کی قدر کے لحاظ سے ڈھائی فیصد کی شرح سے زکوۃ واجب ہوگی، جس سال سرکاری کاغذات پر رقم خرچ ہوئی ہے، اس سال اتنی رقم منہا کرکے بقیہ میں زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

ریئل اسٹیٹ بزنس میں مشغول سرمایہ پر زکوۃ

سوال:- ریئل اسٹیٹ بزنس میں زمین خرید کر فروخت کی جاتی ہے اور فلیٹس بنا کر بھی بیچے جاتے ہیں، ایسے کاروبار میں جو

پیسہ لگایا جائے، کیا اس میں زکوۃ واجب ہوگی؟

(محمد کلیم الدین، حافظ بابا نگر)

جواب:- حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ جو مال تجارت کے لئے ہو، ہم اس میں سے زکوۃ نکالا کریں:

"كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي يعد للبيع"(۱)

لہٰذا تجارت جس چیز کے لئے بھی کی جائے، اس میں زکوۃ واجب ہوگی، اس لئے جو زمین بیچنے کے لئے خریدی گئی ہو اور جو مکان فروخت کرنے کے لئے تعمیر کیا گیا ہو، اس کی مالیت پر بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، اگر کسی شخص نے اس میں پیسے لگائے اور خود کام نہیں کیا تو گو وہ ورکنگ پارٹنر نہیں ہے؛ لیکن پارٹنر ضرور ہے، اس لئے بہ حیثیت شریک اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی اور یہ بات کافی نہیں ہوگی کہ جو رقم ادا کی ہے، اس کے لحاظ سے زکوۃ ادا کردے؛ بلکہ رقم کے لحاظ سے تجارت میں اس کا جو شیئر بنتا ہو اور اس شیئر کی جو موجودہ مارکیٹ قیمت ہو، اس لحاظ سے زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

تجارت میں لگائی ہوئی رقم پر زکوۃ

سوال:- زید کے پاس دولاکھ روپے ہیں اور اس نے کسی دوسرے صاحب کو تجارت کے لئے دے دیا ہے، نفع ونقصان میں دونوں صاحب شریک ہوں گے، ایک سال کا عرصہ گزر گیا ہے، اب تک اس میں کوئی نفع نہیں ہوا ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مذکورہ رقم پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ (محمد مسلم، بالصاحب ٹینک)

جواب:- روپیہ جس حال میں بھی ہو، اس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے، یہی حکم سامان تجارت کا ہے، کہ تجارت کے لئے جو بھی سامان لیا جائے اس میں زکوۃ واجب ہوگی؛ لہٰذا جب یہ رقم آپ نے تجارت میں لگانے کے لئے دی ہے، تو اگر یہ ابھی روپیوں ہی کی صورت

(۱) سنن أبي داؤد، حديث:۱۵۶۲

میں ہو، تو اس رقم کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اور اگر اس رقم سے سامانِ تجارت خرید کرلیا گیا ہو، تو اس سامان کی موجودہ قیمت کے لحاظ سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، اس لئے آپ ان سے دریافت کرلیں کہ کیا یہ رقم سامانِ تجارت میں تبدیل ہوچکی ہے؟ اور اگر تبدیل ہوچکی ہے، تو اس وقت اس کی کیا قدر ہے، موجودہ قدر و قیمت کے لحاظ سے ہی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

پلاٹ میں زکوٰۃ

سوال:- میں سونا چاندی کے حساب سے صاحب نصاب ہوں، الحمد للہ میں اس پر زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، اس کے علاوہ میں ایک عدد پلاٹ کا مالک ہوں، جس پر کوئی تعمیر نہیں ہوئی ہے اور نہ کوئی آمدنی ہے، کیا اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

(محمد عبدالحلیم، یوسف گوڑہ)

جواب:- اگر آپ نے یہ پلاٹ اس پر مکان تعمیر کرنے یا اپنی ملکیت میں رکھنے کے لئے خرید کیا ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں؛ کیوں کہ زمین ان چیزوں میں شامل نہیں ہے، جن میں زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے؛ لیکن اگر خرید کرتے وقت نیت تھی کہ اسے فروخت کردیں گے اور بیچنے کا پختہ ارادہ تھا، تو اب اس کو شمار مالِ تجارت میں ہوگا اور پلاٹ کی موجودہ قیمت کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی؛ کیوں کہ سامانِ تجارت کچھ بھی ہو، اس میں زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے؛ بشرطیکہ وہ نصابِ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچ جائے:

" الزكاة واجب في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق أو الذهب " (۱)

ڈیولپ کی نیت سے رکھے ہوئے پلاٹ میں زکاۃ

سوال:- ایک شخص نے دو پلاٹ خرید کئے، اس کی نیت

---

(۱) ہدایہ: ۱/۱۹۳، ط: پاکستان

ہے کہ ان میں سے ایک پلاٹ پر مکان بنائے گا اور اس پر رہائش اختیار کرے گا، اور دوسرے پلاٹ کو کسی بلڈر کے حوالے کرے گا؛ تاکہ اسے ڈیولپ کرے اور اسے مکان کا جو حصہ حاصل ہوگا، اس کو کرائے پر لگا دے گا، ایسی صورت میں کیا اسے کسی پلاٹ پر زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی؟ (ڈاکٹر عبدالرحمن، ریڈہلز)

جواب:- زمین میں اصولی طور پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ ''زمین'' شریعت کے مقرر کردہ اموال زکوٰۃ میں شامل نہیں ہے، لیکن اگر کوئی زمین فروخت کرنے کے لئے خریدی گئی تو اب مال تجارت بن جانے کی وجہ سے اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہو جائے گی؛ لہٰذا جو صورت آپ نے دریافت کی ہے، اس میں رہائش کے لئے رکھا جانے والا پلاٹ مال تجارت نہیں ہے، اس میں زکوٰۃ واجب نہیں، اسی طرح جس پلاٹ کو بلڈر سے ڈیولپ کرانا ہے، اس میں جو مقدار مالک زمین کو حاصل ہونے والی ہے، اور وہ اسے کرایہ پر لگانا چاہتا ہے، اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس کا شمار بھی مال تجارت میں نہیں ہے؛ البتہ جتنا حصہ بلڈر کو ادا کرنا ہے، اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی؛ کیوں کہ وہ اس حصہ زمین کو فروخت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور قیمت کے طور پر بنی ہوئی عمارت حاصل کرنا چاہتا ہے' لہٰذا اس شخص کو چاہئے کہ پہلے اپنے غالب رجحان کا اندازہ کرے کہ وہ کس پلاٹ پر رہائش اختیار کرے گا؟ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں، پھر چوں کہ بلڈر سے ابھی معاملہ طے نہیں ہوا ہے؛ اس لئے اس سلسلہ میں عرف و رواج معلوم کرے کہ بلڈر ڈیولپ کرنے کا کام ۵۰ فیصد کے لحاظ سے کرتے ہیں یا مثلاً ۶۰ فیصد لیتے ہیں، اور ۴۰ فیصد مالک مکان کو دیتے ہیں تو جتنا حصہ مالک زمین کو دیا جاتا ہے، اگر اس کا ارادہ اسے کرایہ پر لگانے کا ہے، فروخت کرنے کا نہیں ہے تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ مال تجارت میں شامل نہیں ہے؛ البتہ جتنا حصہ بلڈر کو ادا کرنا ہے، وہ مال تجارت کے حکم میں ہے' اس لئے اس کی قیمت موجودہ مارکیٹ ویلیو کے اعتبار سے لگائی جائے اور ڈھائی فیصد کے لحاظ سے زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

سونے چاندی کی زکوۃ

زکوۃ سونے کے مالک پر واجب ہے

سوال:- ایک شخص نے اپنی والدہ کو پندرہ تولہ سونا دیا، یہ سونا انہیں کے پاس ہے؛ لیکن ان کے پاس اتنی رقم موجود نہیں ہے کہ زکوۃ ادا کرسکیں، ایسی صورت میں زکوۃ کی ادائیگی کس پر واجب ہے؟ (محمد عبداللطیف قادری، مانصاحب ٹینک)

جواب:- جو مرد یا عورت مال زکاۃ کے مالک ہوں، ان ہی پر اس کی زکاۃ واجب ہے؛ اس لئے اس شخص کی والدہ کو زکوۃ ادا کرنی ہوگی، زکوۃ واجب ہونے کے لئے نقد رقم کا ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اصل میں جس مال میں زکوۃ واجب ہو اسی کا کچھ حصہ بطور زکوۃ ادا کرنا واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا مقدار زکوۃ سونا خود سونے میں سے ادا کرنا چاہئے؛ چوں کہ عام طور پر زیورات میں سے سونے کی مقدار کو نکالنا دشوار ہوتا ہے، نیز اتنی معمولی رقم کے لئے لوگ سونا فروخت کرنا نہیں چاہتے؛ اس لئے یہ صورت ہوسکتی ہے کہ یا تو لڑکا اپنی والدہ کی طرف سے زکوۃ ادا کردے، اور اس صورت میں ضروری ہے کہ انہیں اس کی اطلاع کردی جائے؛ تاکہ والدہ کی طرف سے نیت کا تحقق ہوجائے، یا قرض لے کر ماں خود زکاۃ ادا کرے اور جب رقم مہیا ہوجائے تو قرض ادا کردے، یا زکاۃ کا حساب رکھے اور چند سال کے بعد کچھ سونا فروخت کرکے ایک مشت زکاۃ ادا کردے اور احتیاطاً اپنے بچوں کو وصیت بھی کردے؛ تاکہ اگر خدانخواستہ زکوۃ کی

ادائیگی سے پہلے ہی انتقال ہو جائے تو ورثاء ان کی طرف سے اس فریضہ کو ادا کردیں اور اللہ کے یہاں ان کا ذمہ فارغ ہو جائے۔ بہر حال نقد رقم موجود ہو یا نہ ہو زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے۔

کچھ سونا اور کچھ روپے میں زکوٰۃ

سوال:- میرے پاس ۳ تولہ سونا اور ۵ ہزار روپے ہیں، مجھ کو ایک عالم صاحب نے بتایا کہ اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی کیوں کہ اگر سونے اور پیسے ملا دیے جائیں تو اس سے ساڑھے باون تولہ چاندی کو خرید جا سکتا ہے؟ براہ کرم اس بارے میں روشنی ڈالیں؟ (سعید و نسب ، ملک پیٹ)

جواب:- جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ روپے سونے کے قائم مقام ہیں نہ کہ چاندی کے، اسی لئے سونے سے کرنسی کی قیمت متعین ہوتی ہے اور چونکہ پانچ ہزار روپے میں اتنا سونا نہیں ملتا جو ۳ تولہ سونا کے ساتھ مل کر سونے کے نصاب کو پورا کردے، اس لئے اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی، چاندی کی قیمت کا حساب اس وقت لگایا جائے جب کچھ سونا اور کچھ چاندی ہو اور آپ کے پاس چاندی نہیں، یہ اس حقیر کی رائے ہے اور بہت سے عرب علماء اور برصغیر کے اہل علم کا بھی یہی رجحان ہے؛ لیکن ہندوستان کے بہت سے علماء چاندی کو معیار بنا کر زکوٰۃ واجب قرار دیتے ہیں؛ اس لئے ان کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اگر ازراہ احتیاط اس پر عمل کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

قرض لے کر خریدے ہوئے زیور کی زکوٰۃ

سوال:- شوہر نے بیوی کے لئے دس تولہ کا زیور بنایا اور یہ زیور اس نے قرض لے کر بنایا ہے، تو اب اس کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ (عبد الشکور، مانصاحب ٹینک)

جواب:- جب شوہر نے دس تولہ زیور خرید کر بیوی کو اس کا مالک بنا دیا تو اب بیوی

پر بھی اس زیور کی زکوۃ واجب ہوگی نہ کہ شوہر پر، کیوں کہ زکوۃ میں شوہر اور بیوی کی مستقل اور جداگانہ حیثیت ہے، البتہ اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے ادا کردے تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی طرف سے حسن سلوک اور باعث اجر ہے —— جہاں تک قرض کی بات ہے تو اگر شوہر پر قرض کی رقم باقی ہو اور اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہو تو قرض کے بقدر رقم منہا کی جائے گی، اس کے بعد جو قابل زکوۃ مال ہوگا، اس کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

بیوہ اور سونے پر زکوۃ

سوال:- ایک بیوہ خاتون مقدار نصاب سے زیادہ سونے کی مالک ہے، ان کی کوئی اولاد بھی نہیں، ذاتی ضروریات کے لیے ماہانہ رقم وصول ہوتا ہے، جو وہ بھی خدمات کو پورا کرتا ہے، زکوۃ دینے کے لیے کوئی پس انداز رقم موجود نہیں رہتی، اگر سونا بیچ کر زکوۃ ادا کی جائے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ پورا سونا بھی ختم ہو جائے گا۔ (حافظ محمد عزیز علی، مچھلی بازار)

جواب:- جب مقدار نصاب سونا ان کے پاس موجود ہے تو زکوۃ ان پر واجب ہوگی، کیوں کہ یہی ان کے مالدار ہونے کا معیار ہے، زکوۃ کی شرح اتنی کم ہے کہ اسے ادا کرنا چنداں دشوار نہیں، اگر آپ بروقت ادا نہیں کرسکیں، تو تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ حساب کرتی رہیں اور چند سالوں کے بعد سونے کا کچھ حصہ فروخت کر کے زکوۃ ادا کردیں، دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی روزمرہ کی بنیادی ضروریات کے لیے سونا فروخت کرلیں، تا کہ نصاب کے بقدر ملکیت باقی نہ رہے، تیسرے یہ کہ سونا فروخت کر کے زمین یا کوئی ایسی چیز خرید کرلیں، جو اموال زکوۃ میں نہیں ہیں، اور بوقت ضرورت ان کو فروخت کرلیں، یہ اندیشہ درست نہیں ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی میں پورا سونا ہی فروخت ہو جائے گا، کیوں کہ جب زکوۃ ادا کرتے کرتے حقیقت مقدار نصاب سے کم ہو جائے گی، تو پھر زکوۃ واجب نہیں رہے گی، اصل یہ ہے کہ ہمت دلائی جائے اور اللہ پر یقین بڑھایا جائے کہ انسان کی پرورش سونا چاندی نہیں کرتا، خدا کرتا ہے۔

زیورات کی زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

سوال:- میری شادی میں دلہن کے ذریعہ پندرہ تولہ سونا نیز چاندی کے زیورات آئے ہیں تو کیا مجھ پر زکوٰۃ فرض ہے؟ کیوں کہ اخراجات زیادہ ہیں اور بعض وقت ادھار لے کر کام چلانا پڑتا ہے۔ (سہیل اختر، گلشن باغ)

جواب:- آپ کی بیوی کو جو زیورات ان کے میکے سے ملے ہوں یا آپ لوگوں نے شادی کے موقع پر ان کو دیا ہو، وہ ان ہی کی ملکیت ہے، اور ان پر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، آپ کے اخراجات سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اگر آپ کے اپنے زیورات ہوں اور آپ کے ذمہ قرض بھی باقی ہو تو زیورات کی قیمت لگا کر اس میں قرض کے بقدر منہا کر دیں، اور جتنا باقی رہ جائے، اگر وہ ساڑھے ستاسی گرام سونے کی قیمت کو پہنچ جائے تو ان باقی پیسوں میں پچیس روپے فی ہزار کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔(۱) زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں برکت اور آفتوں سے حفاظت ہوتی ہے،(۲) اس لئے اس معاملہ میں پہلوتہی سے کام نہیں لینا چاہئے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے سونا فروخت کرنا

سوال:- اس وقت میرے قبضہ میں پندرہ تولہ سونا ہے اور پچاس تولہ چاندی، جو میرے سسرال اور میرے والدین کی طرف سے میری شادی پر مجھے ملے ہیں، اس کے علاوہ میرے پاس کوئی نقد رقم نہیں ہے، گذشتہ سال میں نے آدھا تولہ سونا فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کی تھی، جس سے میرے والدین اور میرے سسرال

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیۃ: ۲/ ۳۰۹

(۲) رد المحتار: ۳/ ۱۶۱

نے لوگ برہم ہو گئے کہ اس طرح زکوٰۃ دوں گی تو میرا سونا ختم ہو جائے
گا، ان کا کہنا ہے کہ اگر نقد رقم ہے تو زکوٰۃ دو، ورنہ نہیں، آپ ہی
بتایئے میں کیا کروں؟ (اسماء تبسم، مشیر آباد)

جواب:- زکوٰۃ ایک اہم فریضہ ہے اور زکوٰۃ اصل میں اسی مال میں سے واجب ہے، جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یعنی سونے میں زکوٰۃ واجب ہو تو اصل یہ ہے کہ اسی سونے کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے، خواہ سونا زیور کی شکل میں ہو یا سکے کی شکل میں یا کسی اور شکل میں:

تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم وفي كل
عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروبا كان أو لم
يكن مصوغا أو غير مصوغ الخ" (1)

البتہ چوں کہ سونے کو بیچ کر ہی انسانی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور روپیوں کے ذریعہ زیادہ بہتر طریقہ پر ضروریات کی تکمیل ہو جاتی ہے؛ اس لئے اکثر فقہاء نے روپیوں کے ذریعہ بھی زکوٰۃ ادا کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔

لہٰذا آپ کا سونے کو فروخت کر کے زکوٰۃ ادا کرنا جائز اور بہتر عمل ہے، آپ کے والدین اور سسرال کے لوگوں کا اس پر معترض ہونا درست نہیں، یوں بھی یہ آپ کی ملکیت ہے اور آپ کو اس میں تصرف کرنے کا پورا حق حاصل ہے، خاص کر جب کہ آپ ایک صحیح مقصد میں پیسے خرچ کر رہی ہیں، البتہ آپ کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ نقد پیسے موجود نہ ہوں اور مستقبل میں پیسے حاصل ہونے کی توقع ہو تو آپ اپنے زیورات کا حساب رکھیں اور جب پیسے میسر ہوں اس وقت زکوٰۃ ادا کر دیں۔ —— کاش آپ کے والدین، شوہر اور سسرال والوں نے آپ کے عمل پر اعتراض کرنے کے بجائے آپ کا اتنا تعاون کر دیا ہوتا کہ اس سے آپ زکوٰۃ ادا کر دیتیں تو یہ بات یقیناً زیادہ بہتر ہوتی اور اس سے حقیقی خیر خواہی کے جذبات کا اظہار ہوتا۔

---

(1) الفتاوی الهندیة : ۱۷۸/۱

زکوٰۃ کے حساب میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال:- تقریباً ۱۷/ سال پہلے ایک زمین چار کروڑ میں خریدی گئی تھی، سودے کے بعد تمام پارٹنروں نے مل کر سوا کروڑ دے کر کاغذات بنالئے اور اس پر عمارت کی تعمیر کا پرمیشن لے کر اس کا (N.A) بھی ہوگیا، لیکن بعد میں کچھ قانونی دشواریوں کی وجہ سے وہ زمین یوں ہی ٹلتی رہی، اب جا کر اس کا پرمیشن ملا اور اس کا سودا ہوگیا، اس سترہ اٹھارہ سالوں میں نہ زمین میں اناج وغیرہ ہوتا تھا، نہ ہی اس سے ہمیں کوئی آمدنی تھی، لہذا اب زکوٰۃ کیسی ہوگی؟

(۱) کیا ہماری خریدی ہوئی قیمت پر ہوگی؟

(۲) کیا فروخت ہونے کے بعد نفع پر ہوگی؟

(۳) کیا سترہ سالوں کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی؟

(صغیر احمد، ڈانگے)

جواب:- جب سترہ سال پہلے یہ زمین فروخت کرنے کے لئے خریدی گئی، تو اس کا حکم مال تجارت کا ہوا، لہذا پورے سترہ سال کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی، البتہ اس میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: جب شروع میں صرف سوا کروڑ روپے ادا کئے گئے اور تین کروڑ کے قریب رقم بیچنے والے کی باقی رہی، تو یہ رقم خرید کرنے والے پر قرض رہی، لہذا جب تک یہ قرض ادا نہیں ہوا ہو، ہر سال زمین کی قیمت میں سے قرض کی رقم منہا ہوگی، باقی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی، دوسرے جو زمین قانونی پیچیدگیوں اور دشواریوں کا محل بن جاتی ہے، عام طور پر اس کی قیمت کم لگائی جاتی ہے، لہذا جتنا عرصہ پرمیشن حاصل کرنے میں قانونی دشواریاں حائل رہیں، اندازہ کیا جائے کہ اگر اس زمانہ میں زمین خریدی جاتی یا فروخت کی جاتی تو اس کی قیمت کیا ہوتی، اسی لحاظ سے زمین کی قیمت لگائی جائے گی اور ڈھائی فیصد کی شرح سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، زکوٰۃ میں اس قیمت کا اعتبار نہیں، جس میں وہ شئے خریدی گئی ہے، بلکہ موجودہ قیمت کا اعتبار ہے،

یعنی جب آپ زکوٰۃ ادا کررہے ہوں، اس وقت جس قیمت میں آپ اس زمین کو خرید کرسکتے ہیں، اس قیمت کے لحاظ سے زکوٰۃ کا حساب کرنا ہوگا۔

رہن کے سونے میں زکاۃ

سوال:- ایک شخص نے بینک سے قرض حاصل کیا اور اس قرض کے لئے بطور ضمانت سونا رکھوایا ہے، کیا اس سونے کی زکاۃ اس شخص کو ادا کرنی ہوگی؟ (محمد اقبال، مہدی پٹنم)

جواب:- زکاۃ واجب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مالک کو اس مال پر '' ملکیت تامہ'' یعنی پوری ملکیت حاصل ہو، جو چیز بطور رہن رکھ دی جاتی ہے، اس پر ملکیت تامہ باقی نہیں رہ پاتی؛ کیوں کہ وہ اس کا مالک تو ہوتا ہے؛ لیکن اس میں تصرف کرنے کا مجاز نہیں ہوتا اور اس سے عملاً استفادہ نہیں کرسکتا؛ لہٰذا کسی ضروری مقصد کے لئے قرض لینے کی غرض سے جو سونا بطور ضمانت کے بینک کے پاس رکھا گیا ہے اور ابھی قرض ادا کرکے اس کو واپس لینے کے موقف میں نہیں ہے تو چوں کہ وہ رہن ہے؛ اس لئے اس میں زکاۃ واجب نہیں ہوگی۔

زکوۃ کے مصارف

اولاد کو زکوۃ

سوال:- باپ اپنے بیٹے کو زکوۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ میرے استاذ محترم نے دینے کی اجازت دی ہے، لیکن انھوں نے کوئی حدیث پیش نہیں کی اور صرف یہ کہا کہ سب سے زیادہ حقوق قرابت داروں کے ہیں، اور اولاد کا رشتہ سب سے قریبی رشتہ ہے۔ آپ سے گذارش ہے کہ حدیث کے حوالے سے اس مسئلہ کی وضاحت کردیں؟　　(محمد صابر ہاشمی، شاہین نگر)

جواب:- اولاد اور اولاد سے پیدا ہونے والے رشتے جیسے پوتے، نواسے، پوتریاں، نواسیاں وغیرہ کو زکوۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی؛ چنانچہ سیدنا حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ اولاد اور والد کے لئے واجب صدقہ، زکوۃ میں کوئی حق نہیں۔

" ليس لولد ولا لوالد حق في صدقة مفروضة " (۱)

" رحمة الأمة " میں لکھا ہے:

’’ فقہاء کا اتفاق ہے کہ والدین اور ان سے اوپر کا آبائی سلسلہ اور اولاد اور ان سے نیچے کے اولادی سلسلہ کو زکوۃ دینا جائز نہیں،

---

(۱) إعلاء السنن : ۹/۹۱، حدیث نمبر: ۲۳۳

سوائے امام مالکؒ کے کہ ان کے نزدیک دادا، دادی، نانا، نانی اور اولاد کی اولاد کو زکوۃ دی جا سکتی ہے؛ کیوں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ان کا نفقہ واجب نہیں ہوتا'' (۱)

صاحب ہدایہ نے بھی لکھا ہے:

''اولاد اور والدین وغیرہ کو زکوۃ نہیں دی جا سکتی اور اس کی مصلحت یہ ہے کہ باپ بیٹے وغیرہ کے درمیان عام طور پر املاک مشترک ہوتی ہیں۔ لہٰذا انہیں زکوۃ دینے میں پوری طرح دوسرے کو مالک بنائے جانے کی کیفیت نہیں پائی جاتی''(۲)

اس کی ایک مصلحت بہت ہی واضح ہے، اگر انسان کے لئے زکوۃ و صدقات اپنے گھر کے لوگوں پر خرچ کرنے کی گنجائش ہو تو اندیشہ ہے کہ جن لوگوں کے تئیں کفالت کی ذمہ داری اس پر ہے، وہ اس میں بخل سے کام لے گا اور غرباء کا حق ان تک پہنچانے کے بجائے اپنی ذمہ داری سے سبک بار ہونے کے لئے اس کو حیلہ بنائے گا، اس لئے شریعت کا یہ حکم بڑی حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔

زکوۃ سے شادی میں تعاون

سوال:- ملازمہ کی لڑکی کی شادی کے سلسلے میں کیا زکوۃ کی رقم دی جا سکتی ہے؟ جب کہ ان کے شوہر اور تین لڑکے برسر روزگار ہیں، لیکن معاشی تنگی ہے، مشکل سے گذر بسر ہوتی ہے اور کوئی جمع شدہ رقم موجود نہیں ہے؟　　　　(اصغر عبدالرحیم، ملک پیٹ)

جواب:- زکوۃ کے مستحق ہونے اور نہ ہونے کے لئے معیار یہ ہے کہ جو شخص 87.05 گرام سونے یا اس کی قیمت کا مالک ہو اور یہ اس کی بنیادی ضروریات کے علاوہ ہو،

---

(۱) رحمۃ الأمۃ: ص: ۳۵　　(۲) ہدایہ: ۱۸۲/۱

اس کے لئے زکوٰۃ کا لینا درست نہیں ہوگا، چنانچہ اس لحاظ سے اگر وہ ملازمہ یا اس کے شوہر یا اس کے لڑکے یا خود وہ لڑکی جس کی شادی ہونی ہے، زکوٰۃ کے حق دار قرار پاتے ہوں تو زکوٰۃ کی رقم سے ان کی مدد کی جاسکتی ہے، یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ زکوٰۃ کے واجب ہونے اور زکوٰۃ کے مستحق ہونے ہر دو لحاظ سے تمام بالغ افراد کی مستقل حیثیت ہے، یعنی اگر شوہر زکوٰۃ کا مستحق نہ ہو اور بیوی ہو تو بیوی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، شوہر کی وجہ سے وہ زکوٰۃ سے محروم نہیں ہوگی، اسی طرح شوہر و بیوی زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوں، لیکن جس بچی کی شادی ہونے والی ہے، وہ بالغ ہو اور خود مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

غریب لڑکی کی شادی میں زکوٰۃ سے تعاون

سوال:- ایک بہن بے حد غریب ہے، ان کی تین لڑکیاں شادی کے لائق ہیں، ایک سال قبل میرے شوہر نے آٹھ ہزار روپے مجھے اس لڑکی کے لئے دیے، جو میرے پاس بطور امانت ہے، پھر میرے رشتہ داروں نے اسی لڑکی کی شادی کی غرض سے پانچ ہزار چار سو روپے زکوٰۃ کے دیے، جو میرے پاس محفوظ ہیں، گویا کل رقم تیرہ ہزار چار سو روپے اس کی میرے پاس ہے، اگر میں اس کی والدہ کو بتادیتی، تو وہ یہ رقم ایک منٹ بھی میرے پاس رہنے نہیں دیتی، لڑکی کے لئے رشتے آرہے ہیں، لیکن صرف پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بات نہیں بن رہی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس سال اس لڑکی کے لئے زکوٰۃ لی جاسکتی ہے، جبکہ اس کی موجودہ رقم میں ساڑھے باون تولہ چاندی آسکتی ہے، نیز میں نے جو اس کی والدہ سے چھپایا، کیا میرا یہ اقدام صحیح ہے، کہیں میں اس کے لئے گنہگار تو نہیں ہوں گی؟ (فہمیدہ خاتون، کنگ کوٹھی)

جواب :- آج کل لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی پیچیدہ ہو گیا ہے، اس لئے مستحق لڑکیوں کی زکوۃ سے مدد کرنا، بہتر مصرف میں زکوۃ کو خرچ کرنا ہے، رہ گئی یہ بات کہ پہلے سے وہ تیرہ ہزار چار سو روپے کی مالک ہے، تو اس سلسلہ میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ شریعت نے ایک تو زکوۃ مطلق محتاجوں اور ضرورت مندوں کو دینے کا حکم دیا ہے، جس کے لئے قرآن مجید میں فقراء اور مساکین کی تعبیر آئی ہے، دوسرے خصوصی ضرورت مندوں کا ذکر کیا گیا ہے، جیسے مسافر، مقروض وغیرہ، عمومی ضرورت مندوں کے لئے یہ حکم ہے کہ ایک نصاب کی مقدار سے کم زکوۃ دی جائے، اتنا یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے، دوسری قسم کے محتاجوں کے لئے حکم ہے کہ زکوۃ اتنی مقدار میں دی جائے کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے، مسافر سفر کر لے، مقروض قرض ادا کرے وغیرہ۔ فی زمانہ لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ ایسی ہی دوسری قسم کی ضرورتوں میں داخل ہے، اس لئے اس لڑکی کے لئے اتنی زکوۃ کی رقم جمع کی جا سکتی ہے، جس سے موجودہ حالات میں ضروری حد تک شادی کا نظم ہو جائے، مزید احتیاط یہ ہے کہ اب آپ مزید رقم لڑکی کے والد یا اس کی ماں کے نام سے وصول کریں اور شادی کے موقع سے یہ کہہ کر رقم حوالہ کر دیں کہ یہ لڑکی کے لئے ہے اور یہ ان کے والد یا والدہ کے لئے ہے، کیوں کہ زکوۃ میں ہر بالغ شخص کی حیثیت مستقل ہوتی ہے۔

جہاں تک آپ کی طرف سے لڑکی یا اس کے والدین پر رقم ظاہر نہیں کرنے کی بات ہے، تو چوں کہ آپ کا یہ عمل بہتر نیت پر مبنی ہے، اور اس میں ان ہی حضرات کا فائدہ ہے؛ اس لئے کوئی حرج نہیں ؛ بلکہ چوں کہ آپ کا یہ عمل ایک اہم ضرورت کی تکمیل میں مدد و معاون ہو سکتا ہے، اس لئے ان شاء اللہ باعث اجر و ثواب ہے۔

عصری تعلیم میں زکاۃ سے تعاون

سوال :- بعض طلبہ جدید تعلیم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اگر زکاۃ سے ان کی مدد کر دی جائے تو کیا زکاۃ ادا

ہو جائے گی ؟ بعض کہتے ہیں کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ہی کو زکاۃ کی رقم دی جانی چاہئے ، اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں۔

(محمد فہیم الدین ، تولی چوکی)

جواب :- زکاۃ کا تعلق اصل میں ایک ضرورت مند شخص کی ضرورت کو پوری کرنے سے ہے نہ کہ تعلیم سے ، تعلیم انسان کی ایک ضرورت ہے ؛ اس لئے زکاۃ کی مد سے طلبہ کا تعاون کیا جاتا ہے ، تعلیم کا تعلق چاہے دین سے ہو یا دنیا کے امور سے ، غریب طلبہ کو زکاۃ کی رقم دینا درست ہے ؛ البتہ تین باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہے : اول : زکاۃ لینے والا شخص واقعی زکاۃ کا مستحق ہو ، عام طور پر عصری تعلیم میں جو طلبہ شریک ہوتے ہیں ، وہ خوشحال گھرانے کے ہوتے ہیں اور زکاۃ کے مستحق نہیں ہوتے ، اس کا اچھی طرح اندازہ کر لینا چاہئے ، دوسرے : ایک شخص کو ایک نصاب زکاۃ سے کم رقم ہی دی جاسکتی ہے ، بیک وقت اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور ایک دفعہ اتنی رقم کا مالک ہونے کے بعد اس کو مزید رقم دی جائے تو زکاۃ ادا نہیں ہوتی ، تیسرے : دینی تعلیم میں لگے ہوئے طالب علم پر اگر زکاۃ خرچ کی جائے تو دہرا اجر ہوگا ، زکاۃ بھی ادا ہو جائے گی اور دین کی حفاظت واشاعت کا اجر بھی ہوگا ، جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ پر خرچ کرنے میں حاصل نہیں ہوسکتی ، غرض کہ مذکورہ حدود کی رعایت کرتے ہوئے عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو زکاۃ کی بھی رقم دی جاسکتی ہے ؛ لیکن دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا زیادہ باعث اجر و ثواب ہے۔

صدقہ کے گوشت سے اساتذۂ مدارس کا کھانا

سوال :- مدرسہ میں غریب و نادار بچے ہیں ، کبھی کبھی مدرسہ میں صدقہ کا گوشت آجاتا ہے اور وہی گوشت پکتا ہے ، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ مدرسہ کے مدرس اس گوشت کو کھا سکتے ہیں یا نہیں ؟

(نسیم اختر ندوی ، میسور)

جواب:- صدقہ کی دو قسمیں ہیں: ایک صدقہ واجب، دوسرے صدقہ نافلہ، صدقہ واجب وہ ہے جس کو شریعت میں واجب قرار دیا گیا ہے، جیسے: نذر، کفارہ، فدیہ وغیرہ، اس کو ان ہی لوگوں پر خرچ کرنا واجب ہے، جن کے پاس اپنی بنیادی ضرورتوں کے علاوہ ساڑھے باسٹھ گرام سونے کی ہم قیمت کوئی چیز موجود نہیں ہو، عام طور پر طلبہ اسی دائرہ میں آتے ہیں، اور بعض اساتذہ بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں، ان کے لئے اس کا کھانا جائز ہوگا، دوسری قسم صدقہ نافلہ کی ہے، جو واجب نہیں ہے، مگر اجر وثواب کے لئے خرچ کیا جاتا ہے، ایصال ثواب اور شکرانہ وغیرہ کے طور پر اگر کچھ دیا جائے، یا جانور ذبح کیا جائے، تو یہ صدقہ نافلہ ہے، اس میں سے مستطیع اور غیر مستطیع دونوں طرح کے لوگ کھا سکتے ہیں؛ لہٰذا اگر اس قبیل کا گوشت مدرسہ میں بھیجا جائے تو اساتذہ وطلبہ دونوں پر خرچ ہوسکتا ہے، اور اگر پہلی نوعیت ہو تو اساتذہ پر جتنا گوشت خرچ ہوسکتا ہے، یا تو اتنا گوشت خرید کر شامل کردینا چاہئے، یا اتنے گوشت کی قیمت عطیہ کی رقم سے مطبخ میں منتقل کردینی چاہئے، گویا مدرسہ نے عطیہ کے فنڈ سے اتنا گوشت خرید کر اساتذہ کے لئے مطبخ میں دے دیا ہے۔

زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ اور تعمیر

سوال:- دینی مدارس کو زکوٰۃ کی رقم دی جاتی ہے؛ حالاں کہ زکوٰۃ کا مصرف یہ بتایا جاتا ہے کہ اسے کسی غریب کو فی سبیل اللہ دے دیا جائے، مدرسہ میں اساتذہ کو تنخواہ بھی دینی ہوتی ہے، مکانات کی تعمیر بھی ہوتی ہے، یہ ضرورتیں کس طرح پوری ہوں گی؟ (انعام الحق انجینئر، مہدی پٹنم)

جواب:- زکوٰۃ کی رقم کا کسی مستحق شخص کو مالک بنانا ضروری ہے، استاذ کی تنخواہ یا تعمیر وغیرہ کے کام میں زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی؛ لیکن اساتذہ کو تنخواہیں طلبہ ہی کی تعلیم کے لئے دی جاتی ہیں، اسی طرح بجلی، پانی وغیرہ کا جو خرچ ہوتا ہے، اس کا اصل مقصد طلبہ ہی کی

فلاح ہے۔ اس لئے یہ بات درست ہے کہ جیسے غریب طلبہ کو طعام کا وظیفہ دیا جاتا ہے، اسی طرح اساتذہ و عملہ کی تنخواہوں کا حساب کرتے ان سے فیس تعلیمی مقرر کردی جائے اور بجلی پانی وغیرہ کے اخراجات دیکھتے ہوئے فیس رہائش مقرر کی جائے، اس طرح مستحق طلبہ کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے اور ان سے فیسیں وصول کی جائیں، نیز جس مد میں رقم وصول کی جائے اسی مد میں خرچ کی جائے، اس طرح زکوٰۃ کی رقم سے اساتذہ کی تنخواہ اور دار الاقامہ کی دوسری ضروریات میں مدد لی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کی رقم تعمیر کی مد میں استعمال نہیں کی جاسکتی، البتہ اگر کوئی تعمیر فوری طور پر ضروری ہو اور تعمیر کی مد میں رقم موجود نہیں ہے تو زکوٰۃ کی مد سے قرض حاصل کرلیا جائے اور جب تعمیر کی مد میں رقم آجائے تو مد زکوٰۃ کو وہ رقم ادا کردی جائے، اس کی بہ وقت ضرورت گنجائش ہے۔

سید شوہر کی غیر سید بیوی کو زکوٰۃ

سوال:- میرے علم کے مطابق سادات کا زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے، کرمرد تو سید ہو البتہ بیوی شیخ ہو تو کیا یہ درست ہے کہ شیخ بیوی زکوٰۃ کا مال لے لے اور اپنے سید شوہر پر خرچ کرے؟ براہ مہربانی شرعی حکم سے آگاہ کریں!

(معین الدین، مغلپورہ)

جواب:- اگر شوہر سید ہو اور بیوی شیخ ہو، تو بیوی کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے اور بیوی کو اپنے شوہر پر اس رقم کا خرچ کرنا جائز ہے، بلکہ اگر شوہر سید ہو اور ضرورت مند ہو اور بیوی کے واسطے سے اس کی مدد ہو جائے تو یہ بہتر ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پاس صدقہ کا گوشت آیا، پھر جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی دعوت کی، تو حضور ﷺ کی خواہش پر انہوں نے

گوشت بھی پیش کیا اور آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا: یہ اس کے لئے صدقہ ہے اور میرے لئے ہدیہ "هو لها صدقة ولنا هدية" ۔(۱)

زکاۃ کی رقم سے بنے ہوئے مکان میں سید کی رہائش

سوال:- ایک بلڈنگ زکوۃ کی رقم سے تعمیر ہوئی ہے، کیا صاحب نصاب اور سید خاندان کے لوگ اس میں رہ سکتے ہیں؟

(نعیم اشرف، مہدی پٹنم)

جواب:- اگر کسی شخص کو مستحق زکوۃ ہونے کی بنا پر زکوۃ دے دی، اور اس نے زکوۃ کی رقم سے اپنا مکان بنا لیا تو اس مکان میں سادات یا اصحاب نصاب کے رہنے میں حرج نہیں؛ کیوں کہ جب ایک شخص زکوۃ کی رقم لے کر اس سے کوئی اور چیز بنالیتا ہے تو اب اس کی جہت بدل جاتی ہے، اب وہ جسے اپنے مکان میں رکھے، اس کے حق میں وہ مال زکوۃ نہیں ہے۔

سید لڑکی کے غیر سید شوہر کو زکوۃ

سوال:- سید گھرانے کی لڑکی شادی کرتے شیخ گھرانے میں دی گئی، لڑکی غریب اور زکوۃ کی مستحق ہے، سوال یہ ہے کہ کیا سید لڑکی کو زکوۃ دے سکتے ہیں؟

(محمد مسلم، مانصاب ٹینک)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے سادات کے لئے زکوۃ کو منع کیا ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے سادات کے لئے بیت المال میں ایک خصوصی مد مقرر فرمائی تھی، اب سادات کے لئے وہ سہولت باقی نہیں رہی، اس لئے موجودہ حالات میں سادات کو بالواسطہ طور پر زکوۃ کی رقم پہنچانا بہت مناسب ہوگا، بالواسطہ طور پر رقم پہنچانے کی ایک صورت وہ ہے، جو آپ نے لکھی ہے کہ لڑکی خود تو سید ہے، لیکن اس کا شوہر سید نہیں، اس لئے شوہر کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؛ بلکہ بچے ہوں، تو ان کو بھی دی زکوۃ دی جاسکتی ہے، اس طرح اس سید خاتون کو بھی بالواسطہ زکوۃ کی

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب إباحة الهدية للنبي ﷺ الخ، حديث نمبر: ۲۴۸۵ .

رقم سے مدد پہنچے گی اور اس کی ضروریات بھی پوری ہوں گی۔

رشوت خور شخص کی زکوۃ سے مدد

سوال:- ایک شخص کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ بڑا رشوت خور ہے، ہر کام میں رشوت لیتا ہے، اب اس کی لڑکی کی شادی ہونے والی ہے، اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ وہ شادی کی ضروریات پوری کر سکے اور رشوت لینے کے باوجود اس کے مالی حالات بہتر نہیں ہیں، تو کیا ایسے شخص کی زکوۃ کی رقم سے مدد کی جا سکتی ہے؟ (شاہد کرمانی، نجارہ ملز)

جواب:- رشوت لینا بڑے گناہوں میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے،(۱) آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں دوزخی ہیں: "الراشي والمرتشي في النار "(۲) اس لئے یہ بہترین موقع ہے کہ آپ اس شخص کو اس گناہ کی شناعت سے واقف کرائیں اور اسے ترغیب دیں کہ وہ آئندہ اس سے بچے، نیز اسے یہ بھی بتائیں کہ مال حرام میں برکت نہیں ہوتی ہے! اسی لئے مستقل رشوت لینے کے باوجود وہ مالی تنگ دستی کا شکار ہے۔

البتہ گنہگار کا تعاون اس وقت ناجائز ہے، جب کہ معلوم ہو کہ وہ گناہ کے کام کے لئے اس کا استعمال کرے گا، جیسے کوئی شرابی شراب پینے کے لئے پیسے مانگے تو اسے دینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ براہ راست گناہ میں مدد کرنا ہے، رہ گیا گناہ کے علاوہ دوسری ضروریات میں مدد کرنا، تو یہ تو فاسق ہی نہیں غیر مسلم کے لئے بھی جائز ہے، قرآن مجید نے فرمانبردار اور نافرمان کی شرط کے بغیر فقراء اور مساکین کو زکوۃ کا مصرف قرار دیا ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأقضية، باب في كراهية الرشوة، حدیث نمبر: ۳۵۸۲
(۲) المعجم الأوسط للطبراني، حدیث نمبر: ۲۰۲۶، مسند البزار، حدیث نمبر: ۱۰۳۷۔

والمساکین ﴾ (۱) اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ مسلمان ہی فقراء پر خرچ کی جائے گی: " تؤخذ من أغنيائهم وترد علی فقرائهم " (۲)

اس لئے جس رشوت خور شخص کا آپ نے ذکر کیا ہے ، لڑکی کی شادی یا کسی اور ضرورت میں زکوۃ کی رقم سے اس کی مدد کی جا سکتی ہے ، حدیث میں ہے :

" ایک شخص نے رات کے اندھیرے میں صدقہ کیا اور دن میں معلوم ہوا کہ وہ صدقہ وصول کرنے والا چور تھا ، مگر پھر بھی اس نے اللہ کی رضا کے لئے صدقہ کرنا نہیں چھوڑا ، آئندہ شب پھر صدقہ کیا تو اگلی صبح کو معلوم ہوا کہ یہ تو زانیہ عورت تھی ، پھر اس نے اللہ کی رضا کے لئے تیسری رات بھی صدقہ کیا ، اگلی صبح معلوم ہوا کہ صدقہ قبول کرنے والا خود مالدار تھا ، پھر اس کے افسوس پر ندائے غیبی آئی کہ اس کا صدقہ قبول کرلیا گیا ؛ کیوں کہ اس نے اس کے ذریعہ چور کو چوری کرنے سے باز رکھا ، زانیہ عورت کو زنا کرنے سے باز رکھا ، اور مالدار کو عبرت حاصل ہوئی کہ وہ اپنے مال میں سے صدقہ کرے " (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے اپنے راستے میں انفاق کو قبول کرنے کے لئے یہ ضروری قرار نہیں دیا ہے کہ جس پر خرچ کیا جائے ، وہ نیک و صالح انسان ہی ہو ؛ کیوں کہ بعض دفعہ یہ انسان کی بد راہی سے بچنے میں معاون ہوا کرتی ہے۔

---

(۱) التوبة : ۶۰

(۲) صحيح البخاري ، كتاب الزكاة ، باب وجوب الزكاة ، حدیث نمبر : ۱۳۹۵

(۳) صحيح البخاري ، كتاب الزكاة ، باب إذا تصدق علی غني وهو لا يعلم ، حدیث نمبر : ۱۴۲۱ ، صحيح مسلم ، كتاب الزكاة ، باب ثبوت أجر المتصدق وإن وقعت الصدقة في يد غير أهلها ، حدیث نمبر : ۲۳۰۹

پیشہ ور فقراء کو زکوٰۃ

سوال:- یہ افسوس کی بات ہے کہ اکثر و بیشتر مسجدوں کے دروازوں پر یا راستوں پر مسلمان فقراء بیٹھے رہتے ہیں اور مسجد سے نکلنے والے لوگ انہیں اپنی زکوٰۃ کی رقم میں سے دیتے رہتے ہیں، کیا ان لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، جب کہ اس بات کی تحقیق نہیں ہوتی ہے کہ یہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں بھی یا نہیں؟

(حمید الرحمن، عثمان آباد)

جواب:- یہ بات ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے مستحق فقراء ہی ہیں، یعنی وہ لوگ جو بالکل ہی نادار ہوں یا بنیادی ضرورت کے علاوہ اتنا مال نہ ہو کہ نصاب زکوٰۃ کی قیمت کو پہنچ جائے، اب یہ بات کہ کون شخص اس معیار کے مطابق زکوٰۃ کا مستحق ہے؟ اس کے جاننے کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا خود واقف ہو، دوسرے یہ کہ زکوٰۃ لینے والا اپنے آپ کو مستحق زکوٰۃ قرار دیتا ہو اور بظاہر وہ شخص سچا نظر آتا ہو، تیسرے یہ کہ قرائن کی روشنی میں اس کے بارے میں غالب گمان ہو کہ یہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو فقراء کی لائن میں دیکھا جائے تو اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، کیونکہ بظاہر وہ زکوٰۃ کا حقدار ہوگا:

"......أو رآه في صف الفقراء فدفع، فإن ظهر أنه محل الصدقة جاز بالإجماع، وكذا إذا لم يظهر حاله عنده" (۱)

البتہ بہتر ہے کہ زکوٰۃ ان خوددار لوگوں کو دی جائے، جو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے شرماتے ہوں اور جن کا مستحق زکوٰۃ ہونا معلوم ہو، پیشہ ور فقراء کو زکوٰۃ وغیرہ کی رقم دینے سے گداگری کی خو کو تقویت پہنچتی ہے اور کچھ لوگ بھیک مانگنے کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیتے ہیں، جو ظاہر ہے کہ دین کے مزاج کے خلاف ہے، اس لئے ایسے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہونی چاہئے۔

---

(۱) فتاوی ہندیہ ۱۹۰/۱

زکاۃ کی رقم سے امام و مؤذن کی تنخواہ

سوال:- امام اور مؤذن صاحب کی تنخواہ کے لیے ایک کثیر رقم یعنی تقریباً تین ہزار روپے ماہانہ دیا جاتا ہے، کیا یہ رقم زکاۃ میں سے ادا کی جا سکتی ہے؟" (محمد سلیم، حیدرآباد)

جواب:- اول تو یہ بات ہی باعث تعجب ہے کہ امام اور مؤذن دونوں کی مجموعی تنخواہ میں تین ہزار کثیر رقم ہے، یہ تو ان خدمت گذار کے مقام ہی نہیں، بلکہ ان کی ضرورت کے لحاظ سے بھی نہایت ہی حقیر رقم ہے، مسلمانوں کو اپنی سوچ میں تبدیلی لانی چاہیے اور دینی خدمت گذاروں کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہونچانے کا مزاج بنانا چاہیے، جہاں تک آپ کے سوال کی بات ہے تو امام و مؤذن کی تنخواہ میں زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں، امام و مؤذن کو جو تنخواہ دی جاتی ہے، وہ اعانت نہیں ہے؛ بلکہ ان کی اجرت ہے اور اجرت بھی ان کے حق استحقاق سے کم ہے، جبکہ زکاۃ کی رقم بطور اعانت کے دی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کے مصارف متعین فرما دیئے ہیں۔

رفاہی کاموں میں زکاۃ کی رقم کا استعمال

سوال:- ۲۱ / مارچ ۲۰۱۰ء کے اخبار کے بموجب اتر پردیش کے مسلم غلبہ والے موضع سراج پور کے عوام نے زکاۃ کی رقم سے سڑکوں کی مرمت کی ہے، کنویں کھدوائے ہیں، اسکول قائم کئے ہیں، سراج پور کے سرپنچ (سابق) احسان الحق صاحب نے فون پر یہ بیان کو رُن میڈیا والوں کو دی، ۱۶۵ کروڑ روپیوں سے ایک پل بھی تعمیر کیا جا رہا ہے، یہ موضع اعظم گڑھ میں واقع ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا زکاۃ کی رقم سے متذکرہ بالا تعمیری کام انجام دیئے جا سکتے ہیں؟ (قاری ایم ایس خان، اکبر باغ)

جواب:- زکاۃ کے ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی مستحق شخص کو اس کا مالک بنا دیا جائے، ہر طرح کے کارِ خیر میں زکاۃ کا استعمال نہیں ہوسکتا، پل کا بنانا، راستوں کی مرمت، مسجد کی تعمیر وغیرہ یقیناً خیر اور بھلائی کے کام ہیں؛ لیکن کوئی ایک شخص ان کا مالک نہیں ہوتا اور ان کا استعمال امیر و غریب ہر طرح کے لوگ کرتے ہیں؛ اس لئے ان حضرات کا عمل ناواقفیت پر مبنی ہے، سڑکوں کی مرمت، کنویں کی کھدوائی اور اسکولوں کے قیام سے زکاۃ ادا نہیں ہوئی، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے:

"ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد وكذا القناطير والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه" (۱)

زکوۃ کی رقم سے فون کا بل

سوال:- میں ایک حقیقی سماجی کارکن ہوں، اللہ کے بندوں کا دکھ درد کرنا یا کم از کم اس کو محسوس کرنا میرا مقصد ہے، میرا کوئی ذاتی کاروبار نہیں ہے، عوامی فلاح کے کاموں میں مجھے بڑے پیمانے پر ٹیلیفون کا استعمال کرنا پڑتا ہے، اور ٹیلیفون کا بھاری بل ہوتا ہے؛ حالاں کہ ذاتی ضرورت کے لئے برائے نام میں فون کرتا ہوں، تو کیا میں ٹیلیفون بل کا کچھ حصہ زکوۃ کی رقم میں سے ادا کرسکتا ہوں؟

(محمد صہیب الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- آپ کا خیر کے کاموں میں لوگوں کا تعاون کرنا اور ان کے دکھ درد میں کام آنا بہت مبارک اور قابلِ تحسین عمل ہے؛ البتہ اگر آپ زکوۃ کے مستحق نہ ہوں تو زکوۃ کی رقم سے ٹیلیفون بل ادا کرنا جائز نہیں ہے، زکوۃ کا مستحق وہ شخص ہوتا ہے، جس کے پاس اپنی بنیادی

---

(۱) الفتاوی الهندية ۱/ ۱۸۸، باب المصارف في الزكاة

ضروریات — ذاتی مکان، کپڑے، ذاتی استعمال کی گاڑی اور بنیادی ضروری اشیاء — کے علاوہ ساڑھے سات تولہ سونا یا اس قیمت کی چیز کسی بھی شکل میں موجود نہ ہو، اگر اس اصول کے اعتبار سے آپ زکوۃ کے مستحق ہیں، تو آپ زکوۃ لے سکتے ہیں، زکوۃ لینے کے بعد آپ ٹیلیفون کے بل پر بھی اسے خرچ کر سکتے ہیں، اور کسی دوسری ضرورت پر بھی۔

زکوۃ ادا کرنے کے احکام

زکوۃ — کچھ ضروری احکام

سوال:- زکوۃ ادا کرنا کب واجب ہے؟ اگر زکوۃ کا مال صدقہ کر دے، یا ضائع ہو جائے تو کیا اس کی بھی زکوۃ واجب ہوگی؟ کیا زکوۃ ادا کرنے کے لیے بھی نیت ضروری ہے اور نیت کا وقت کیا ہے؟ کیا زکوۃ سے بچنے کا حیلہ کیا جا سکتا ہے؟

(فلاح الدین، خیر پور)

جواب:- ۱) زکوۃ کے فرض ہونے پر اجماع و اتفاق ہے، زکوۃ واجب ہونے کے بعد اسے بلا تاخیر اور بہ عجلت ممکنہ ادا کر دینا چاہئے، بلا وجہ زکوۃ ادا کرنے میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔(۱)

۲) زکوۃ واجب ہونے کے بعد وہ مال جس پر زکوۃ ادا کرنی تھی، اگر ضائع ہو جائے تو زکوۃ معاف ہو جاتی ہے، لیکن اگر زکوۃ کی ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر کی گئی تھی، تو اس تاخیر کا وبال بہر حال اس پر پڑے گا، قصداً مال زکوۃ ضائع کر دے تو زکوۃ معاف نہیں ہوگی۔(۲)

۳) اگر کوئی شخص اپنا پورا مال صدقہ کر دے تو پورے مال کی اور نصاب کا کچھ

---

(۱) فتح القدیر ۲: ۱۴۲

(۲) الفتاوی التاتار خانیة ۲: ۲۹۳

حصہ صدقہ کردے تو اتنے حصہ کی زکوٰۃ اس سے معاف ہو جائے گی۔(۱)

۴) نصاب زکوٰۃ کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو اسی تناسب سے زکوٰۃ بھی معاف ہو جائے گی۔(۲)

۵) زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد مالک نصاب کا انتقال ہو جائے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیت کر جائے تو اس کے متروکہ مال کے ایک تہائی حصہ سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی،(۳) اگر متروکہ کا ایک تہائی اتنا نہ ہو کہ اس سے متوفی کے ذمہ واجب زکوٰۃ پوری ادا ہو سکتی ہو تو اب یہ ورثہ کی مرضی پر ہوگا کہ وہ اپنے حصۂ وراثت میں سے زکوٰۃ کا باقیہ حصہ ادا کر دیں۔

۶) نصاب زکوٰۃ کا مالک ہونے کے بعد ایک یا کئی سال کی پیشگی زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے۔(۴)

۷) زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے،(۵) یا تو حقداروں کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت کرے، یا زکوٰۃ کا مال الگ کرتے ہوئے نیت کرے، ایسی صورت میں اب دیتے ہوئے نیت ضروری نہیں۔(۶)

۸) زکوٰۃ اگر کسی شخص کے حوالہ کی جائے کہ وہ اسے فقراء میں تقسیم کر دے تو اس تقسیم کرنے والے پر نیت کرنا ضروری نہیں۔(۷)

۹) زکوٰۃ کی مد میں سے کچھ رقم کسی مستحق کو دی گئی لیکن دیتے وقت نیت نہیں کی، بعد کو نیت کی، تو اگر نیت کرتے وقت وہ پیسے مستحق کے پاس موجود تھے، تو زکوٰۃ شمار ہوگی، لیکن اگر وہ شخص اس رقم کو خرچ کر چکا ہو تو وہ ادائیگی زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگی، بلکہ دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔(۸)

---

(۱) الهداية مع الفتح ۲:۲۰۶-۷ (۲) بدائع الصنائع ۲:۲۳
(۳) الفتاوى التاتارخانية ۲:۲۹۶ (۴) رد المحتار ۲:۲۷
(۵) بدائع الصنائع ۲:۴۰ (۶) المغني ۲:۲۴۰
(۷) الهداية مع الفتح ۲:۱۳۵ (۸) المغني ۲:۲۶۵

۱۰) کسی شخص کے ذمہ دَین باقی ہو، دَین کو معاف کردے اور زکوٰۃ کی نیت کرے، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور نہ اس نیت کا اعتبار ہوگا، ہاں! اگر زکوٰۃ اسے دے دے اور پھر اس سے اپنا قرض وصول کرلے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

۱۱) زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نیت اور جس کو زکوٰۃ دے رہا ہو، اس کے مصرف زکوٰۃ ہونے کی تحقیق کافی ہے، یہ ظاہر کرنا ضروری نہیں کہ زکوٰۃ دی جارہی ہے، اگر عیدی یا تحفہ کے نام سے دے دی جائے تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (۱)

۱۲) جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوئی، خود اس مال کے ذریعہ بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے، اور اس کی قیمت کے ذریعہ بھی، یہی حکم صدقۃ الفطر، عشر، نذر اور کفارہ کا بھی ہے۔ (۲)

۱۳) قیمت کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کرنے میں اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جب نصاب زکوٰۃ پر سال گذرا اور زکوٰۃ واجب ہوئی، اسی پر فتویٰ ہے۔ (۳)

۱۴) اور اس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہے جہاں مال ہے، نہ کہ مالک کے مقام سکونت کا۔ (۴)

۱۵) زکوٰۃ سے بچنے کے لیے حیلہ جائز نہیں، گناہ ہے۔ (۵)

قرض میں زکوٰۃ کی نیت

سوال:- میری رقم بعض حضرات کے ذمہ واجب ہے اور ان سے قرض وصول ہونے کی امید نہیں، وہ مستحق زکوٰۃ بھی ہیں، مجھ پر جو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، کیا میں ان کے ذمہ واجب الادا قرض کو اس کے حساب میں شامل کرسکتا ہوں؟

(ندیم احمد، حشمت پیٹ)

---

(۱) رد المحتار: ۶/۸۹
(۲) الهداية مع الفتح: ۲/۱۴۴
(۳) رد المحتار: ۳/۴۴
(۴) رد المحتار: ۳/۴۴
(۵) كتاب الخراج لأبي يوسف ص: ۸۰

جواب:- زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور عبادتوں کے سلسلہ میں یہ اصول ہے کہ اس کے لئے نیت ضروری ہے، اور نیت بھی اس فعل کی ابتداء میں، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ جس وقت آپ نے وہ رقم دی تھی، اس وقت قرض کی نیت تھی، نہ کہ زکوٰۃ کی، اس لئے اب اس میں زکوٰۃ کی نیت نہیں کی جاسکتی، ہاں، یہ بات درست ہے کہ آپ اسے زکوٰۃ دیدیں، اور پھر اس سے قرض وصول کرلیں۔

روپیہ کے بجائے سامان اور دوا کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی

سوال:- میں ایک ویلفیر سوسائٹی چلاتا ہوں، بہت سے مجبور، دکھی، یتیم، بیوہ وغیرہ مدد کے لئے آتے رہتے ہیں، کیا ایسے حاجت مندوں کو زکوٰۃ کی مد سے کھانے پینے کا سامان، دوا وغیرہ دلوائی جاسکتی ہے؟ (محمد حبیب الدین، باغ امجد الدولہ)

جواب:- زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے صرف روپیہ کی ہی شکل میں ادا کیا جائے، اگر انہیں پیسوں سے دوا اور ضرورت کا سامان خرید کرکے دے دیا جائے اور مستحق شخص کو اس کا مالک بنادیا جائے، تو یہ بھی کافی ہے، عام طور پر پیسوں سے زکوٰۃ اس لئے ادا کی جاتی ہے کہ اس سے ضرورت مندوں کو سہولت ہوتی ہے، اور ہر طرح کی اشیاء وہ حاصل کرلیتے ہیں؛ لیکن اگر کسی ضرورت مند کو روپیہ دینے کی بجائے اشیاءِ ضرورت خرید کر دینے میں مصلحت محسوس ہو، مثلاً اندیشہ ہو کہ اگر پیسے دے دیئے جائیں گے تو وہ اس کا صحیح استعمال نہیں کرے گا، تو ایسی صورت میں اشیاءِ ضرورت ہی کا فراہم کردینا افضل ہے، بہر حال دوا اور دوسرے ضروری سامان کی صورت میں بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

رمضان المبارک کے بعد زکوٰۃ کی سپردگی

سوال:- ماہِ رواں یعنی رمضان کی سعادت سے مشرف ہونے کی نیت سے اسی ماہ میں حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، مگر

چند سالوں سے زکوۃ کی کثیر رقم میرے پاس اہل تعلق کی طرف سے
جمع ہو جاتی ہے، جس کو غریب قرابت داروں میں تقسیم کر دیتا ہوں،
البتہ کچھ رقم بچا کر رکھتا ہوں جون، جولائی میں تعلیمی فیس ادا کرنے
کے لئے، کیا اس طرح ماہ رمضان المبارک میں زکوۃ ادا کرنے کا
اجر حاصل ہو جائے گا؟ (عبدالرحمن، ٹولی چوکی)

جواب:- زکوۃ کا اصل مقصد غرباء کی ضرورت کو پورا کرنا ہے، اگر رمضان ہی کو زکوۃ کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو دوسرے دنوں میں ان کی ضروریات کس طرح پوری ہوں گی؟ اس لئے آپ کا یہ عمل مستحسن ہے، جب آپ نے رمضان المبارک میں زکوۃ کا حساب کرلیا اور غرباء پر صرف کرنے کے لئے رقم الگ کرلی تو گویا آپ نے رمضان ہی میں زکوۃ ادا کی ہے:

" والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيحرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بوجودها حالة العزل دفعا للحرج " (۱)

رمضان المبارک میں ہی زکوۃ ادا کرنا

سوال:- عام طور پر لوگ رمضان المبارک ہی میں زکوۃ ادا کرتے ہیں، اگر زکوۃ چھ ماہ پہلے ہی واجب ہوئی تو اسے بھی روکے رکھتے ہیں اور رمضان میں زکوۃ نکالتے ہیں، شرعاً کیا یہ طریقہ کار درست ہے؟ (احمد عبدالحئی، یاقوت پورہ)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ رمضان المبارک کا مہینہ برکت و سعادت اور قبول و استجابت کا مہینہ ہے، اس مہینہ میں جو عبادتیں کی جاتی ہیں، ان کے مقبول ہونے کی زیادہ توقع

---

(۱) البحر الرائق: ۲/ ۳۶۸

ہے، لیکن جب کوئی عمل فرض ہو جائے تو اس میں تاخیر کرنا مناسب نہیں، جب ایک شخص نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو گیا اور اس پر سال گذر گیا تو اس کو جلد سے جلد زکوٰۃ ادا کر دینی چاہئے، اسی لئے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ فرض ہو جانے کے بعد اس میں تاخیر باعث گناہ ہے:

"وافتراضها عمري وقيل فوري (أي واجب على الفور) وعليه الفتوى، فيأثم بتأخيرها بلا عذر" (۱)

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ رمضان آنے سے پہلے اس کی موت ہو جائے، ایسی صورت میں یہ فریضہ اس کے ذمہ باقی رہ جائے گا، البتہ اگر رمضان ہی میں زکوٰۃ نکالنا چاہتا ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ آئندہ سال کی زکوٰۃ پہلے ہی نکال دے، کیونکہ زکوٰۃ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کر دی جائے، پھر جب زکوٰۃ واجب ہونے کا اصل وقت آئے تو حساب کرے، اگر زکوٰۃ کی مزید رقم نکلتی ہو تو اسے ادا کر دے اور اگر زکوٰۃ سے زیادہ رقم رمضان میں نکال چکا تھا تو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں اس کا حساب کر لے: "يجوز تعجيل الزكاة بعد ملك النصاب" (۲)

زکوٰۃ کی ترسیل میں زکوٰۃ کی رقم

سوال:- زکوٰۃ کی رقم ایک مقام سے دوسرے مقام کو روانہ کرنے پر کچھ خرچ آتا ہے، کیا اس خرچ کو زکوٰۃ کی رقم میں سے منہا کیا جا سکتا ہے یا پھر یہ زائد رقم زکوٰۃ ادا کرنے والے کو دینی ہوگی، یا بینک سے حاصل شدہ زائد سودی رقم اس پر خرچ کی جا سکتی ہے؟

(محمد حبیب الدین، نیو یارک)

جواب:- زکوٰۃ بھیجنے میں جو رقم خرچ ہو، اس کو زکوٰۃ کی رقم سے منہا نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ مستحق شخص کو زکوٰۃ پہنچانا اس شخص کی ذمہ داری ہے، جو زکوٰۃ نکالتا ہے، اسی طرح اس

---

(۱) درمختار مع الرد: ۱۹۲/۳ (۲) خانیہ علی هامش الهندیہ: ۲۶۴/۱

کام کے لئے سود کی رقم کو استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ اپنی ذمہ داری کی ادائے گی میں سودی رقم کو استعمال کرنا ہوگا اور یہ بھی ایک ایسی ذمہ داری ہی ہے جو خاص صورت ہے۔

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی اور ایک ہی سال میں دوسرے سال کی زکوٰۃ کا واجب ہونا

سوال:- (الف) میرے پاس کچھ رقم ہے، جس کی زکوٰۃ میں نے گذشتہ رمضان میں نصاب کے مطابق ادا کردی ہے، وہی رقم میرے پاس موجود ہے، کیا اس سال بھی اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

(ب) میں نے اپنے زکوٰۃ ادا کرنے کی تاریخ سے تین ماہ پہلے ہی ایک غریب عورت کو بیٹی کی شادی میں مدد کے طور پر زکوٰۃ کی نیت سے کچھ رقم دے دی تھی، کیا یہ زکوٰۃ ادا ہوگئی یا رمضان میں — جب کہ میں زکوٰۃ ادا کیا کرتا ہوں — دوبارہ مجھے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

(محمد مجیب الحق قادری، محبوب نگر)

جواب:- (الف) جو مال بچا ہے، یہاں تک کہ آپ کے زکوٰۃ ادا کرنے کی تاریخ آجائے، اس کی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؛ کیوں کہ زکوٰۃ سالانہ مالی عبادت ہے، جب تک وہ مال باقی رہے گا، ہر سال بچی ہوئی مقدار کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا: "لا زکوۃ فی مال حتی یحول علیه الحول" (۱)

(ب) زکوٰۃ سال گذرنے سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک سال پیشگی زکوٰۃ وصول کرلی تھی (۲) — اسی لئے فقہاء نے قبل از وقت ادائیگی زکوٰۃ کے درست ہونے کی

---

(۱) ترمذی، باب ماجاء لا زکوۃ فی المال المستفاد الخ، حدیث نمبر ۶۳۱

(۲) ترمذی، باب ماجاء فی تعجیل الزکوۃ، حدیث نمبر ۶۷۸

صراحت کی ہے: "ویجوز تعجیل الزکوۃ قبل الحول" (۱) لہٰذا آپ نے تین ماہ پہلے زکوۃ کی نیت سے جو رقم دی تھی، وہ زکوۃ ہی شمار ہوگی۔

زکوۃ دے کر قرض کی واپسی کا مطالبہ

سوال:- ایک غریب دوست نے مجھ سے قرض لیا تھا لیکن اب واپس نہیں کر رہا ہے، کیا میں یہ کر سکتا ہوں کہ زکوۃ کی رقم اس کو دے کر اس سے کہوں کہ میرا قرض واپس کر دو، اور اگر وہ خوش دلی سے میری دی ہوئی رقم واپس نہ کرے تو کیا میری زکوۃ ادا ہو جائے گی؟ (محمد اقبال، بیدر)

جواب:- زکوۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ کسی مستحق شخص کو مالِ زکوۃ کا مالک بنا دیا جائے، جب وہ اس پیسے کا مالک ہو چکا تو اب اس کی حیثیت بدل گئی، لہٰذا اگر وہ اس پیسے سے آپ کا قرض ادا کرے، خواہ اپنی مرضی سے کرے یا آپ کے مطالبہ پر کرے، کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ وہ پیسہ آپ کے حق میں زکوۃ نہیں، رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے، انہوں نے آپ ﷺ کی ضیافت کے لئے کچھ پیش کیا، لیکن جو گوشت پک رہا تھا، وہ دسترخوان پر نہیں رکھا، آپ ﷺ نے سبب دریافت کیا، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یہ صدقہ کا گوشت ہے اور آپ کے لئے صدقہ جائز نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ تمہارے لئے صدقہ ہے اور جب تم میرے سامنے پیش کروگی تو وہ ہدیہ ہوگا: "لک صدقۃ ولنا ھدیۃ" (۲) —— اس معاملہ کی نوعیت بھی یہی ہے کہ آپ نے جو رقم اپنے غریب دوست کو دی، وہ زکوۃ ہے، پھر جب آپ کے مطالبہ پر یا بلا مطالبہ انہوں نے آپ کو قرض ادا کیا تو اب یہ زکوۃ باقی نہیں رہی، اور قرض کو وصول کرنے میں مقروض کی رضامندی ضروری نہیں، اگر خوش دلی کے بغیر بھی ادا کرے تب بھی قرض وصول کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) المحیط البرہانی: ۲/۱۹۱

(۲) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر: ۱۴۹۳

عشر کا بیان

پیداوار کی زکوٰۃ اور کھاد وغیرہ کے اخراجات

سوال:- زمین کی پیداوار میں قدرتی ذرائع اور مصنوعی ذرائع آب پاشی یعنی پانی کھینچ کر سیراب کرنے پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ بارش سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں سے اخراجات کو بغیر نکالے پوری پیداوار پر دسواں حصہ زکوۃ نکالی جائے، جب کہ آج کے دور میں بارش سے سیراب ہونے والی فصل پر کثیر اخراجات ہو رہے ہیں، جو کہ پہلے نہیں تھے، مثلاً خاص قسم کے تخم اور تخم ریزی، کیمیائی کھاد یعنی فرٹیلائزر (Fertilizer) اور جراثیم کش ادویات کے چھڑکاؤ وغیرہ پر کثیر اخراجات ہو رہے ہیں، یہاں تک کہ یہ خرچ کل پیداوار کا آدھا اور چوتھائی تک بھی پہنچ جاتا ہے، ایسی صورت میں کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ جو بھی اخراجات آئیں، ان کو پہلے جملہ پیداوار میں منہا کیا جائے پھر جو باقی بچے اس پر دسواں حصہ زکوۃ ادا کی جائے؟ (محمد امین الدین، وجے نگر کالونی)

جواب:- شریعت میں قدرتی ذرائع سے پانی کے حصول اور مصنوعی ذرائع سے

پانی کے حصول میں زکوٰۃ کی شرح کے اعتبار سے فرق کیا گیا ہے، کیوں کہ پانی جس ذریعے سے بھی حاصل ہو، پیداوار برابر ہی ہوتی ہے، کیمیائی کھاد وغیرہ کا معاملہ اس سے الگ ہے؛ کیوں کہ اس سے فطری پیداوار میں بھی اضافہ ہوتا ہے، تو اگر زائد پیسے خرچ ہوئے تو زائد پیداوار بھی حاصل ہوئی؛ اس لئے اس صورت میں زکوٰۃ کی شرح دس فیصد ہی رہے گی، اگرچہ کھاد استعمال کی گئی ہو۔

واللہ اعلم

متفرقات

وقتی ضروریات کے لئے کارِ خیر میں تعاون

سوال:- اہل خیر حضرات فی سبیل اللہ تعاون کرنے کے لئے ان ہی مصارف کا انتخاب کرتے ہیں، جو دائمی طور پر باقی رہنے والے ہیں، جیسے مسجد کے لئے زمین کی خریدی وغیرہ، اور جو اشیاء دائمی طور پر باقی نہیں رہتیں جیسے جائے نماز اور لاؤڈ اسپیکر وغیرہ، ان میں تعاون کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیا جن اشیاء کی منفعت و افادیت محدود ہو، تاہم ان کی فی الفور سخت ضرورت ہو، ان میں تعاون نہ کرکے دائمی طور پر باقی رہنے والی اشیاء میں اپنی رقم خرچ کرنی چاہئے؟ (محمد غوث الدین، کاماریڈی)

جواب:- اس میں شبہ نہیں کہ صدقہ جاریہ یعنی کسی باقی رہنے والی چیز کے ذریعہ صدقہ کرنے کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر دائمی اشیاء میں تعاون کرنے میں اجر و ثواب نہیں، بالکہ اجر و ثواب ہے، حقیقت یہ ہے کہ کسی تعاون کا ثواب اس کی ضرورت و حاجت کے اعتبار سے ہوتا ہے، جس وقت جس چیز کی ضرورت ہو، اس وقت اس کو مہیا کرنے میں زیادہ اجر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایک ذرہ بھی نیکی کی جائے تو اس کا بھی اجر ملے گا:

﴿فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ﴾ (۱)

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو جہنم سے بچو" (۲)

صدقات میں سب سے افضل زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ وقتی ضروریات ہی پر خرچ کی جاتی ہے، اس لئے یہ تصور درست نہیں کہ دائمی اور باقی رہنے والی چیزوں میں تعاون کیا جائے، اگر ہر آدمی کی یہ سوچ ہو جائے تو دین کے بہت سے کام انجام ہی نہ دیئے جاسکیں گے۔

---

(۱) زلزال: ۷

(۲) بخاری - عن عدی بن حاتم، حدیث نمبر: ۱۴۱۷

صدقۃ الفطر کے احکام

پوتے کا صدقۃ الفطر

سوال :- جو چھوٹے بچے ، دادا کے زیر پرورش ہوں اور ان بچوں کے والد کا انتقال ہوگیا ہو ، کیا دادا پر ان کا صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہے؟ (فتح اللہ انصاری ، بھیونڈی)

جواب :- دادا کی ولایت چونکہ پوتوں پر بہ مقابلہ باپ کے کمتر درجہ کی ہوتی ہے ، اس لئے پوتوں کی طرف سے صدقۃ الفطر نکالنا دادا پر واجب نہیں ہے ، نہ ان کے والد کی زندگی میں اور نہ اس صورت میں جب بچوں کے والد کا انتقال ہوگیا ہو :

"ولیس علی الجد أن یؤدی الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذا كان الأب حیا ... باتفاق الروایات ، وكذا لو كان الأب میتا في ظاهر الروایة ... الخ" (۱)

کن رشتہ داروں کا فطرہ نکالنا واجب ہے؟

سوال :- صدقۃ الفطر کن رشتہ داروں کا نکالنا واجب ہے؟ بھائیوں کا ، ماں باپ کا اور جوان اولاد کا ، اسی طرح شوہر اور بیوی کا صدقہ نکالنا کیا واجب ہے؟ اور اگر نکال دے تو کیا ان کی طرف

---

(۱) فتاوی قاضی خاں علی هامش الفتاوی الهندیة : ۱/۲۲۸

سے ادا ہو جائے گا؟ (فاطمہ جمیل، آغاپورہ)

جواب :- جہاں تک صدقۃ الفطر واجب ہونے کی بات ہے تو یہ تو اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ہی واجب ہے، بھائی اور دوسرے قرابت دار گو اس کی پرورش میں ہوں، ان کی طرف سے صدقۃ الفطر نکالنا واجب نہیں ہے، یہی حکم والدین، بیوی اور بالغ اولاد کا بھی ہے، البتہ ہندوستان کے معاشرہ میں عام طور پر بیوی، بالغ بچوں اور والدین کا فطرہ بھی لوگ نکالا کرتے ہیں، یہ بھی جائز بلکہ بہتر ہے، اگر پہلے سے ان میں سے کسی کا فطرہ نہیں ادا کرتے تھے اور اس سال آپ نے ادا کیا تو اجازت لے لینی چاہئے، کیوں کہ عبادت میں نیت ضروری ہے، اور نیت اذن واطلاع کے بغیر نہیں پائی جائے گی، اور اگر پہلے سے ان اعزہ کی طرف سے صدقۃ الفطر دیتے ہوئے آئے ہیں، خود ان لوگوں کو بھی اس کا علم ہے، تو اب اجازت لینے کی ضرورت نہیں، گذشتہ معمول کو دیکھتے ہوئے ان کی طرف سے از خود اجازت سمجھی جائے گی:

" ... وعن أبي يوسف إذا أدى عن زوجه أو عن أولاده الكبار جاز و إن لم يؤمر بذلك ، لأنه بمنزلة المأذون عنهم عادة و عليه الفتوى " (۱)

صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا وقت

سوال :- صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا وقت کیا ہے؟ کیا عید الفطر کے دن سے پہلے بھی صدقۃ الفطر ادا کیا جاسکتا ہے؟

(محمد اجمل حسین، تالاب کٹہ)

جواب :- صدقۃ الفطر عید کے دن سے پہلے بھی ادا کیا جاسکتا ہے، بلکہ پہلے ادا کر دینا بہتر ہے، کیوں کہ اس کا مقصد عید کی خوشیوں میں اپنے غریب بھائیوں کو شریک کرنا

---

(۱) فتاوی قاضی خاں علی هامش الفتاوی الهندية ۱/۲۲۸

ہے اور یہ شرکت اسی وقت ہو سکتی ہے جب عید سے پہلے ان تک اعانت پہنچ جائے — کتنا پہلے صدقۃ الفطر دیا جا سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے کے بعد کبھی بھی صدقۃ الفطر دے سکتے ہیں، بعض حضرات نے اسی قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے،(۱) لہٰذا رمضان المبارک شروع ہونے کے بعد کبھی بھی صدقۃ الفطر ادا کیا جا سکتا ہے، اگر عید کا چاند نکل گیا اور اب تک ادا نہیں کر سکا تو عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا افضل ہے، اگر اس وقت بھی ادا نہیں کر پایا تو صدقۃ الفطر معاف نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کے ذمہ باقی رہے گا، یہاں تک کہ اگر محتاج ہو جائے اور اس لائق باقی نہ رہے کہ اس پر صدقۃ الفطر واجب ہو سکے تب بھی گذشتہ صدقہ تو واجب ہی رہے گا:

" و لاتسقط بتأخير الأداء و إن افتقر : لأنها متعلقة بالذمة دون المال " (۲)

صدقۃ الفطر کس شکل میں دیا جائے؟

سوال:- صدقۃ الفطر میں کون سی چیز دینا بہتر ہے، گیہوں، چاول یا پیسے؟ (عمران علی، ملکنڈم)

جواب:- صدقۃ الفطر کی مقدار آپ ﷺ نے ایک صاع کھجور، یا نصف صاع گیہوں مقرر فرمائی ہے،(۳) نصف صاع گیہوں موجودہ اوزان میں محتاط قول کے مطابق پونے دو کیلو کے قریب ہوتا ہے، اور عام طور پر ہندوستان میں گیہوں ہی کے ذریعہ فطرہ ادا کیا جاتا ہے، عام طور پر فقہاء نے اگر معتدل حالات ہوں، تو قیمت کے ادا کرنے کو افضل قرار دیا ہے، اگر قحط کے حالات ہوں، تو کھجور یا گیہوں کا دینا افضل ہے:

" ولو دفع القيمة (الدراهم) أفضل من دفع العين

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان: ۲۳۲/۱ (۲) حوالہ سابق

(۳) صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب فرض صدقة الفطر، حدیث نمبر: ۱۵۰۳

على المذهب (المفتى به) ... وهذا في السعة، أما
في الشدة فدفع العين أفضل كما لا يخفى " (۱)

قیمت دینا اس لئے افضل ہے کہ پیسوں کے ذریعہ ضرورت مند شخص اپنی ہر طرح کی ضرورت پوری کر سکتا ہے، (۲) ——— لیکن اس حقیر کا خیال ہے کہ گزشتہ ادوار میں گیہوں کی قیمت کھجور سے زیادہ ہوتی تھی، خاص کر عرب کے علاقہ میں، اس لئے نصف صاع گیہوں کی قیمت میں ایک صاع کھجور بھی خرید کیا جا سکتا تھا، لیکن موجودہ دور میں ایسا نہیں ہے، آج کل گیہوں کی قیمت کھجور کی مقررہ مقدار کے اعتبار سے کافی کم ہوتی ہے، اس طرح صدقۃ الفطر کی ادائیگی مشکوک ہو جاتی ہے، اس لئے فی زمانہ گیہوں کے ذریعہ ہی صدقۃ الفطر ادا کرنا افضل ہے، تاکہ فطرہ کی مکمل ادائیگی میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، اس کی تائید ان علماء کی رائے سے بھی ہوتی ہے جن کے ذریعہ بہر حال گیہوں ہی سے صدقۃ الفطر ادا کرنا افضل ہے، کیوں کہ حدیث میں اسی کا ذکر آیا ہے۔ (۳)

" ما في المضمرات من أن دفع الحنطة أفضل في
الأحوال كلها، سواء كانت أيام شدة أم لا ؛ لأن
في هذا موافقة السنة وعليه الفتوى " (۴)

فاتر العقل لڑکے کا فطرہ

سوال:- زید کا ایک لڑکا ہے، جس کی عمر بیس سال ہے، لیکن وہ پیدائشی طور پر دماغی خلل میں مبتلا ہے، ابھی بھی اس کو ہوش وحواس اور شعور وفہم نہیں ہے، کیا اس کا بھی صدقۃ الفطر واجب ہوگا؟

(جواد علی، مہدی پٹنم)

---

(۱) الدر مع الرد: ۳۲۲/۳ (۲) رد المحتار: ۳۲۲/۳
(۳) صحيح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب فرض صدقة الفطر، حدیث نمبر: ۱۵۰۷
(۴) رد المحتار: ۳۲۲/۳

جواب:- جو لڑکا فاتر العقل ہو، چاہے وہ بالغ ہو چکا ہو، پھر بھی اسے نابالغ کے حکم میں رکھا گیا ہے، اس لئے اس کے والد پر اس کا صدقۃ الفطر ادا کرنا واجب ہے، خواہ وہ پیدائشی طور پر فاتر العقل ہو یا بعد میں فتور عقل پیدا ہوا ہو:

"وفي التاتارخانية: أن المعتوه والمجنون بمنزلة الصغير سواء كان الجنون أصليا بأن بلغ مجنونا أو عارضا، هو الظاهر من المذهب" (۱)

رمضان المبارک میں صدقۃ الفطر

سوال:- صدقۃ الفطر کب ادا کرنا چاہئے؟ کیا رمضان المبارک میں بھی فطرہ ادا کیا جا سکتا ہے؟

(قربان علی، مستقل پورم)

جواب:- افضل طریقہ یہ ہے کہ صدقۃ الفطر عید سے ایک دو روز پہلے یا کم سے کم نماز سے پہلے ادا کیا جائے:

"ويستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلى بعد طلوع فجر الفطر" (۲)

لیکن پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے، اس لئے رمضان المبارک میں بھی ادا کر سکتے ہیں:

"تجوز مطلقا في العمر عند أصحابنا وهو الصحيح" (۳)

کیا والدہ صدقۃ الفطر ادا کرے گی؟

سوال:- ایک لڑکا یتیم ہے، اور اس کی والدہ زندہ ہے،

---

(۱) رد المحتار: ۳/۳۱۵

(۲) الدر المختار مع الرد: ۳/۳۲۲

(۳) الدر المختار مع الرد: ۳/۳۲۰

اور صاحبِ استطاعت بھی ہے، تو کیا اس پر اپنے نابالغ بچہ کا صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوگا؟ (آمنہ کوثر، دھاجب نگینک)

جواب:- نابالغ بچہ کا صدقۃ الفطر والد پر واجب ہوتا ہے نہ کہ والدہ پر:

" ... إن الأم لا يجب عليها صدقة أولادها الصغار كما في منية المفتي " (۱)

اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں ماں پر صدقۃ الفطر کا ادا کرنا ضروری نہیں، ہاں، اگر وہ اپنے طور پر ادا کرنا چاہیں تو کوئی حرج بھی نہیں، بلکہ ان شاء اللہ اس میں اجر وثواب ضرور ملے گا۔

---

(۱) رد المحتار: ۳/۳۱۵

کتاب الفتاوی

آٹھواں حصہ

کتاب الصوم

روزہ سے متعلق مسائل

رؤیت ہلال

ماہرین فلکیات کی رائے پر طلوع ہلال کا فیصلہ

سوال:- رمضان آنے والا ہے اور پھر اندیشہ ہے کہ چاند کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہو، اب مغربی ممالک میں یہ خیال زور پکڑ رہا ہے کہ فلکیاتی حساب کے لحاظ سے رمضان المبارک اور عید وغیرہ کا فیصلہ ہونا چاہئے ، اگر اس کو اختیار کرلیا جائے تو امت کو اختلاف سے بچایا جاسکتا ہے، آپ اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ (پروفیسر سراج احمد، پونے)

جواب:- بہت سی عبادات کے لئے چاند نکلنے کو شریعت میں معیار قرار دیا گیا ہے، قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے: ﴿قل هي مواقيت للناس والحج﴾ (۱) رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو اور بھی وضاحت سے فرمایا کہ ''تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو'' (۲) گویا چاند کا موجود ہونا حکم شرعی کا مدار نہیں ہے، بلکہ چاند کے دیکھے جانے پر حکم شرعی کی بنیاد ہے، فنی حسابات کے ذریعہ چاند کے موجود ہونے کو تو جانا جا سکتا ہے، لیکن چاند کے دیکھے جانے کا نہیں ، اس لئے محض فلکیاتی حسابات اس کے لئے کافی نہیں ہیں، دوسرے تقریباً ایک سال پہلے جامع مسجد دہلی کے امام صاحب کی دعوت پر رؤیت ہلال کے

---

(۱) البقرۃ: ۱۸۹ (۲) بخاری، حدیث نمبر: ۱۹۰۰

سلسلہ میں دہلی میں ایک اہم اجتماع منعقد ہوا تھا ، اس حقیر کو اس اجلاس کا کوآرڈینیٹر مقرر کیا گیا تھا، اس اجتماع میں فلکیاتی ماہرین بھی موجود تھے ، اور وہ اس بات پر متفق تھے کہ آج بھی قبل از وقت طلوع ہلال کے سلسلہ میں یقینی اطلاع نہیں دی جا سکتی ، ماہرین فلکیات صرف یہ اندازہ بتا سکتے ہیں کہ کس تاریخ کو رؤیت ہلال کا زیادہ امکان ہے ، نیز چاند نکلنے کے بعد اس کی صحیح خبر فراہم کر سکتے ہیں ؛ اس لئے پہلے سے چاند نکلنے کے سلسلہ میں پیشین گوئی فنی اعتبار سے بھی قابل بھروسہ نہیں ہے ، اسی لئے فقہاء کا ایک حد تک اس مسئلہ پر اجماع و اتفاق ہے کہ اس میں محض فنی تحقیق کا اعتبار نہیں :

" ولا عبرة بقول الموقتين أي في وجوب الصوم على الناس ، بل في المعراج ، لا يعتبر قولهم بالإجماع " (۱)

میرے خیال میں ایسے مسائل میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے انتظامی کوششوں کی ضرورت ہے ، اگر ملک کی مختلف ریاستوں کی رؤیت ہلال کمیٹیاں ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں اور پورے ہندوستان کا ایک مطلع مان کر باہمی تعاون سے فیصلہ کریں ، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ اختلاف ختم نہیں ہو ۔ وباللہ التوفیق ۔

(۱) رد المحتار : ۳/۳۵۴

روزہ کا حکم

روزہ کی نیت کا وقت اور نصف نہار سے مراد

سوال:- رمضان المبارک کے روزہ کے لئے کس وقت نیت کرنا ضروری ہے؟ عام طور پر اشتہارات میں لکھتے ہیں کہ زوال تک نیت کی جا سکتی ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

(سعادت علی، چغتیال)

جواب:- رمضان المبارک کے روزوں کی نیت بھی رات ہی میں کر لینا افضل ہے، کیوں کہ بعض فقہاء کے نزدیک ایسا ہی کرنا ضروری ہے، ان کے نزدیک اس کے بغیر روزہ درست نہیں ہوتا ہے، نیت کے لئے زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے، بلکہ دل کا ارادہ بھی کافی ہے، اگر رات میں ارادہ رہا ہو کہ کل روزہ رکھنا ہے، یا روزہ کی نیت سے سحری کھائی ہو تو یہ بھی نیت کے لئے کافی ہے؛ لیکن اگر رات میں نیت نہیں کر سکا، تو امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک صبح میں بھی نیت کی گنجائش ہے، لوگوں میں یہ بات بھی مشہور ہو گئی ہے کہ زوال تک نیت کی جا سکتی ہے، لیکن اس میں تھوڑی سی غلط فہمی ہے، حقیقت یہ ہے کہ نصف نہار تک نیت کرنے کی گنجائش ہے، نصف نہار سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق کے ساتھ ہی شرعی اعتبار سے دن شروع ہو جاتا ہے، اور غروب آفتاب تک دن رہتا ہے، اس پورے وقت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے، تو پہلے نصف کے اندر اندر نیت کر لینا کافی ہے، مثلاً اگر چھ بجے فجر کا

وقت شروع ہوتا ہو اور چھ ہی بجے سورج غروب ہوتا ہو تو ۱۲/ بجے سے پہلے پہلے نیت کر لینا ضروری ہوگا ۱۲/ بجے یا اس کے بعد نیت کرنا کافی نہیں ہوگا:

" ... إلى الضحوة الكبرى لا بعدها ولا عندها اعتبارا لأكثر اليوم " (۱)

" المراد بها نصف النهار الشرعي ، والنهار الشرعي من استطارة الضوء في أفق المشرق إلى غروب الشمس " (۲)

زوال کا وقت نصف نہار سے گھنٹہ سوا گھنٹہ بعد میں ہوتا ہے۔

روزہ کا ابتدائی وقت جنابت کی حالت میں

سوال:- اگر رمضان المبارک کی شب میں میاں بیوی کے تعلق کی نوبت آئی، اور کسی وجہ سے فجر سے پہلے غسل نہیں کر سکے، صبح ۸، ۱۰/ بجے غسل کیا، تو کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر پڑے گا؟

(حبیب الرحمن، ملک پیٹ)

جواب:- نماز کے لئے پاک ہونا شرط ہے، روزہ کے لئے پاک ہونا شرط نہیں ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ عورتیں حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہوں، اس لئے ہونا تو یہ چاہئے کہ اگر غسل کرنے سے کوئی مانع نہیں ہو تو جب سحری کے لئے اٹھے، اسی وقت غسل کر لے، اور اگر بیمار ہونے یا بیماری بڑھ جانے کے قوی اندیشہ کی وجہ سے پانی کا استعمال کرنا دشوار ہو تو تیمم کر لیا جائے، تاکہ فجر کی نماز قضا نہ ہو، اور پورا روزہ پاکی کی حالت میں ہو، تاہم اگر ایسا نہیں ہو سکا اور روزہ کا کچھ حصہ ناپاکی کی حالت میں گزر گیا، تب بھی روزہ درست ہو جائے گا، بلکہ اگر پورا دن بھی اس حالت میں گزر جائے تو گو نماز کے ترک کرنے اور دوسری عبادتوں سے محروم ہونے کا گناہ ہوگا، لیکن روزہ ادا ہو جائے گا:

(۱) الدر المختار (۲) رد المحتار: ۳/۳۴۰

أو اصبح جنبا (وإن بقي كل اليوم) لم يفطر " (۱)

کیا سعودیہ سے آنے والا ۲۹، ۳۰ کے روزہ کو ستہ شوال میں شمار کرسکتا ہے؟

سوال :- میں سعودی عرب میں رہتا ہوں، رمضان المبارک کی آخری تاریخ کو آیا، ہندوستان آنے کے بعد دو اور روزے رکھنے پڑے، کیا یہ روزے رکھنا ہم پر واجب تھا اور کیا ہم ان روزوں کو ستہ شوال میں شمار کر سکتے ہیں؟ (عبید الرحمن، بخارہ ہلز)

جواب :- رمضان المبارک کے مزید دو دن جو آپ نے ہندوستان میں پائے، ان کے روزے رکھنا آپ پر واجب تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو ماہ رمضان کو پائے، وہ روزہ رکھے: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (۲) لہٰذا جب آپ ہندوستان میں ۲۹، ۳۰ رمضان المبارک کو موجود تھے، تو آپ اس کو پانے والوں میں ہوئے، شوال کے چھ روزوں میں ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ یہ چھ روزے ماہ شوال میں رکھنے مسنون ہیں اور ان دونوں روزوں کو آپ نے جہاں رکھا، وہاں ان دنوں شوال شروع نہیں ہوا تھا۔

---

(۱) الدر المختار مع الرد : ۳۷۲/۳

(۲) البقرۃ : ۱۸۵

روزہ کے مفسدات ومکروہات

روزہ کی حالت میں حجامت وغیرہ

سوال:- روزہ کی حالت میں حجامت بنانا ، ناخن تراشنا دوپہر کے وقت نہانا کیا درست ہے؟ (کلیم اللہ خان، جگتیال)

جواب:- روزہ میں ممانعت کھانے ، پینے اور زن وشوہر کا تعلق قائم کرنے کی ہے، باقی صفائی ستھرائی اور زینت کی جو چیزیں ہیں ، روزہ کی حالت میں ان کو انجام دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا اور آنکھ میں دوا ڈالنا

سوال:- میری آنکھ میں تکلیف ہے اور مجھے روزانہ دو تین دفعہ آنکھ میں دوا ڈالنی پڑتی ہے ، ایسی صورت میں میں روزہ میں کیا کروں؟ کیا مجھے بعد میں روزہ کی قضاء کرنی چاہئے یا روزہ کی حالت میں بھی دوا یا سرمہ استعمال کرسکتی ہوں؟

(شبانہ رحمان، سکندرآباد)

جواب:- حضرت انس ؓ راوی ہیں: ایک صاحب بارگاہ نبوی ؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری آنکھ میں تکلیف ہے، کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں!(۱) اس سے معلوم ہوا کہ آنکھ میں دوا ڈالنا یا سرمہ لگانا روزہ کی حالت میں منع نہیں ہے، چنانچہ اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء نے لکھا ہے کہ روزہ دار آنکھ میں دوا ڈال سکتا ہے، چاہے اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو، یا سرمہ کا رنگ تھوک میں آ جائے، پھر بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

"ولو أقطر شيئا من الدواء في عينه لا يفطر صومه عندنا و إن وجد طعمه في حلقه و إذا بزق فرأى أثر الكحل و لونه في بزاقه ، عامة المشائخ على أن لا يفسد صومه " (۲)

اس لئے آپ روزہ رکھیں اور دوا استعمال کرلیں، آپ کے لئے روزہ توڑنا اس نیت سے کہ بعد میں اس کی قضا کرلیں گے، جائز نہیں۔

روزہ کی حالت میں بال کٹوانا اور حدیث میں حجامت سے مراد

سوال:- ایک صاحب نے بتایا کہ روزہ کی حالت میں حجامت نہیں بنوانا چاہئے؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے بتایا ہے کہ حجامت بنانے والے اور بنوانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، براہ کرم اس سلسلہ میں وضاحت کریں؛ کیوں کہ حجامت بنانے یا بنوانے والا تو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، صرف بال کاٹے جاتے ہیں، پھر اس کے روزہ ٹوٹ جانے کا کیا سبب ہے؟ (عبدالخبیر، ملے پلی)

جواب:- جن صاحب نے یہ بات بتائی ہے، ان کو غلط فہمی ہوئی ہے، عربی زبان کے بعض الفاظ اردو میں معنی کی تبدیلی کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں، ان ہی میں یہ لفظ بھی ہے، "حجامت" کے معنی "پچھنا لگانے" کے ہیں، یعنی اگر جسم میں کہیں فاسد خون جمع ہو جاتا ہے تو

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۷۲۶

(۲) الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۲۰۳

نشتر لگا کر نلکی کے ذریعہ اس خون کو کھینچ لیا جاتا ہے، پس یہ ایک طریقۂ علاج تھا، مگر اس سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ ﷺ کے حوالے سے یہ بات موجود ہے کہ پچھنا لگوانا ناقض صوم نہیں ہے۔(۱) لیکن اس طرح خون کھینچنے میں اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں خون کھینچنے والے کے منہ میں آجائے اور حلق میں اتر جائے اور اسی طرح اس کا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ جس کا خون نکالا گیا ہو وہ ضعف و نقاہت کا شکار ہو کر روزہ پورا نہیں کر سکے، اس پس منظر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پچھنا لگانے والے اور لگوانے والے کا روزہ ٹوٹ سکتا ہے: ''أفطر الحاجم و المحجوم''۔(۲)

بہر حال حجامت سے بال کٹانا اور کٹوانا مراد نہیں ہے، روزہ کی حالت میں بال کٹانے یا کٹوانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

روزہ کے درمیان قے ہو جائے؟

سوال:- میں روزہ کی حالت میں تھا، دوپہر میں سو کر اٹھا تو قے ہوگئی، کیا اب مجھ کو روزہ کی قضا کرنی پڑے گی یا میرا روزہ ہوگیا؟ واضح ہو کر قے آنے کے بعد بھی میں نے شام تک کھایا پیا نہیں۔ (مجیب الرحمن، محبوب نگر)

جواب:- اگر از خود قے آجائے تو خواہ منہ بھر ہو یا اس سے کم، اس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر قصداً کوشش کر کے قے کی جائے اور قے تھوڑی سی ہو، منہ بھر کر نہ ہو، تب بھی روزہ نہیں ٹوٹتا؛ البتہ اگر کوشش کر کے قے کی اور منہ بھر قے ہوئی تو روزہ ٹوٹ گیا، بعد میں اس کی قضا کرنی ہوگی۔ ''و الاستقاء بشرط ملء الفم''(۳) چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے قے آگئی ہو اس پر قضا نہیں ہے، یعنی اس کا روزہ نہیں ٹوٹا اور جس نے جان بوجھ کر بالارادہ قے کی ہو تو اسے قضا کرنی ہوگی، یعنی

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۷۱۹ (۲) ترمذی عن رافع بن خدیج، حدیث نمبر: ۷۷۴
(۳) ہندیہ: ۱/۲۰۴

اس کا روزہ ٹوٹ گیا:

"من ذرعه القيء فليس عليه قضاء و من استقاء عمدا فليقض "(۱)

لیکن یہ حکم کھانے، پانی یا صفرہ وغیرہ کی قے کا ہے، اگر محض بلغم کی قے ہو تو گو منہ بھر کر ہو، روزہ نہیں ٹوٹے گا:

"فإن كان بلغما فغير مفسد للصوم عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله " (۲)

پس اگر بلا ارادہ آپ کو قے ہوگئی تھی تو روزہ ہوگیا۔

روزہ کی حالت میں منہ میں دھواں چلا جائے؟

سوال:- میں ہوٹل میں ملازمت کرتا ہوں، جس میں بعض چیزیں لکڑی پر پکائی جاتی ہیں، اور دھواں ہوٹل میں پھیل جاتا ہے، اس کی وجہ سے دھواں سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے، اور دھواں ناک میں داخل ہوجاتا ہے، تو کیا اس کی وجہ سے میرے روزہ پر کوئی اثر پڑے گا؟ (امجد حسین، یاقوت پورہ)

جواب:- "دھواں" ہوا اور ہوا کے ساتھ شامل ہوجانے والے غبار و ذرات کا مجموعہ ہوتا ہے، ان میں سے ہوا ایسی شئی ہے کہ جس کے داخل ہونے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیوں کہ وہ تو انسان کی زندگی اور بقاء کے لئے ایک ناگزیر شئی ہے، اور غبار و ذرات کے حلق سے نیچے چلے جانے کو روزہ کے لئے ناقض ہونا چاہئے، اس لئے فقہاء نے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے جو حکم لگایا ہے، وہ یہی ہے کہ اگر قصداً کسی چیز کا دھواں لیا جائے، جیسا کہ عود کا دھواں لیا جاتا ہے، یا بیڑی سگریٹ پی جائے، یا کسی چیز کا بھاپ لیا جائے، تو روزہ فاسد ہوجائے گا، کیوں کہ اس میں اس کے قصد و ارادہ کو دخل ہے، اور اگر غیر ارادی طور پر دھواں یا

---

(۱) ترمذی: ۷۲۰ (۲) ہندیہ: ۱/۲۰۴

غبار حلق میں چلا جائے، جیسے کہ کھانا پکاتے ہوئے یا سڑک پر چلتے ہوئے اس کی نوبت آسکتی ہے، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

"… أو دخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكرا استحسانا لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أي دخان كان، ولو عودا أو عنبرا لو ذاكرا، لإمكان التحرز عنه لم يفطر" (۱)

روزہ میں میڈیکل ٹسٹ کے لئے خون نکالنا

سوال:- اگر روزہ کی حالت میں میڈیکل ٹسٹ کے لئے جسم سے خون نکالا جائے تو کیا اس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

(سید حبیب اللہ، شاہین نگر)

جواب:- روزہ ایسی چیزوں سے ٹوٹتا ہے جو جسم میں داخل ہو، ایسی چیزوں سے نہیں جو جسم سے باہر نکلے، اس لئے خون نکالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "الفطر مما دخل لا مما خرج" (۲)، نیز آپ ﷺ نے روزہ کی حالت میں پچھنا لگوایا ہے، یہ بھی گذشتہ زمانہ میں فاسد خون نکالنے کا ایک طریقہ تھا، اس لئے فقہاء نے پچھنا لگانے کی وجہ سے روزہ نہ ٹوٹنے کی صراحت کی ہے:

"إذا أكل الصائم ناسيا … أو احتجم … لم يفطر" (۳)

روزہ کی حالت میں مسواک

سوال:- روزہ کی حالت میں کیا مسواک کرنا چاہئے

(۱) الدر المختار مع الرد: ۳۶۶/۳

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصوم، باب من رخص للصائم أن يحتجم، حدیث نمبر: ۹۳۱۹

(۳) درمختار مع الرد: ۳۶۷/۳

اور منجن کا استعمال کر سکتے ہیں؟ چوں کہ میں صبح میں ٹوتھ پیسٹ نہ لگاؤں تو بے چینی ہوتی رہتی ہے، جو لوگ اس کیفیت سے دوچار ہوں، کیا ان کے لئے ٹوتھ پیسٹ لگانے کی گنجائش ہے؟

(مصباح الحق، قاضی پورہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں مسواک کیا کرتے تھے، حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے بے شمار دفعہ آپ کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۱) امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار دن کے ابتدائی حصہ میں بھی مسواک کر سکتا ہے اور آخری حصہ میں بھی، البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کا تھوک نگلے نہیں، اس لئے مسواک کرنے میں تو کوئی حرج نہیں، چاہے مسواک سوکھی ہو یا تر، یا پانی میں بھگوئی ہوئی:

" و لابأس بالسواك الرطب و اليابس في الغداة والعشي عندنا " (۲)

البتہ منجن اور پیسٹ میں چونکہ ذائقہ بھی ہوتا ہے اور اس بات کا بھی خاصا امکان ہوتا ہے کہ اس کے اجزا تھوک کے ساتھ حلق سے نیچے چلے جائیں، اس لئے روزہ کی حالت میں منجن یا پیسٹ کرنا کراہت سے خالی نہیں:

" و يكره للصائم أن يذوق العسل أو الدهن " (۳)

یہ حکم فرض روزوں کے لئے ہے، نفل روزوں کا حکم نسبتاً خفیف ہے، اس لئے اس میں آپ جیسے لوگوں کے لئے پیسٹ لگانے کی گنجائش ہے:

" و ذكر في التجنيس إن كراهة الذوق في الصوم الفرض و أما التطوع فلابأس ، كذا في النهاية " (۴)

البتہ رمضان المبارک میں مسواک کرنے پر اکتفا کریں۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۲۳۶۴ (۲) الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۱۹۹

(۳) الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۹۹ (۴) الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۹۹

سحر وافطار کے احکام

سحری اور صبح صادق کا فاصلہ

سوال:- صبح صادق کے طلوع ہونے یعنی فجر کا وقت شروع ہونے اور سحری کھانے کے درمیان احتیاطاً کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ اور اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا عمل کیا تھا؟

(حمید الدین، میسور)

جواب:- آپ ﷺ طلوع صبح سے پہلے پہلے سحری میں تاخیر کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ ابوعطیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کے دو صحابی ہیں، جن میں ایک افطار میں عجلت کرتے ہیں اور سحری میں تاخیر، اور دوسرے افطار میں تاخیر کرتے ہیں اور سحر میں عجلت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا: افطار میں عجلت اور سحری میں تاخیر کرنے والے کون ہیں؟ میں نے عرض کیا: حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔(۱) اس سے معلوم ہوا کہ سحری میں تاخیر مستحب ہے، لیکن یہ تاخیر اتنی بھی نہ ہو کہ روزہ مشکوک ہو جائے:

"ثم تأخير السحور مستحب ...... ويكره تاخير السحور إلى وقت يقع فيه الشك" (۲)

---

(۱) مسلم: ۱۰۹۹، نسائی: ۲۱۵۸　(۲) ہندیہ: ۱/۲۰۰

اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا اسوہ جو نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سحری اور فجر کی اذان کے درمیان پچاس آیات کی تلاوت کے بقدر فصل ہوا کرتا تھا۔(۱) پچاس آیات ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھی جائیں تو اندازاً پانچ چھ منٹ کا وقت صرف ہوگا، اس لئے رات کا وقت ختم ہونے اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے کم سے کم پانچ چھ منٹ پہلے کھانا پینا بند کر دینا چاہئے۔

فجر کی اذان تک سحری کھانا

سوال:- رمضان المبارک میں بعض مسجدوں میں تاخیر سے فجر کی اذان ہوتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ فجر کی اذان ہونے تک سحری کھانے کی گنجائش باقی رہتی ہے، اس سلسلہ میں حکم شریعت کی وضاحت کی جائے؟　　　(غ ، د ، یاقوت پورہ)

جواب:- صبح صادق کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے، یہ بات صراحتاً قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، ایسا نہیں ہے کہ جب تک فجر کی اذان نہ ہو سحری کھانے کی گنجائش باقی ہو، اگر فجر کا وقت شروع ہو چکا اور اذان میں تاخیر ہے، اس لئے اذان سے پہلے کسی نے کھالیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا، اس لئے فجر کا وقت شروع ہونے سے چند منٹ پہلے ہی کھانا کھانا بند کر دینا چاہئے — نیز مساجد کے ذمہ داران سے التماس ہے کہ خاص کر رمضان المبارک میں فجر کا وقت شروع ہوتے ہی اذان کا اہتمام کرائیں، تاکہ لوگوں کا روزہ مشکوک نہ ہو اور وہ غلط فہمی سے دوچار نہ ہوں۔

اذان کے درمیان سحری مکمل کرنا

سوال:- بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص سحری کھا رہا ہو، کھانا مکمل نہ ہوا ہو اور درمیان میں اذان ہو جائے تو سحری

---

(۱) بخاری عن زید بن ثابت ؓ، حدیث نمبر:۱۹۲۱

مکمل کر لے، کیا یہ بات درست ہے؟ سعودی عرب سے آنے والے نوجوان کو خاص طور پر ایسے کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔

(ر ۔ ع ، د ، یاقوت پورہ)

جواب:- روزہ کے ابتدائی اور انتہائی اوقات قطعی دلیلوں سے ثابت ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (۱)

یعنی کھاتے پیتے رہو جب تک رات کی سیاہی ختم ہو کر صبح کی سفیدی نہ آجائے یعنی فجر کا وقت شروع نہ ہو جائے قرآن کے اس حکم میں صراحت ہے کہ صبح ہوتے ہی روزہ دار کے لئے کھانے پینے کی ممانعت ہو جاتی ہے۔

حدیثیں بکثرت اس سلسلہ میں موجود ہیں کہ طلوع فجر کے ساتھ ہی روزہ کا آغاز ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں ان روایات کو دیکھا جا سکتا ہے جو سحر و افطار کے سلسلہ میں ہیں، محدثین کی اصطلاح کے مطابق یہ معنوی اعتبار سے تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں اور حدیث متواتر بھی قرآن مجید کی طرح ثبوت کے اعتبار سے قطعی یعنی یقینی دلیل کے درجہ میں ہے۔

پھر اس پر امت کے تمام قابل ذکر فقہاء و محدثین کا اتفاق ہے، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ کا یہی نقطۂ نظر ہے، گویا اس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے، اور جس بات پر امت کا اتفاق ہو وہ بھی دلیل قطعی یعنی یقینی دلیل کے حکم میں ہے: کیوں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت غلط رائے پر متفق نہیں ہو سکتی: ''لا يجمع الله أمتي على الضلالة'' (۲)

بعض روایتوں میں جو یہ بات آئی ہے کہ سحری کے درمیان اذان ہو جائے تب بھی

---

(۱) البقرۃ: ۱۸۷ (۲) مستدرک، حدیث نمبر: ۳۹۳

کھانا پینا مکمل کرلے، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے، اول تو آیت قرآنی، حدیث متواتر اور اجماع امت کے مقابلہ ایسی روایت معتبر نہیں ہوسکتی، دوسرے بعض اور احادیث کو سامنے رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا منشا کچھ اور ہے، بات یہ تھی کہ حضرت بلال ﷛ بعض اوقات غلط فہمی میں قبل از وقت اذان دے دیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت انس ﷛ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم کو (حضرت) بلال ﷛ کی اذان سحری سے نہ روک دے کہ ان کی آنکھ میں کچھ بیماری ہے:

"لا يمنعكم أذان بلال من السحور فإن في بصره شيئاً" (۱)

مذکورہ حدیث میں یہی صورت مراد ہوسکتی ہے کہ اگر کوئی مؤذن غلط فہمی میں قبل از وقت اذان دے دے تو اس سے سحری کا وقت ختم نہیں ہوتا، بلکہ یہ بات نا قابل تصور ہے کہ قرآن تو کہتا ہے کہ طلوع فجر کے ساتھ ہی کھانا پینا چھوڑ دو، خود آپ ﷺ نے بار بار اپنے ارشادات کے ذریعہ اس بات کو واضح فرمایا ہو اور پھر آپ ﷺ ہی نے اس کے خلاف عمل کی بھی اجازت دے دی ہو۔

انتہاء سحر کا وقت

سوال:- حیدرآباد کے اوقات سحر و افطار میں انتہاء سحر اور ابتداء فجر کے درمیان ۲۴/ منٹ کا فاصلہ پایا جاتا ہے، اس وقفہ کی کیا حیثیت ہے؟ اگر کوئی شخص اس وقفہ میں کھا پی لے، تو اس کا روزہ خراب تو نہیں ہوگا؟ (محمد جمال، نلگنڈہ)

جواب:- اس حقیر نے جہاں تک اس کی تحقیق کی ہے اور اس فن کے بعض معروف علماء اور اہل فن سے رابطہ کیا ہے، اس کے مطابق اس ۲۴/ منٹ میں پہلے دس منٹ رات کے

---

(۱) مجمع الزوائد: ۳/۱۵۳

اوقات ہیں، کیوں کہ اکثر اہل علم کے بیان کے مطابق صبح صادق ۱۸ درجہ افق پر طلوع ہوجاتی ہے، اور اس لحاظ سے یہ ۱۰ منٹ رات کا وقت قرار پاتا ہے، اس لئے اس میں بھی کھانے پینے کی گنجائش ہے، اور بہتر ہے کہ کم از کم ۵ منٹ پہلے تو چھوڑ ہی دے، کیوں کہ عبادت میں جہاں تک ممکن ہو احتیاط پر عمل کرنے کا حکم ہے، بعد کے ۱۲ منٹ صبح صادق کے بعد کے ہیں، اس لئے یہ روزہ کے اوقات میں شامل ہیں، ان میں کھانا پینا حرام ہے، بعض اہل علم کا خیال تھا کہ اس میں ابتدائی ۱۰ منٹ رات کے اور بعد کے ۱۲ منٹ صبح کاذب کے ہیں، جو رات ہی کے حکم میں ہے، یعنی فجر کا وقت ان کے نزدیک کے مطابق شروع ہی ہوتا ہے ۲۲ منٹ گزرنے کے بعد، اس حقیر کو بھی بعض کتب کی عبارات دیکھتے ہوئے گمان ہوگیا تھا کہ یہ رائے درست ہے، لیکن جب اوقات سے متعلق مختلف کتابوں سے مراجعت کی گئی، نیز دار العلوم دیوبند کے بعض ماہر اساتذہ اور ہندوستان میں اس فن کی بعض ماہر شخصیتیں — جو عالم اور مفتی بھی ہیں — سے تحقیق کے بعد جو بات صحیح ہوئی، وہ یہی ہے کہ اس ۲۲ منٹ میں سے ۱۰ منٹ شب کے ہیں، اور ۱۲ منٹ دن کے، اس پورے ۲۲ منٹ کو رات کا حصہ مان کر کھاتے پیتے رہنا جائز نہیں، گذشتہ سال مذکورہ تحقیق پر ہی نظام الاوقات بھی بعض حضرات نے شائع کئے تھے، اور راقم الحروف نے بھی اس کی موافقت کی تھی، جن حضرات نے اس نظام الاوقات کے مطابق عمل کیا ہو، وہ تشویش میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے، اور ایسے مسائل میں غلط فہمی کی بنا پر ہونے والا عمل بھی ان شاء اللہ مقبول ہے، لیکن اس حقیر کی رائے ہے کہ اب اس مسئلہ میں احتیاط کی روش اختیار کی جائے، جو وقت پہلے سے انتہاء سحر کا رکھا گیا ہے، اسی پر سحری ختم کردی جائے، یا زیادہ سے زیادہ پانچ سات منٹ اور کھانے پینے کی گنجائش ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

جن اعذار کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے

دودھ پلانے والی اور روزہ

سوال:- جو لوگ بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ کر بعد میں افطار کرنے والے ہوں، کیا ان کو بھی فدیہ ادا کرنا ہوگا، نیز کیا دودھ پلانے والی عورت کو بھی فدیہ دینا لازمی ہے؟

(عبداللہ شریف، گلبرگہ)

جواب:- جو لوگ وقتی بیماری کی وجہ سے روزہ قضاء کر رہے ہوں، ان کو آئندہ صرف قضاء کرنا ہوگا، فدیہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں، جو عورت بچہ کو دودھ پلاتی ہو، روزہ رکھنے کی صورت میں بچہ کا دودھ متاثر ہو سکتا ہو، یا خود اس کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو فی الحال روزہ نہ رکھے اور بعد میں اس کی قضاء کرنے کی گنجائش ہے، اور آئندہ قضاء کرنا ہی ضروری ہے، فدیہ ادا کرنا نہ ضروری ہے اور نہ کافی۔ (۱)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۵۲

قضاء و کفارہ اور فدیہ

موسم گرما کے روزوں کی سرما میں قضا

سوال:- اگر موسم گرما کے روزے چھوٹ گئے ہوں تو کیا موسم سرما میں ادا کیے جاسکتے ہیں، جب کہ موسم گرما میں دن بڑے اور موسم سرما کے دن بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔

(سکندر حسینی، کالے پتھر)

جواب:- موسم گرما کے روزوں کی قضا موسم سرما میں کی جاسکتی ہے، شریعت میں کوئی ایسی تحدید نہیں رکھی گئی ہے کہ گرما کے روزوں کی قضا گرما ہی میں کی جائے، قرآن نے مطلقاً اتنے دنوں کی قضا کرنے کا حکم دیا ہے: "فعدة من أيام أخر" (۱)

روزہ کے فدیہ کی وصیت

سوال:- میرے والد عرصے سے علیل تھے، وہ روزہ نہیں رکھ سکے، یہاں تک کہ وفات ہوگئی، ایسی صورت میں ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟

(سید مشتاق، اورنگ آباد)

جواب:- جب دو بیمار تھے اور صحت یاب نہیں ہوسکے اور اسی حال میں وفات ہوگئی

---

(۱) البقرة: ۱۸۵

تو ان پر روزہ کی قضا واجب ہی نہیں ہوئی ، البتہ انہیں چاہئے تھا کہ ان روزوں کے بدلہ فدیہ ادا کردیتے یا اس کی وصیت کرجاتے ، انہیں اس کا موقع بھی نہیں مل سکا یا ادھر توجہ نہیں ہوسکی ، تو اب ان کی طرف سے فدیہ ادا کرنا ورثہ پر واجب تو نہیں ہے لیکن یہ ان کا اخلاقی فریضہ ہے ، اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ ان کی طرف سے روزہ کا فدیہ ادا کردیں :

" رجل أفطر في رمضان لعرض كان عليه القضاء و لاتجزيه الفدية فإن مات قبل أن يبرأ لا شيء عليه : لأنه لم يدرك عدة من أيام أخر و عليه أن يوصى الفدية "(۱)

فدیہ کی مقدار

سوال :- فدیہ کی مقدار کیا ہے ؟ براہ کرم وضاحت فرمائیں ۔ (سید عبدالمغیث ، اکبر باغ)

جواب :- فدیہ یہ ہے کہ ایک غریب محتاج شخص کو متوسط درجہ کا دو وقت کا کھانا اس طرح کھلا دیا جائے کہ وہ آسودہ ہوجائے ، اگر رمضان کا مہینہ ہو تو افطار کے بعد کا کھانا اور سحری اور رمضان المبارک کے علاوہ کھلاتا ہو تو دوپہر اور رات کا کھانا ، فقہاء نے اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ کھانا کھلانے کی بجائے ایک روزہ کے بدلے ایک صدقۃ الفطر کے بقدر یعنی پونے دو کلو گیہوں دے دیا جائے ؛ اس لئے ایسا بھی کیا جاسکتا ہے ؛ لیکن اس بات کو پیش نظر رکھنا مناسب ہوگا کہ فدیہ فقہاء کے زمانہ میں ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ کی قیمت اتنی ہوتی تھی کہ ایک شخص اس میں دو وقت کا کھانا کھالیتا تھا ؛ لیکن اب گرانی کی وجہ سے صورتحال یہ ہے کہ شاید ایک وقت کا کھانا بھی مشکل سے ہو پائے ؛ اس لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ یا تو دو وقت کا کھانا کھلا دیا جائے یا اتنے پیسے دیئے جائیں ، جس سے وہ شخص دو وقت کھانا کھا سکے ۔

---

(۱) فتاوی قاضی خان علی الفتاوی الهندية : ۲۰۳/۱

روزہ کا فدیہ

سوال:- اگر کوئی مسلمان بندہ کسی عذر کی وجہ سے رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے قاصر ہے تو بطور کفارہ مسکین کو کھانا کھلانا ہے، لیکن کھانا پکا کر یا پکوا کر کھلانا مشکل ہو تو کیا معاوضہ میں غلہ یا رقم دے سکتے ہیں اور اگر ہاں تو اس کی موجودہ دور کے حساب سے کیا مقدار ہوگی؟ (سید اطہر، اورنگ آباد)

جواب:- روزہ کے فدیہ میں فی زمانہ مسکین کو کھانا کھلانا افضل ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں "اطعام مسکین" یعنی مسکین کو کھانا کھلانے کا ذکر آیا ہے، اگر کھانا کھلانا دشوار ہو تو ایک روزہ کے بدلہ ایک صدقۂ فطر کے بقدر گیہوں یا چاول وغیرہ دینے کی اجازت ہے:

" الفدية لكل يوم نصف صاع من بر أو زبيب أو صاعا من تمر أو شعير ، كصدقة الفطر : لكن يجوز هنا طعام الإباحة أكلتان مشبعتان بخلاف صدقة الفطر " (۱)

آج کل اتنی مقدار گیہوں یا چاول کی قیمت سے شہر میں ایک وقت کا کھانا میسر ہو کر کھانا دشوار ہوگا، خاص کر متوسط درجہ کا کھانا؛ اس لئے اس سے فدیہ کی ادائیگی مشکوک ہو جاتی ہے؛ لہذا بہتر ہے کہ دو وقت پکا ہوا کھانا کھلا دیا جائے، یا اوسط درجہ کا کھانا جو اس کے لئے کافی ہو سکتا ہو، اس کی قیمت ادا کر دی جائے۔ واللہ اعلم

(۱) البحر الرائق : ۲/۵۰۱

نفل روزے

ستۂ عید کس طرح رکھے جائیں؟

سوال:- عید کے بعد جو چھ روزے ستۂ شوال کے نام سے رکھے جاتے ہیں ، اس کا حکم کیا ہے؟ ان روزوں کو ایک ساتھ رکھنا چاہئے یا الگ الگ؟　　(نصیر الدین ، گلبرگہ)

جواب:- رسول اللہ ﷺ نے ان روزوں کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے ؛ اس لئے یہ روزہ مستحب ہے ، انہیں مسلسل بھی رکھا جا سکتا ہے اور الگ الگ بھی ، فقہاء نے لکھا ہے کہ بہتر ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن روزہ رکھ لیا جائے ، اس طرح شوال کے تین ہفتوں میں چھ روزے مکمل ہو جائیں گے ۔

" تستحب الستة متفرقة ، كل أسبوع يومان " (۱)

نفل روزہ اور اہل تعلق کی اجازت

سوال:- اگر نفلی روزہ رکھنے میں والدین کی یا شوہر یا بیوی کی ناراضگی ہو تو ایسی صورت میں نفل روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

(ام بصیر ، ہمت پورہ)

---

(۱) الفتاوی الهندیہ ۲۰۱/۱

جواب:- روزہ ایک اہم عبادت ہے، اس لئے کسی کو بلا وجہ روزہ سے روکنا درست نہیں؛ لہٰذا بنیادی طور پر نفل روزہ رکھنے کے لئے اجازت لینا ضروری نہیں، کوئی مرد یا عورت اپنی اولاد، ماں باپ اور بھائی بہن کی اجازت کے بغیر بھی نفل روزہ رکھ سکتے ہیں:

" وأما بنت الرجل وأمه وأخته فيتطوعن بغير إذنه " (۱)

البتہ اگر نفل روزہ رکھنے کی وجہ سے کسی کا حق متاثر ہوتا ہو تو اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا درست نہیں؛ اسی لئے اگر شوہر مریض نہ ہو، خود روزہ سے نہ ہو، حالت احرام میں نہ ہو، یعنی بیوی سے صحبت کرنے کے موقف میں ہو تو بیوی کے لئے اس کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ اس سے شوہر کی حق تلفی ہوتی ہے:

" ويكره أن تصوم المرأة تطوعا بغير إذن زوجها إلا أن يكون مريضا أو صائما أو محرما بحج أو عمرة " (۲)

یہی حکم اس وقت بھی ہونا چاہئے جب بیوی اپنی طبعی ضرورت کی وجہ سے چاہتی ہو کہ شوہر نفل روزہ نہ رکھے؛ کیوں کہ جیسے طبعی ضرورت کو پورا کرنا عورت پر مرد کا حق ہے، اسی طرح عورت کا بھی مرد پر اخلاقی حق ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۲۰۱

(۲) حوالہ سابق

(۳) البقرة: ۲۲۸

روزہ - مختلف مسائل

اپنے بدلہ دوسروں سے روزہ رکھوانا

سوال :- آج کل بعض حضرات ایسا کرتے ہیں کہ اگر خود روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے تو روپے دے کر کسی غریب آدمی سے روزہ رکھواتے ہیں ، کیا رمضان المبارک میں دوسروں سے اس طرح روزہ رکھوالینا اس کے لئے کافی ہوجائے گا ؟

(ابوسعید ، مہدی پٹنم)

جواب :- روزہ یا تو خود رکھنا ہے یا اس کا فدیہ ادا کرنا ہے ، روزہ ایسی عبادت نہیں ہے کہ جس میں نیابت چل سکے اور ایک شخص کی جگہ دوسرا شخص روزہ رکھ لے ، پھر یہ کہ جس غریب شخص نے روزہ رکھا ہے ، اس پر خود اپنا روزہ فرض تھا ، وہ اپنا فریضہ چھوڑ کر دوسرے کا فریضہ کیسے ادا کرسکتا ہے ؟ نیز جب اس نے روزہ رکھنے کے پیسے دے دیئے تو اب یہ عبادت باقی نہیں رہی : کیوں کہ عبادت تو وہ عمل ہے جو خالصۃً اجر کے لئے کیا جائے ، جو عمل محض اجرت کے لئے کیا جائے وہ عبادت نہیں ہے ، اور جب یہ فعل خود اس کے لئے عبادت نہیں رہا تو دوسرے کے لئے کیوں کر عبادت ہوسکتا ہے ؟ —— غرض کہ دوسرے شخص سے پیسے لے کر روزہ رکھوانا نہ درست ہے نہ کافی ، اگر وہ روزہ رکھ سکتا ہو تو روزہ رکھنا چاہئے اور اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ ادا کردینا چاہئے ۔

مہمان کے لئے نفل روزہ توڑنا

سوال:- رمضان کے علاوہ دنوں میں ایک شخص روزہ سے ہو اور اس کے یہاں کچھ لوگ مہمان ہوں، تو کیا ان کے اکرام میں یہ شخص اپنا روزہ توڑ سکتا ہے؟ (نسیم اختر بیگ، گولکنڈہ)

جواب:- اسلام کا سب سے بڑا امتیاز اس کا اعتدال اور میانہ روی ہے؛ چنانچہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں، ان کو کسی کے لحاظ میں توڑنا جائز نہیں، لیکن دوسرے روزوں کا حکم اس سے مختلف ہے، اگر نفل روزہ ہو تو مہمان کے اکرام یا دوست واحباب کی خواہش پر توڑ سکتا ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، البتہ بعد میں قضا کرنا واجب ہے، اگر رمضان کے روزوں کی قضا کر رہا ہو تو اس کو کسی مناسب عذر کے بغیر توڑنا مکروہ ہے:

"الصائم المتطوع إذا دخل علی بعض إخوته فسأله أن یأکل لابأس به أن یجیبه و إن کان صائما عن قضاء رمضان کره له أن یأکل" (۱)

شب قدر نام رکھنے کی وجہ

سوال:- شب قدر کو شب قدر کیوں کہتے ہیں؟ شب کے معنی تو رات کے ہیں، لیکن قدر کے کیا معنی ہیں؟ (محمد سلیم، مدینہ بازار)

جواب:- قدر کے ایک معنی متعین کرنے اور طے کرنے کے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ إنا کل شيء خلقناه بقدر ﴾ (۲) یعنی ہم نے ہر چیز کو ایک متعین مقدار میں پیدا فرمایا ہے، اسی سے تقدیر کا لفظ ہے، یعنی وہ باتیں جو کسی شخص کے حق میں

---

(۱) فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندیه ۱/۲۰۳

(۲) القمر: ۴۹

متعین اور طے شدہ ہیں، اس معنی کے لحاظ سے اس رات کو "لیلۃ القدر" اس لئے کہتے ہیں کہ اسی رات میں تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں، زندگی اور موت، بارش اور رزق وغیرہ کے سلسلہ میں جو کچھ آئندہ سال پیش آنے والا ہے، حسب روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، آج ہی اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔

"قدر" کے دوسرے معنی عظمت و شرف کے ہیں، اس پہلو سے بھی یہ رات لیلۃ القدر ہے، اس کی عظمت اور شرف کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہزار مہینوں سے بڑھ کر بتایا ہے، غرض کہ اس رات کو شب قدر کہنے کی یہ دونوں وجہیں ہو سکتی ہیں، اور مفسرین سے یہ دونوں ہی توجیہیں منقول ہیں۔(۱)

---

(۱) دیکھئے: تفسیر کبیر ۳۲/۵۳۱

اعتکاف کے مسائل

باجماعت نماز والی مسجدوں میں اعتکاف درست ہے

سوال:- بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اعتکاف صرف مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی میں ہے، دوسری مسجدوں میں اعتکاف نہیں ہے، کیا یہ کہنا درست ہے؟

(ارشاد احمد قاسمی، اورنگ آباد)

جواب:- اعتکاف ہر ایسی مسجد میں کیا جا سکتا ہے، جس میں اذان و اقامت کے ساتھ جماعت سے نماز پنجگانہ ادا کی جاتی ہو۔

" ومنها مسجد الجماعة فيصح في كل مسجد له أذان و إقامة وهو الصحيح " (۱)

یہی بات فقہاء اور شارحین حدیث نے لکھی ہے، اور اسی پر سلف صالحین کا عمل رہا ہے، قرآن مجید میں اعتکاف سے متعلق اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ — اس حالت میں بیوی کے ساتھ مباشرت جائز نہیں ہے — ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ﴾ (۲) یعنی جب تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں رہو تو بیوی سے خصوصی تعلق قائم نہ کرو، اس آیت میں اعتکاف کی جگہ کی حیثیت سے مطلقاً

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/ ۲۱۱　　(۲) البقرة: ۱۸۷

''مسجدوں'' کا ذکر آیا ہے، اور جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جس میں عربی قواعد کے لحاظ سے تمام مسجدیں شامل ہیں، اس لئے اعتکاف صرف ان تینوں مسجدوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، جو حضرات ایسا کہتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

فضیلت اعتکاف کے اعتبار سے مساجد کی ترتیب

سوال:- کس مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے؟ اس پر روشنی ڈالئے۔ (احمد عبدالحئی، مشیرآباد)

جواب:- اعتکاف کے سلسلہ میں مسجدوں کی ترتیب یہ ہے کہ پہلا درجہ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) کا ہے، اس کے بعد مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کا درجہ ہے، تیسرے نمبر پر مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں اعتکاف کی فضیلت ہے، ان تین مسجدوں کے بعد جامع مسجد اور جامع مسجد کے بعد وہ مسجد جس میں نمازیوں کی زیادہ تعداد اکٹھا ہوتی ہو، فضیلت ہے۔

"و أما الأفضل فأن يكون في المسجد الحرام ثم في مسجد المدينة، وهو مسجد رسول الله ﷺ، ثم مسجد بيت المقدس، ثم المساجد العظام التي كثر أهلها، كذا في البدائع" (۱)

البتہ اگر دوسری مسجد میں اعتکاف کرنے کی وجہ سے آپ کے محلہ کی مسجد معتکف سے محروم ہو جائے تو اپنے محلہ کی مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہے۔ واللہ اعلم

عبادت خانہ میں اعتکاف

سوال:- ہماری کالونی میں باضابطہ مسجد نہیں ہے، لیکن ہم لوگوں نے ایک مکان کو نماز کے لئے بطور عبادت خانہ کے رکھا ہے، اس میں کالونی کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں، کیا اس جگہ

---
(۱) البحر الرائق ۳۰۱/۲، نیز دیکھئے: شامی ۳۲۹/۳

اعتکاف کیا جا سکتا ہے؟ (منیر احمد، نوئن پلی)

جواب:- جب آپ نے اس جگہ کے بارے میں باضابطہ مسجد شرعی ہونے کی نیت نہیں کی ہے، بلکہ عارضی طور پر اسے عبادت گاہ کی حیثیت دی ہے، تو اس میں اعتکاف کرنا درست نہیں، اعتکاف مسجد شرعی میں ہے، اور وہ بھی ایسی مسجد جس میں پنجوقتہ نماز با جماعت ادا ہوتی ہو۔(۱)

مزدور پیشہ لوگوں کے لئے اعتکاف کی صورت

سوال:- میں رمضان المبارک میں اعتکاف کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ میں کاریگر ہوں اور وہی ہمارے معاش کا ذریعہ ہے، کام کرتا ہوں تو ضروریات پوری ہوتی ہیں، ایسی صورت میں میرے لئے اعتکاف کرنے کا کوئی راستہ ہے؟

(سیم الدین، ممبئی)

جواب:- آپ کو چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کرتے وقت یہ شرط لگائیں کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک میں اپنے کارخانہ میں کام کرنے کے لئے جایا کروں گا، اگر آپ نے پہلے سے یہ شرط لگا دی تو آپ کا یہ فعل اور وقت اعتکاف سے مستثنیٰ ہوگا، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اعتکاف کی نذر ماننے کے وقت ہی شرط لگا دے کہ مثلاً وہ مریض کی عیادت، نماز جنازہ اور علمی مجلس میں حاضر ہونے کے لئے نکلے گا تو ایسا کرنا جائز ہے:

"لو شرط وقت النذر أن يخرج .... جاز ذالك "(۲)

علامہ شامیؒ نے اس اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ انسان کے لئے جن چیزوں کے واقع ہونے کا غالب گمان ہو جیسے: پیشاب، پائخانہ وغیرہ، یہ تو اعتکاف سے ویسے ہی مستثنیٰ ہوں گے، چاہے شرط نہ لگائی گئی ہو اور جو چیزیں اس نوع کی نہیں ہوں، وہ شرط لگانے

---

(۱) دیکھئے: الفتاویٰ الهندیہ: ۱/۲۱۱ (۲) در مختار مع الرد: ۳/۴۳۹

کی صورت میں مستثنیٰ سمجھی جائیں گی" ... وما لا فلا إلا إذا شرط " (۱)

اعتکاف کے اعمال

سوال:- اعتکاف میں کیا کیا اعمال کرنے چاہئیں اور کس طرح وقت گزارنا چاہئے؟ (محب اللہ نوری، اسماعیل نگر)

جواب:- اعتکاف نہایت اہم عبادت ہے، اور ایک طرح سے روزہ کا تکملہ ہے، روزہ میں انسان اپنی بہت سی خواہشات کو چھوڑ دیتا ہے؛ لیکن لوگوں سے علاقے و روابط باقی رہتے ہیں، گھر اور بازار سے تعلق ٹوٹتا نہیں ہے، اعتکاف میں خواہشات کے علاوہ انسان ہر طرح کے تعلقات سے بھی منہ موڑ لیتا ہے، اور اللہ کی طرف یکسو ہو جاتا ہے، اسی لئے اعتکاف کے دوران اس کا پورا وقت عبادت شمار ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کا سونا بھی، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اعتکاف کے درمیان قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہئے، ذکر کرنا چاہئے، حدیثیں پڑھنی چاہئیں، مسائل علوم کے پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ رکھنا چاہئے، انبیاء کرام اور رسول اللہ ﷺ کی سیرتوں اور صالحین کے واقعات کا مذاکرہ ہونا چاہئے، اور دینی مضامین کی تحریر و تالیف میں وقت گزارنا چاہئے، ایسی دنیاوی باتیں بھی کی جاسکتی ہیں جن میں گناہ شامل نہ ہو:

"ويلازم التلاوة و الحديث والعلم ، وتدريسه و سير النبي ﷺ والأنبياء عليهم السلام وأخبار الصالحين وكتابة أمور الدين ... ولا بأس أن يتحدث بما لا إثم فيه ، كذا في شرح الطحاوي " (۲)

خاص طور پر اعتکاف میں غیبت اور لایعنی باتوں سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، کہ گناہ تو ہر جگہ گناہ ہے؛ لیکن مسجد میں اور اعتکاف کی حالت میں گناہ کا ارتکاب گناہ بالائے گناہ ہے۔

---

(۱) در مختار ٣: ٤٣٣-٤٣٦ (۲) الفتاوی الهندية ١: ٢١٢

معتکف کب مسجد سے باہر نکل سکتا ہے؟

سوال:- معتکف کن ضرورتوں کے لئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے؟ بعض لوگوں کو سگریٹ پینے کی عادت ہوتی ہے، کیا اس مقصد کے لئے وہ مسجد سے باہر جا سکتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی معتکف بیمار پڑ جائے تو اس کے لئے باہر جانے کی گنجائش ہے؟

(عبدالمقتدر، ملے پلی)

جواب:- عذر کی بناء پر معتکف مسجد سے باہر نکل سکتا ہے، ان میں بعض اعذار تو طبعی ہیں، جیسے پیشاب، پاخانہ، اور بعض اعذار شرعی ہیں، جیسے وضوء، یا جس مسجد میں معتکف ہو اس میں جمعہ نہ ہوتا ہو، تو جمعہ کے لئے باہر نکلنا اور جامع مسجد میں نماز ادا کر کے آنا، یہ سبھی امور جائز ہیں: " ومن الأعذار الخروج للغائط والبول وأداء الجمعة "(۱) جو لوگ سگریٹ پینے کے عادی ہوں کہ اس کے بغیر طبیعت بے چین رہتی ہو، یا قبض کی شکایت پیدا ہو جاتی ہو، ان کے لئے سگریٹ پینے کی غرض سے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہوگا کہ اب یہ ان کے حق میں طبعی ضرورت میں داخل ہے، یہی حکم ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو تمباکو والا پان کھانے یا بیڑی پینے کے عادی ہوں، —— فقہاء نے بیماری کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنے کو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق مفسد اعتکاف قرار دیا ہے: " وکذا إذا خرج ساعة بعذر المرض فسد اعتکافه " (۲) لیکن اس حقیر کا خیال ہے کہ چوں کہ بیماری بھی طبعی اعذار میں سے ہے، اس لئے اگر مسجد کے اندر کوئی ڈاکٹر میسر نہ ہو تو مسجد سے باہر نکل کر ڈاکٹر کو دکھانا اور دوا لینا جائز ہوگا، جیسا کہ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ تھوڑی دیر کا نکلنا مفسد اعتکاف نہیں اور اسی کو بہت سے فقہاء نے ترجیح دیا ہے:

---

(۱) الفتاوی الهندية ۱/۲۱۲

(۲) الفتاوی الهندية ۱/۲۱۳

"واعتبرا أكثر النهار، قالوا: وهو الاستحسان" (۱)

"وقوله: وهو الاستحسان يقتضي ترجيحه" (۲)

اعتکاف کرنے والے کا مسجد کے قریب کمرہ میں جا کر افطار وسحر کھانا

سوال:- مسجد کے کنارے متصل میں مسجد کے کئی کمرے ہیں، جو اصل مسجد سے دس قدم پر واقع ہیں، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ معتکف حالت اعتکاف میں ان کمروں میں سحری وافطاری کرسکتا ہے یا نہیں، اگر سحری وافطاری کر لی تو اعتکاف باقی رہا یا نہیں؟

جواب:- معتکف کو مسجد ہی میں کھانا پینا چاہئے، ہاں! اگر کوئی کھانا لانے والا نہیں ہو تو ایسی صورت میں مسجد سے باہر بھی جایا جاسکتا ہے:

"وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط" (۳)

اس لئے اگر مسجد میں افطار وسحری ہو سکتی ہو تو ان کمروں میں جا کر کھانا درست نہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر تو اعتکاف ہی ختم ہو جائے گا، اگر مسجد میں کھانا نہیں آسکتا ہو تو جانے کی گنجائش ہے، — اگر پہلے کچھ لوگوں نے اعتکاف کے درمیان بلا ضرورت وہاں جا کر کھایا پیا ہو تو ان شاء اللہ ان کا اعتکاف درست ہو گیا؛ کیوں کہ ان کا یہ عمل ناواقفیت پر مبنی

---

(۱) الدر المختار مع الرد: ۳/۴۳۸، باب الاعتکاف

(۲) رد المحتار: ۳/۴۳۸ (۳) البحر الرائق: ۲/۵۳۰

تھا اور امام ابو یوسف و امام محمد کے نزدیک کچھ دیر کے لئے مسجد سے باہر نکلنا درست ہے، اور اس سے اعتکاف میں کوئی خرابی نہیں ہوتی ہے پس اس قول کے مطابق ان کا اعتکاف درست ہو گیا؛ البتہ آئندہ اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

روزہ نہ رکھنے والے کے لئے اعتکاف

سوال:- میں تنفس کی بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے قاصر ہوں، کیوں کہ مجھے درمیان میں دوا کھانی پڑتی ہے، اور انہیلر بھی لینا پڑتا ہے، لیکن میری خواہش ہے کہ اس سال رمضان میں اعتکاف کرلوں، ایک عبادت چھوٹ رہی ہے، تو دوسری عبادت تو نہ چھوٹے، کیا ہم اعتکاف کر سکتے ہیں؟ **(افضل شریف، قاضی پورہ)**

جواب:- اعتکاف کی تین قسمیں ہیں، اعتکاف واجب، جس کی نذر مانی گئی ہو، اعتکاف سنت، یہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے، اور اعتکاف نفل، اس کے لئے زمانہ اور مدت کی کوئی قید نہیں ہے، رمضان المبارک میں بھی اگر دس دنوں سے کم کا اعتکاف کیا جائے تو یہ اعتکاف نفل ہوگا:

"وينقسم إلى واجب وهو بنذر تنجيزا أو تعليقا وإلى سنة مؤكدة وهو في العشر الأواخر من رمضان وإلى مستحب وهو ما سواهما" (۱)

اعتکاف واجب اور اعتکاف مسنون کے لئے روزہ ضروری ہے، اعتکاف نفل کے لئے روزہ ضروری نہیں ہے:

"وظاهر الرواية عن أبي حنيفة وهو قولهما إن الصوم ليس بشرط في التطوع" (۲)

---

(۱) الفتاوی الهندیه: ۱/۲۱۱

(۲) حوالہ سابق

لہٰذا آپ اعتکاف نفل کرسکتے ہیں، یہ دس دنوں سے کم کا بھی ہوسکتا ہے، اور زیادہ کا اور دس دنوں کا بھی، اور رمضان المبارک کی نسبت سے انشاء اللہ آپ کو اس کا اجر بھی خوب سے خوب تر حاصل ہوگا۔

نابالغ کا اعتکاف

سوال:- میں اپنی خدمت کے لئے اعتکاف میں اپنے بھانجے کو ساتھ رکھنا چاہتا ہوں، جو تیرہ چودہ سال کا ہے، کیا یہ بچہ بھی اعتکاف کی نیت کرسکتا ہے؟ (محمد حبیب، ایرہ کنٹہ)

جواب:- اعتکاف کے لئے بالغ ہونا ضروری نہیں ہے، نابالغ ہو؛ لیکن اس میں عبادت کا شعور پیدا ہوگیا ہو، اور وہ اعتکاف کے آداب کو بجالاسکتا ہو، تو وہ بھی اعتکاف کی نیت کرسکتا ہے، اور اس کے اعتکاف کا ثواب اسے اور اس کے والدین کو پہنچے گا:

"وأما البلوغ فليس بشرط لصحة الاعتكاف فيصح من الصبي العاقل" (۱)

خواتین کے لئے اعتکاف کا حکم

سوال:- اعتکاف صرف مردوں کے لئے ہے یا عورتوں کے لئے بھی ہے؟ اگر عورتوں کے لئے بھی ہے تو وہ کہاں اعتکاف کریں گی اور ان کے لئے کیا احکام ہوں گے؟

(خدیجہ پروین، جہاں نما)

جواب:- اعتکاف مردوں کے لئے تو مسجد میں سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، وگر محلہ میں کوئی شخص اعتکاف نہ کرے تو سبھی تارک سنت سمجھے جائیں گے، عورتوں کے لئے مسجد میں اعتکاف کا حکم نہیں ہے، اس لئے اگر مسجد معتکف سے خالی ہوجائے تو عورتیں ترک سنت کی

---

(۱) الفتاوی الهندیة :۱/۲۱۱

مرتکب نہیں سمجھی جائیں گی؛ البتہ اعتکاف پر اجر وثواب حاصل کرنے کا راستہ ان کے لئے بھی موجود ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے گھر میں جس جگہ کو انہوں نے نماز کے لئے مخصوص کر رکھا ہو، اس میں اعتکاف کریں، اگر پہلے سے اس مقصد کے لئے کوئی جگہ متعین نہ کی ہو تو اب متعین کرلیں، پھر وہاں اعتکاف کی نیت سے بیٹھیں:

"أو لبث امرأة في مسجد بيتها و يكره في المسجد ولا يصح في غير موضع صلاتها من بيتها كما إذا لم يكن في مسجد" (۱)

اب حالت اعتکاف میں مرد مسجد میں جو اعمال کرتے ہیں، عورتیں اس جگہ رہتے ہوئے ان ہی اعمال کو بجا لائیں گی، ان کے لئے بھی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر نکلنا درست نہیں ہوگا: " و لا تخرج من بيتها إذا اعتكفت فيه " (۲) البتہ اگر اعتکاف کے درمیان ماہواری شروع ہو جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ اعتکاف کے لئے حیض ونفاس اور جنابت سے پاک ہونا ضروری ہے:

" ونية من مسلم عاقل طاهر من جنابة و حيض و نفاس شرطان " (۳)

خواتین کہاں اعتکاف کریں؟

سوال:- عورت کو کہاں اعتکاف کرنا چاہئے؟ حیدرآباد کی بعض مساجد میں خواتین کے لئے بھی اعتکاف کا نظم کیا گیا ہے، اس میں شریک ہونا بہتر ہے، یا اپنے گھر میں اعتکاف کرنا چاہئے؟

(شبانہ بیگم، اکبر باغ)

---

(۱) در مختار مع الرد: ۳/۴۲۹　　(۲) حوالہ سابق

(۳) در مختار مع الرد: ۳/۴۳۰

جواب:- خواتین کے لئے جب نماز گھر میں پڑھنا بہتر قرار دیا گیا، تو اعتکاف تو بدرجۂ اولیٰ خواتین کو گھر میں کرنا چاہئے، گھر میں جو جگہ آپ نے نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص رکھی ہو، وہاں اعتکاف کیجئے:

" والمرأة تعتكف في مسجد بيتها إذا اعتكفت في مسجد بيتها فتلك البقعة في حقها كمسجد الجماعة " (۱)

اگر پہلے سے کوئی جگہ نماز کے لئے مخصوص نہ ہو، تو آپ کسی جگہ کو مخصوص کر لے، اور وہاں معتکف ہو:

" ولو لم يكن في بيتها مسجد تجعل موضعا منه مسجداً تعتكف فيه " (۲)

اعتکاف کے لئے شوہر کی اجازت

سوال:- میں اعتکاف کرنا چاہتی ہوں، اور میں شوہر کو سمجھا رہی ہوں کہ سال بھر میں یہ عبادت ایک ہی بار آتی ہے، مجھے اس کا موقع دیا جائے، لیکن میرے شوہر کا اصرار ہے کہ میں اعتکاف نہیں کروں، میرے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ (م ہانی، مشیر آباد)

جواب:- کوئی بھی عبادت اسی وقت باعث اجر و ثواب ہوتی ہے جب اس کو اس کے حدود و شرائط کے ساتھ انجام دیا جائے، کتنی بھی اہم عبادت ہو؛ لیکن اس کو انجام دینے میں اس کی حدود و شرائط کی رعایت نہ کی جائے، تو ثواب کے بجائے پکڑ کا اندیشہ ہے، اعتکاف خواتین کے لئے بھی مستحب ہے، مگر اس کے لئے شوہر کی اجازت ضروری ہے:

" فيصح من المرأة والعبد بإذن المولى و الزوج إن كان لها زوج " (۳)

---

(۱) الفتاوى الهندية ۱: ۲۱۱ (۲) حوالہ سابق

(۳) الفتاوى الهندية ۱: ۲۱۱

اس لئے آپ اپنے شوہر کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ وہ اس عبادت کی اجازت دے دیں، اگر وہ ان دنوں کی اجازت نہ دے، تو اس سے کم دنوں کا اعتکاف کیا جا سکتا ہے، لیکن بہر حال شوہر کی اجازت ضروری ہے، کیوں کہ اعتکاف کی حالت میں شوہر کے بعض حقوق تلف ہوتے ہیں، اس لئے اجازت کے بعد ہی اعتکاف کرنا چاہئے، اگر اجازت نہیں ملے تو اعتکاف نہیں کریں، پھر بھی آپ کو انشاء اللہ آپ کی نیت کا اجر ملے گا۔

فاسد اعتکاف کی قضا

سوال:- عشرۂ اخیرہ میں کوئی شخص اعتکاف سنت کی نیت سے بیٹھا، پھر اس سے اعتکاف فاسد ہو گیا، ایسی صورت میں اس پر قضاء ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنے دنوں کی، کیا پورے عشرہ کی قضاء کرنی ہوگی؟ (محمد زاہد حسن، مدینہ پلاز)

جواب:- اگر رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کا مسنون اعتکاف ٹوٹ گیا، تو اب یہ اعتکاف سنت باقی نہ رہا، بلکہ اعتکاف نفل ہو گیا، اس لئے اسے پورے دس دن کے اعتکاف کی قضاء کرنی ضروری نہیں، ایک دن کی قضاء کر لے تو یہ کافی ہے، اسی رمضان میں کر لے، یا رمضان کے بعد کبھی ایک دن نفل روزہ رکھ کر اعتکاف کر لے، دونوں صورتیں درست ہیں، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول پر ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورے دس دنوں کی قضاء کرنی ہوگی اور احتیاط اسی میں ہے:

"مقتضى النظر أنه لو شرع في المسنون أعني العشر الأواخر بنية، ثم أفسده أن يجب قضاؤه تخريجا على قول أبي يوسف، لا على قولهما" (1)

---

(1) فتح القدير ۳۹۴/۲

کتاب الفتاوی
آٹھواں حصہ
کتاب الحج
حج سے متعلق مسائل

فرضیت حج

حج کے لئے جائداد فروخت کرنا

سوال:- ایک شخص صاحب جائداد ہے تقریباً پچیس لاکھ کی جائداد کا مالک ہے، اپنے اہل وعیال کے ساتھ خوشحال زندگی گذار رہا ہے، اور اب ضعیفی کی حالت میں ہے، کیا اس شخص پر حج فرض ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ ضعیفی اور کمزوری ہے اور پھر ہمارے پاس اتنی رقم بھی کہاں ہے؟ جو حج کے لئے جائیں، اگر کچھ جائداد فروخت کرکے جائیں تو جائداد کم ہوجاتی ہے، ایسے کئی لوگ ہیں جو اس طرح بہلا کر اپنے آپ کو حج کے اخراجات سے بچائے رکھتے ہیں؛ تاکہ یہ جائداد محفوظ رہے، ایسے اشخاص کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ (نعیم، گلبرگہ)

جواب:- اگر کسی شخص کے پاس نقد رقم موجود نہ ہو، لیکن اپنی بنیادی ضروریات کے علاوہ اتنے پیسے ہوں کہ وہ حج کرسکتا ہو تو ایسے شخص پر حج کرنا فرض ہے، خواہ دوسروں سے قرض لے کر حج کرے یا اپنی جائداد فروخت کرکے حج کرے

"لو لم یحج حتی اتلف ماله وسعه أن یستقرض ویحج ولو غیر قادر علی وفائه ... في الحال الخ" (۱)

---

(۱) در مختار مع الرد ۳/۴۵۵

اس لئے جو صورت آپ نے لکھی ہے اس میں حج فرض ہے، انہیں اپنی جائداد فروخت کر کے حج کرنا چاہئے، اور اگر اتنے ضعیف و مریض ہوں کہ خود حج کا سفر نہیں کر سکتے تو کسی اور کو حج بدل پر بھیجنا چاہئے، اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو گنہگار ہوں گے، اور گناہ کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص قدرت کے باوجود حج نہ کرے مجھے غرض نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر''(۱)

اللہ تعالیٰ اس غفلت سے تمام مسلمانوں کو بچائے۔

ٹراویلس کی جانب سے لے جائے جانے والے عالم کا حج

سوال:- ایک ٹراویلس والے حاجیوں کے ایک بڑے گروپ کو حج کے لئے لے کر جا رہے ہیں، یہ گروپ اپنے ساتھ ایک عالم کو بھی لے جا رہا ہے، تا کہ دوسرے لوگ اس کی دینی رہنمائی سے فائدہ اٹھائیں، کیا ایسی صورت میں — اس عالم کا جو ابھی حج کی استطاعت نہیں رکھتا — یہ حج، حج فرض کی جگہ کافی ہو جائے گا؟ (عزیز اللہ پاشا، قلعہ گولکنڈہ)

جواب:- اپنے ساتھ حج میں کسی عالم کو لے کر جانا بہت ہی اجر و ثواب کی بات ہے، اور اس میں دوسرے حجاج کا نفع بھی ہے، اس لئے یہ بہت مبارک عمل ہے، جہاں تک ان عالم صاحب کے حج فرض کی بات ہے، تو حج ہر اس شخص پر فرض ہے جو بیت اللہ شریف تک خود یا کسی کی مدد سے پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً ﴾ (۲)

---

(۱) سنن الترمذي، كتاب الحج، باب ما جاء في تغليظ في ترك الحج، حدیث نمبر: ۸۱۲
(۲) آل عمران: ۹۷

جب وہ عالم صاحب دوسرے رفقاء کے تعاون سے حرم شریف پہنچ گئے، تو استطاعت ان کے حق میں متحقق ہوگئی، لہذا جو حج انہوں نے کیا وہ خود ان کی طرف سے حج فرض سمجھا جائے گا اور جو اخراجات، قرابت داروں نے برداشت کئے وہ ان کی طرف سے ہدیہ ہوں گے، اب اگر اللہ نے دوبارہ ان کو حج کی استطاعت عطا فرمائی، تو دوبارہ حج واجب نہیں ہوگا؛ کیوں کہ حج زندگی میں ایک ہی بار فرض ہوتا ہے۔

ٹراویلس کے ساتھ جانے والے باورچی کا حج

سوال:- جو ٹراویلس حجاج کو لے جاتے ہیں، وہ اپنے ساتھ کھانا کے لئے باورچی بھی لے جاتے ہیں، باورچی سے کرایہ نہیں لیتے؛ بلکہ اسے حج کرنے کا موقع دیتے ہیں اور کچھ پیسے بھی اپنی طرف سے دیتے ہیں، کیا ایسے باورچی کا حج ہوجائے گا، جبکہ اس نے ٹراویلس والے سے حج کی اجرت حاصل کرلی ہے؟

(برہان الدین، دھولے پلی)

جواب:- باورچی کا حج بھی ادا ہوجائے گا؛ کیوں کہ حج کا درست ہونا اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ اس نے اپنے پیسوں سے سفر کیا ہے یا اپنی محنت کی اجرت کے طور پر سفر کی سہولت حاصل کی ہے، یا یہ سفر کسی کی اعانت سے ہوا ہے؟ بلکہ حج کا درست ہونا اور فریضۂ حج کا ادا ہونا دو باتوں پر موقوف ہے، ایک یہ کہ عاقل و بالغ ہونے کے ساتھ ساتھ مقامات حج تک رسائی کی استطاعت میسر ہوجائے، دوسرے حج کے افعال کو وہ انجام دے، اور یہ دونوں باتیں اس کے حق میں متحقق ہیں، اس لئے باورچی کا حج درست ہوگیا اور فریضۂ حج ادا ہوگیا، اگر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس کو حج کی استطاعت دی تب بھی اسے دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں، —— یہ سمجھنا درست نہیں کہ اس نے حج کا معاوضہ وصول کرلیا ہے، معاوضہ تو اسے اپنی محنت اور عمل کا ملا ہے، ٹراویلس والے نے کھانا پکانے کی اجرت سہولت سفر اور کچھ پیسوں کی شکل میں دی ہے، اس نے افعال حج ادا کرنے کی اجرت نہیں دی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر باورچی کھانا

نہیں رکھا جا سکتا، صرف حج کرنا چاہتا ہو تو ٹراویلس والے اسے یہ سہولت فراہم نہیں کرتے۔

عدت کے درمیان حج

سوال:- میرے والدین نے حج کا ارادہ کر لیا تھا؛ بلکہ سفر حج کے پیسے بھی ادا کر دیئے تھے، مگر اس کے بعد والد صاحب کا انتقال ہو گیا، ابھی والدہ کی عدت کے ایام پورے نہیں ہوئے، کیا اس صورت حال میں میری والدہ کے لئے حج پر جانے کی گنجائش ہے؟ وہ اس سفر کے لئے بہت مشتاق ہیں؟

(نصیر الدین، امیر پیٹ)

جواب:- عدت کی حالت میں سفر کی ممانعت ہے، اور اس سلسلہ میں صریح حدیثیں موجود ہیں، عدت وفات میں صرف اس قدر گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر عورت کے لئے نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو تو وہ کسب معاش کے لئے دن کے وقت گھر سے باہر جا سکتی ہے، مگر رات بہر حال گھر میں گذارنی چاہئے، اسی لئے فقہاء نے عورتوں کے لئے حج فرض ہونے کی شرائط میں سے یہ بھی لکھا ہے کہ عدت کی حالت نہ ہو:

" ومنها عدم قيام العدة في حق المرأة عدة وفاة كانت أو عدة طلاق فلا تخرج المرأة إلى الحج في عدة طلاق أو موت " (۱)

آپ اپنی والدہ کو سمجھائیں کہ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا حاصل کرنا ہے، اور جب اللہ کی خوشنودی مؤخر کرنے ہی میں ہو تو پورے انشراح قلب کے ساتھ اس کو قبول کرنا چاہئے؛ البتہ یہ عزم رکھیں کہ ان شاء اللہ آئندہ سال کوئی عذر پیش آنے کی صورت میں ضرور حج کریں گی۔

---

(۱) الفتاوی الهندية ۱/۲۱۹

ماں کی خدمت یا حج؟

سوال:- میری والدہ معذور تو نہیں ہیں لیکن خدمت کی محتاج ہیں، ان کی خدمت کیا کرتی ہوں، مجھے حج کا ایک پاس مل رہا ہے اگر میری والدہ کی خواہش ہے کہ میں سفر پر نہیں جاؤں، ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ (شائستہ پروین، ملک پیٹ)

جواب:- (الف) اگر آپ کی والدہ معذور ہیں یا اپنی کوئی ضروری ضرورت آپ کے بغیر پوری نہیں کرسکتیں تو آپ کو ابھی حج کا سفر نہیں کرنا چاہئے، نہ حج فرض کا اور نہ حج نفل کا؛ کیوں کہ آپ کے لئے والدین کی خدمت کرنا زیادہ اہم ہے، ایک صحابی رسول نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے اجازت چاہی، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے والدین میں جہاد کرو، یعنی ان ہی کی خدمت کرو۔

"جاء رجل إلى النبي ﷺ يستأذنه في الجهاد، فقال: ألك والدان؟ قال: نعم، قال: ففيهما فجاهد" (۱)

اس لئے ایسی صورت میں آپ والدہ کی خدمت کو ترجیح دیں۔

(ب) اگر والدہ اپنی کسی ضرورت کے لئے آپ کی محتاج نہ ہوں، آپ دوسروں سے مزید سہولت مقصود ہو اور آپ پر حج فرض ہو اور شوہر یا محرم کے ساتھ حج کی ادائیگی کا موقع مل رہا ہو تو ایسی صورت میں حج مقدم ہے۔

(ج) وہ اگر حج نفل ہو اور آپ حج فرض ادا کرچکی ہوں تو پھر والدہ کی خدمت کو ترجیح دیجئے

"حج الفرض أولى من طاعة الوالدين وطاعتهما أولى من حج النفل" (۲)

---

(۱) سنن الترمذي، حديث نمبر: ۱۶۷۱ (۲) الفتاوى الهندية: ۲۲۰:۱

مقروض کا حج

سوال:- لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جو شخص مقروض ہو اسے حج نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس کا حج مقبول نہیں ہوتا؟

(صباح الدین، نظام آباد)

جواب:- اگر کسی شخص میں قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو اور حج کرنے کی وجہ سے اندیشہ ہو کہ وہ قرضداروں کو قرض ادا نہیں کر سکے گا تو اسے فی الحال حج سے اجتناب کرنا چاہئے؛ کیوں کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے؛ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص مقروض ہو اس کو اپنے قرضداروں کی اجازت سے ہی حج کا سفر کرنا چاہئے:

"ویکره الخروج إلی الغزو والحج لمن علیه الدین وإن لم یکن عنده مال مالم یقض دینه إلا بإذن الغرماء" (۱)

لیکن اگر وہ قرض ادا کرنے کے موقف میں ہو تو پھر اس کے لئے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور بہتر ہوگا کہ پہلے وہ قرض ادا کرلے اور پھر حج کرنے کے لئے جائے۔

قرض ادا کرنے سے پہلے حج

سوال:- ایک شخص مقروض ہے، ڈیڑھ لاکھ کا قرض دار ہے، اس کے رشتہ دار وغیرہ حج کرانا چاہتے ہیں، کیا ایسا شخص حج کرسکتا ہے؟

(محمد عبدالوہاب، ملکنڈہ)

جواب:- ایسا نہیں ہے کہ جس شخص پر قرض باقی ہو، وہ حج نہیں کرسکتا؛ بلکہ اگر کوئی شخص اپنے پیسوں سے حج کرے اور اس کے ذمہ دوسروں کا قرض باقی ہو جن کا مطالبہ ہو تو پہلے اسے قرض ادا کرنا چاہئے؛ کیوں کہ قرض بندے کا حق ہے، اور اس کی ادائیگی اس پر واجب

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة : ۱/۲۲۱

ہے اور بندوں کا حق ان کے ضرورت مند ہونے کی وجہ سے مقدم ہے، حج اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جب اس کے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد حج بھی کرلے تو اس پر حج واجب ہی نہیں —— لیکن اگر کوئی شخص مقروض ہو، وہ اس کو پوچھا اور لوگ حج کے لئے بھیجنا چاہیں تو اسے حج کر لینا چاہئے، اس طرح اس کا حج بھی ادا ہو جائے گا، قدرت کے باوجود حج نہ کرنا بہت بڑی محرومی ہے اور اس سے بظاہر حرمین شریفین سے محبت میں کمی کا اظہار ہوتا ہے، جو کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

شوہر کی اجازت کے بغیر حج

سوال:- اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے پاس سفر حج کے لئے مطلوبہ رقم فراہم ہے اور میرے والد حج کو جا رہے ہیں، میرے شوہر کے اندر ابھی سفر حج کی استطاعت نہیں ہے، ایسی صورت میں کیا میں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر حج کر سکتی ہوں؟ واضح ہو کہ میرے شوہر مجھے حج کے لئے جانے سے منع کر رہے ہیں، ان کا خیال ہے کہ جب ان کے اندر حج کی استطاعت پیدا ہو جائے گی، تب ہم دونوں مل کر جائیں گے۔ (زینب، دھیمن نگری کالونی)

جواب:- آپ کے شوہر پر حج فرض نہیں ہے اس لئے ابھی ان کا حج نہ کرنا باعث گناہ نہیں، لیکن آپ پر حج فرض ہو چکا ہے، کیوں کہ عورت پر حج فرض ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، ایک تو مالی استطاعت کا حاصل ہونا، دوسرے محرم کی رفاقت کا مہیا ہونا، اور یہ دونوں ہی شرطیں آپ کے حق میں مہیا ہیں، اس لئے آپ پر حج کرنا فرض ہے، اگر آپ نے حج نہیں کیا اور خدانخواستہ حج کرنے سے پہلے آپ کی وفات ہو گئی تو آپ گنہگار اور عند اللہ جوابدہ ہوں گی، اور جو بات شرعاً عورت پر فرض ہے، اس کو انجام دینے کے لئے شوہر کی اجازت ضروری نہیں ہے، کیوں کہ مخلوق کی فرمانبرداری میں خالق کی نافرمانی نہیں کی جا سکتی، اور شوہر کو بھی اس سے منع نہیں کرنا چاہئے؛ اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ حج نفل کے لئے تو شوہر کی

کتاب الفتاوی

آٹھواں حصہ

کتاب الزکوۃ

زکوۃ سے متعلق مسائل

اجازت ضروری نہیں

" ولو معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة من غير إذن زوجها عندنا الخ " (۱)

خود حج نفل کرے یا والدین کو حج کرائے؟

سوال:- ایک صاحب حج کر چکے ہیں، دو بارہ حج کو جانا چاہتے ہیں، جب کہ ان کے والدین نے حج نہیں کیا ہے، کیا ان صاحب کا حج پر جانا درست ہے؟ (سید حفیظ الرحمٰن، شانتی نگر)

جواب:- اگر ان کے والدین پر حج فرض نہ ہو، تب تو انھیں خود حج کرنا چاہئے، اگر حج فرض تھا اور اس وقت ادا نہیں کیا، اب حج کی استطاعت نہ رہی اور لڑکا خود اپنا حج فرض ادا کر چکا تو اسے چاہئے کہ اپنے والدین کو حج کرا دے کہ یہ ان کو گناہ سے بچانا ہے اور والدین کو گناہ سے بچانا اولاد کے اخلاقی واجبات میں ہے، اگر والدین پر حج فرض نہ ہو اور نہ ہی پہلے رہا ہو تو اولاد کے لئے نفل حج کرنا درست ہے؛ البتہ اگر اپنے بجائے والدین کو بھیجے تو اُمید ہے کہ اس کا زیادہ اجر ہوگا، اسے حج کا ثواب بھی ملے گا کہ اسی کے اخراجات پر والدین نے حج کیا ہے اور والدین کی خدمت کا اجر بھی۔ واللہ اعلم

نابالغی کا حج

سوال:- مجھے میرے والدین حج پر لے گئے تھے، جب میری عمر دس سال کی تھی، اس وقت والدین سعودی عرب میں رہتے تھے، اب ان کی ملازمت ختم ہوگئی اور وہ واپس آگئے ہیں، اب میری عمر اٹھارہ سال سے متجاوز ہے، کیا میرے لئے وہی حج کافی ہو جائے گا یا مجھے دوبارہ حج کرنا ہوگا؟ (محمد مسلم، گوذوری کھنی)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۴۳۔

جواب:- انسان جب تک بالغ نہ ہو جائے، شرعی احکام کا مکلف نہیں ہوتا، اس لئے بلوغ سے پہلے وہ جن عبادتوں کو کرتا ہے، وہ نفل ہوتی ہیں؛ لہٰذا آپ نے دس سال کی عمر میں جو حج کیا، وہ حج نفل تھا، اب جب حج کی استطاعت پیدا ہو جائے تو دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا :

" الصبی إذا حج، لما بلغ لزمه ثانیا إذا استطاع " (۱)

۱۰ ذی الحجہ کے افعال حج میں ترتیب

سوال:- دسویں ذی الحجہ کو جو افعال کئے جاتے ہیں، ان میں کیا ترتیب ہے؟ اور اگر اس ترتیب میں غلطی ہو جائے تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ (سلطان احمد، کاچی گوڑہ)

جواب:- ۱۰ ذی الحجہ کو حجاج سے چار افعال متعلق ہیں: جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) پر کنکری مارنا، دوسرے: اگر حج قران یا تمتع ہو تو قربانی کرنا، تیسرے: بال منڈوانا، یا ترشوانا، چوتھے: طواف زیارت کرنا —— رسول اللہ ﷺ نے ان چاروں افعال کو اسی ترتیب سے انجام دیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا ان چاروں افعال کو اسی ترتیب سے انجام دینا واجب ہے؟ تو ان میں سے طواف زیارت کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس میں ترتیب ضروری نہیں، یعنی طواف زیارت ان تینوں افعال سے یا ان میں سے بعض سے پہلے بھی انجام دیا جا سکتا ہے؛ لیکن بقیہ تینوں افعال کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کو اسی ترتیب سے کرنا واجب ہے اور اگر اس ترتیب کی رعایت نہ ہو پائی، خواہ قصداً یا غیر ارادی طور پر، تو دم واجب ہو جائے گا، اگر ناواقفیت کی وجہ سے ترتیب فوت ہو جائے، تب بھی امام ابوحنیفہؒ کا قول مشہور یہی ہے کہ دم واجب ہو جائے گا؛ لیکن امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور خود احناف میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے؛

---

(۱) فتاویٰ سراجیہ: ۳۲

بلکہ سنت ہے؛ اس لئے اگر ترتیب کی رعایت نہ ہو سکے تو دم واجب نہیں ہوگا، موجودہ دور میں چوں کہ جہالت و ناواقفیت عام ہے، اژدحام کی کثرت ہے اور حاجیوں کی رہائش گاہ سے قربان گاہ کا فاصلہ اچھا خاصا ہے؛ اس لئے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور ادارۃ المباحث الفقہیہ (جمعیۃ علماء ہند) دونوں نے باتفاق رائے فیصلہ کیا ہے کہ اس مسئلہ میں دوسرے فقہاء کی رائے پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے یعنی کوشش تو کرنی چاہئے کہ تینوں افعال کو اسی ترتیب کے مطابق انجام دیا جائے؛ لیکن اگر اس کی رعایت نہ ہو سکے تو دم واجب نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

احرام اور اس کی ممنوعات

احرام کہاں سے باندھا جائے؟

سوال:- میں پردہ کی بہت پابند ہوں، بلوغ کے بعد ہی سے میرے والدین نے مجھے پردہ کا پابند بنائے رکھا، میرے شوہر بھی دین دار ہیں؛ چنانچہ شادی کے بعد انھوں نے قریبی رشتہ داروں سے بھی پردہ کرایا، اب میں شوہر کے ہمراہ حج کو جانے والی ہوں، بعض لوگوں نے کہا کہ یہیں سے احرام باندھنا لازمی ہے، اگر یہیں سے احرام باندھ لوں تو جن سے میں اب تک پردہ کر رہی ہوں، ان سے بے پردہ رہوں گی، کیا میں اور میری جیسی خواتین ہوائی جہاز میں بیٹھنے کے بعد احرام نہیں باندھ سکتیں؟ (عائشہ مہ جبین، عادل آباد)

جواب:- اصل میں احرام کی کیفیت اس وقت شروع ہوتی ہے، جس وقت آپ تلبیہ پڑھیں، احرام باندھنا حیدرآباد سے ضروری نہیں؛ بلکہ میقات آنے سے پہلے احرام باندھنا ضروری ہے، آپ ایسا کریں کہ غسل کرکے دو رکعت نماز احرام پڑھ لیں، پھر اگر حج تمتع کر رہی ہوں، تو عمرہ کی نیت کر لیں اور ابھی تلبیہ نہ پڑھیں، جہاز میں بیٹھنے کے بعد میقات آنے سے پہلے تلبیہ پڑھ لیں، اسی وقت آپ کا احرام شروع ہوگا، عام طور پر جدہ سے آدھا گھنٹہ پہلے میقات آجاتا ہے۔

اہل مکہ عمرہ کا احرام کہاں سے باندھیں؟

سوال:- میری بہن حج پر گئی ہوئی ہے، انھوں نے اپنی قیام گاہ ہی سے جو حرم کے قریب واقع ہے، عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کیا، بعد میں انھیں معلوم ہوا کہ انھیں مسجد عائشہ سے احرام باندھنا چاہئے تھا، اب سوال یہ ہے کہ جو عمرہ انھوں نے مکہ ہی سے باندھ کر کرلیا، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا ان کا عمرہ ہوگیا یا نہیں ہوا؟

(محمد برکت اللہ، مکۃ المکرمہ)

جواب:- اہل مکہ اور جو لوگ مکہ میں مقیم ہیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدودِ حرم سے باہر جا کر عمرہ کا احرام باندھیں، مکہ سے قریب ترین حدودِ حل ''تنعیم'' میں واقع ہے، جہاں سے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے احرام باندھا تھا، اسی مناسبت سے یہاں ایک عظیم الشان مسجد ''مسجد عائشہ'' تعمیر کردی گئی ہے اور وہاں احرام باندھنے کے لئے غسل کی سہولت بھی مہیا ہے، آپ کی بہن کو چاہئے کہ وہاں سے احرام باندھیں، اب جو عمرہ انھوں نے کرلیا وہ ادا تو ہوگیا، لیکن نقص کے ساتھ، اس نقص کو دور کرنے کے لئے ایک دم یعنی ایک بکرے کی قربانی واجب ہے؛ لہٰذا اس عمرہ کے لئے انھیں دم یعنی بکرے کی قربانی دینی پڑے گی :

" ولا يشترط أن يكون إحرام العمرة من الميقات ولا إحرام الحج من الحرم ؛ بل هو من الواجبات فلو أُحرم للعمرة داخل الميقات ولو من مكة ...... وعليه دم " (۱)

مدینہ سے جانے والے عمرہ کا احرام کہاں سے باندھیں؟

سوال:- عمرہ کے لئے اگر کوئی دوسرے ماہ جیسے ربیع الاول

---

(۱) غنية الناسك، ص: ۴۰۳

میں جانا چاہے، اور اگر وہ پہلے مدینہ شریف جانے کا ارادہ کرے (جدہ میں اُترنے کے بعد ایک دو دن قیام کے بعد)، اور پھر مدینہ سے براہ جدہ مکہ جاکر عمرہ کرنا چاہے تو اس صورت میں احرام کہاں پر پہننا چاہئے؟ (محمد افضل، وقار آباد)

جواب:- اگر ہندوستان سے جاتے ہوئے جدہ اُتر کر پہلے مدینہ منورہ جانے کا ارادہ ہو، تو اس کو ابھی احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے، مدینہ منورہ کی زیارت کے بعد جب وہ مکہ مکرمہ کے لئے نکلے، خواہ جدہ ہوکر جائے یا جدہ سے گذرے بغیر چلا جائے تو اسے ذوالحلیفہ سے احرام باندھنا چاہئے، جس کو آج کل ''بیرعلی'' کہا جاتا ہے، آج کل مدینہ سے مکہ مکرمہ جانے کا ایک ایسا راستہ بھی ملتا ہے، جس میں 'جحفہ' پڑتا ہے، جو اہل شام کی میقات ہے؛ اس لئے بعض حضرات نے اجازت دی ہے کہ ذوالحلیفہ کے بجائے جحفہ میں احرام باندھ سکتا ہے؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے؛ اس لئے ذوالحلیفہ سے ہی احرام باندھنا چاہئے :

"روي عن أبي حنيفة أنه قال في غير أهل المدينة إذا مروا بها فجاوزوها إلى الجحفة فلا بأس بذلك ، وأحب إلى أن يحرموا من ذي الحليفة ؛ لأنهم لما وصلوا إلى الميقات الأول لزمهم محافظة حرمته ، فيكره لهم تركها" (۱)

حالت احرام میں خوشبودار مرہم

سوال:- طواف اور سعی کی وجہ سے بعض اوقات پاؤں پھٹے لگتے ہیں، یا رانوں کی جڑ میں خراش پیدا ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں مرہم لگائے جاتے ہیں اور بعض مرہم میں کچھ جز، خوشبو کا بھی ہوتا ہے،

(۱) ردالمحتار: ۳/۴۸۱

تو کیا اس طرح کا مرہم حالت احرام میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(مجیب الرحمٰن، جدہ)

جواب:- مرہم میں اگر خوشبو پائی بھی جاتی ہے تو اس کی حیثیت ضمنی ہوتی ہے، اصل میں خوشبو مقصود نہیں ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک صحت مند آدمی بطور خوشبو اپنے چہرہ پر اس طرح کی خوشبو ملنا پسند نہیں کرتا، دوسرے یہاں مرہم لگانے کا مقصد خوشبو استعمال کرنا نہیں ہے؛ بلکہ مرض کا علاج مقصود ہے؛ اس لئے اگر اس مقصد کے لئے خوشبو سے خالی مرہم دستیاب نہیں ہو تو ایسے مرہم کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں :

" وإذا ادهن شقاق رجله بزيت أو شحم أو سمن لم يكن عليه شيء؛ لأن قصده التداوي والتداوي غير ممنوع في حال الإحرام " (۱)

حالت احرام میں مہندی

سوال:- کیا عورت حالت احرام میں مہندی لگا سکتی ہے؟

(مہہ جبیں، کریم نگر)

جواب:- مہندی میں ایک طرح کی خوشبو ہوتی ہے اور حالت احرام میں خوشبو لگانا یا خوشبودار چیز کا لیپ کرنا جائز نہیں؛ اس لئے حالت احرام میں مہندی لگانا درست نہیں، اگر پوری ہتھیلی یا پورے تلوے میں مہندی لگائی ہے تو ایک بکرے کی قربانی واجب ہوگی۔

حالتِ احرام میں موزے اور دستانے

سوال:- کیا خواتین احرام کی حالت میں موزے اور دستانے پہن سکتی ہیں؟ (یاسمین احمد، اعتبار چوک)

جواب:- عورتوں کے لئے لباس کے سلسلہ میں حالت احرام میں صرف یہ پابندی

---

(۱) المبسوط: ۴/۱۲۲

ہے کہ اس کے چہرہ سے کپڑا نہ لگے اور کوئی پابندی نہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو حالت احرام میں دستانہ پہناتے تھے؛ اس لئے فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے،(۱) اسی طرح خواتین موزے بھی پہن سکتی ہیں، حافظ ابن رشدؒ نے بیانِ احرام کے سلسلہ میں متفق علیہ باتوں کا ذکر کرتے ہوئے خواتین کے لئے موزوں کے جائز ہونے کا ذکر کیا ہے :

" ...... وأن لا بأس للمرأة بلبس القميص والدرع والسراويل والخفاف والخمر" (۲)

حالتِ احرام میں کان میں روئی رکھنا

سوال:- اس سال حج میں کافی ٹھنڈک ہوگی، اس لئے اگر ٹھنڈک سے بچنے کے لئے کان میں روئی رکھ لے، تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟ (شیخ داؤد محبوب نگر)

جواب:- احرام میں سلے ہوئے ایسے کپڑے پہننے کی ممانعت ہے، جو جسم کی وضع پر سلے ہوئے ہوں، جو کپڑے سلے ہوئے نہ ہوں، یا سلے ہوئے ہوں؛ لیکن انھیں پہنا نہیں گیا ہو؛ بلکہ جسم پر ڈال لیا گیا ہو تو اس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی اور یہ سلا ہوا کپڑا پہننے کے حکم میں نہیں ہے :

" وكذا لو ارتدى بالقميص أو اتشح به فلا بأس به لعدم الإحاطة بواسطة الخياطة" (۳)

ظاہر ہے کہ کان میں روئی رکھنا اس سے بھی کمتر درجہ کی بات ہے، اس لئے روئی رکھنے میں حرج نہیں۔

---

(۱) دیکھئے بدائع الصنائع: ۲/۴۱۰

(۲) بداية المجتهد: ۲/۱۱۴

(۳) غنية الناسك، ص: ۲۵۳

احرام میں کان پر پٹی باندھنا

سوال:- آج کل ٹھنڈک سے بچنے کے لئے ایک خاص قسم کی پٹی بنائی گئی ہے، جو پیشانی سے چل کر کان کو ڈھانپتے ہوئے سر کے پچھلے حصہ کا احاطہ کرتی ہے، یوں کہ اس سے کان اور سر کا پچھلا حصہ ٹھنڈک سے محفوظ ہو جاتا ہے: اس لئے سردی سے بچاؤ میں بڑی مدد ملتی ہے، کیا احرام کی حالت میں اس پٹی کا استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(پرویز عالم، لکھنو)

جواب:- حالت احرام میں سر اور چہرہ ڈھانکنے کی ممانعت ہے، اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر ایک دن یعنی بارہ گھنٹے تک چوتھائی چہرہ یا چوتھائی سر چھپائے رہے تو "دم" یعنی ایک بکرے کی قربانی واجب ہوگی اور اگر اس سے کم عرصہ تک ڈھکا رکھا ہے تو ایک صدقۂ فطر کے بقدر صدقہ واجب ہوگا :

" وإن غطى المحرم ربع رأسه أو وجهه يوما فعليه دم وإن كان دون ذلك فعليه صدقة " (۱)

جس پٹی کا آپ نے ذکر کیا ہے، میرا اندازہ ہے کہ اس سے سر کا چوتھائی حصہ چھپ جاتا ہے، اس لئے اس سے گریز کرنا چاہئے؛ البتہ اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سابقہ تجربہ کی وجہ سے غالب گمان ہو کہ کان کھلا رکھنے کی صورت میں اس کی طبیعت خراب ہو جائے گی اور حج کے بقیہ افعال کا ادا کرنا اس کے لئے دشوار ہو جائے گا، تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ بوقت ضرورت اس پٹی کا استعمال کر لے اور بارہ گھنٹے سے کم میں پٹی کھول دے اور صدقہ ادا کر دے۔ واللہ علم

---

(۱) المبسوط: ۴/۴۸

احرام کی چادر میں جیب

سوال:- کیا احرام کی چادر میں جیب لگانا جائز ہے؛ تاکہ پیسے اور پاسپورٹ وغیرہ رکھنے میں سہولت ہو اور کیا اس جیب کو بند کرنے کے لئے زپ بھی لگا سکتے ہیں؟ (غلام رسول، بوئن پلی)

جواب:- احرام کی چادر میں جیب سلے جاسکتے ہیں اور ان کی حفاظت کے لئے بٹن یا زپ کا لگانا بھی درست ہے، احرام میں جو سلے ہوئے کپڑوں کی ممانعت ہے، اس سے ایسی سلائی مراد ہے جو انسانی جسم کی ساخت پر ہو، اسی لئے اگر سلی ہوئی چیز کو محرم پہننے کے بجائے اوڑھ لے تو اس کی اجازت ہے، مشہور فقیہ علامہ شامیؒ نے اس پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

" قلت فخرج ما خيط بعضه ببعض لا بحيث يحيط بالبدن مثل المرقعة فلا بأس بلبسه الخ " (۱)

حالتِ احرام میں "ناس" لینا

سوال:- جو شخص حالتِ احرام میں ہو، اگر وہ "ناس" لے، جو ناک میں لی جاتی ہے تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ واضح ہو کہ وہ شخص ناس لینے کا عادی ہے اور لینے سے روک دیا جائے تو اس کے لئے پریشانی اور دشواری کا باعث ہے۔ (مجیب الرحمن، پھسل بنڈہ)

جواب:- یوں تو تمباکو کا استعمال عام حالات میں بھی بلا ضرورت کراہت سے خالی نہیں، اور "ناس" بھی تمباکو ہی کا ہوتا ہے؛ لیکن احرام میں خوشبودار چیزوں کے استعمال کی ممانعت ہے، اور میرے علم کے مطابق "ناس" میں خوشبو نہیں ہوتی؛ اس لئے حالتِ احرام میں اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔

---

(۱) ردالمحتار ۴۹۹/۳

احرام کھولتے ہوئے چھوٹے بال کو تراشنے کا حکم

سوال:- سعودی عرب میں حج و عمرہ کے بعد عام طور پر مشین سے بال کاٹے جاتے ہیں، بعض مشینیں اتنی باریک ہوتی ہیں کہ وہ بال کی تھوڑی مقدار کو بھی تراش دیتی ہیں، اگر کسی شخص نے ہفتہ دس روز پہلے ہی بال منڈوایا ہو، اور ایسی باریک مشین سے اپنے بال کٹالے تو کیا یہ حلال ہونے کے لئے کافی ہوگا؟ (محمد شریف، مہدی پٹنم)

جواب:- فقہاء نے بال کاٹنے کی صورت میں کم از کم مقدار انگلی کے ایک پور کے برابر لکھی ہے:

" فأقل الواجب في التقصير قدر الأنملة من جميع شعر ربع الرأس الخ " (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے بال ایک پور کی مقدار سے زیادہ بڑھے ہوئے ہوں، اسی کے لئے بال کٹوانے کی اجازت ہے، جس کے بال اس سے کم ہوں، اس کے لئے بال مونڈانا ضروری ہے، ترشوانا کافی نہیں، میرا خیال ہے کہ عادتاً آٹھ دس دنوں میں اتنا بال بڑھ نہیں پاتا، اس لئے ایسے لوگوں کو بال مونڈانا چاہئے۔

---

(۱) غنية الناسك ۱۰۴

عورتوں کا سفرِ حج

معمر عورت کا بغیر محرم حج کرنا

سوال:- ایک بیوہ رشیدہ خاتون ۸۰ کی ہیں، وہ کافی عمر رسیدہ ہیں، وہ اس وقت حج کی تیاری کر رہی ہیں، مگر ان کے ساتھ کوئی محرم نہیں ہے، جو محرم ہیں، وہ صاحب استطاعت نہیں ہیں اور خود ان کے اندر بھی اتنی استطاعت نہیں کہ وہ محرم کو ساتھ لے جا سکے، ایسی صورت میں کیا ان کے لئے حج کرنے کی گنجائش ہے؟ (نام غیر واضح، مونگیر)

جواب:- اصل میں تو عورت کو محرم کے بغیر طویل سفر نہیں کرنا چاہئے؛ لیکن اگر قافلہ میں دوسری قابل بھروسہ عورتیں موجود ہوں، تو امام شافعیؒ کے نزدیک ایسی خواتین کے ساتھ وہ سفر کر سکتی ہیں، اصل مقصد فتنہ کے وقوع سے حفاظت ہے، تجربہ یہ ہے کہ اگر عورت کی عمر زیادہ ہو، جیسے ساٹھ سال سے اوپر ہو تو عام حالات میں فتنہ کا اندیشہ نہیں رہتا ہے، ایسی معمر خواتین کے لئے بغیر محرم کے بھی سفر کی گنجائش ہو سکتی ہے، ماضی قریب کے علماء میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کی اجازت دی ہے۔(۱)

بھانجے کے ساتھ سفرِ حج

سوال:- میری عمر پچاس سال ہے، میرے شوہر جس

---

(۱) امداد الفتاویٰ ۲/۱۶۱

وقت سعودی عرب میں ملازمت کرتے تھے، اس وقت فریضۂ حج سے فارغ ہوگئے اور اب پٹنہ پر ہیں، میری بڑی بہن کا لڑکا اس وقت سعودی میں ہے اور میرے شوہر چاہتے ہیں کہ میں بھی فریضۂ حج سے فارغ ہو جاؤں، اب ہم اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ دونوں حج پر جائیں، کیا میں اپنے بھانجے کے ساتھ حج ادا کرسکتی ہوں، جبکہ یہ لڑکا بچپن سے میری گود میں رہ کر بڑا ہوا ہے، تو کیا میرا حج صحیح ہو جائے گا؟ (جمیل النساء بیگم، پانی منڈی دارالسلام)

جوابـ:- بھانجے یعنی حقیقی بہن کا لڑکا محرم رشتہ داروں میں شامل ہے، محرم رشتہ دار سے مراد وہ لوگ ہیں، جن سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو اور قرآن مجید نے ایسے رشتہ داروں میں صراحتاً خالہ اور بھانجے کا ذکر کیا ہے، (۱)؛ البتہ ضروری ہے کہ ہندوستان سے سعودی عرب کا سفر بھی بھانجے کے ساتھ ہو؛ کیوں کہ عورت کا بغیر کسی محرم کے اڑتالیس میل سے زیادہ کا سفر کرنا درست نہیں۔

بوڑھی بھاوج کے ساتھ حج

سوالـ:- میں اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لئے جا رہا ہوں، میری بھاوج بہت بوڑھی اور ضعیف ہیں، وہ بھی حج کے لئے جانا چاہتی ہے، کیا میں ان کو اپنے ساتھ حج کے لئے لے جا سکتا ہوں؟

(محمد عامر، سکندر آباد)

جوابـ:- رسول اللہ ﷺ نے عورت کے طویل سفر کے لئے شوہر یا محرم کے ساتھ ہونے کو ضروری قرار دیا ہے؛ کیوں کہ غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لئے بہتر بات یہی ہے کہ وہ آپ کے ساتھ سفر حج نہ کریں، انشاء اللہ ان کو ان کی نیت

---

(۱) النساء: ۲۳

اور ارادہ کا ثواب ملے گا؛ لیکن اگر بہت معمر خاتون ہو اور مرد بھی کبر رسیدہ ہو اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی ہو، تو فتنہ اور معصیت کا اندیشہ کم ہو جاتا ہے، اس لئے جو صورتِ حال آپ نے لکھا ہے اس میں آپ کے ساتھ ان کے حج کرنے کی گنجائش ہے، علامہ حصکفیؒ نے ایسی بوڑھی عورت — جس میں شہوت کی کیفیت ختم ہو گئی ہو — کو غیر محرم کے ساتھ سفر کی اجازت دی ہے:

"أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها و مس يدها إذا أمن ومتى جاز المس ، جاز سفره بها" (۱)

اسی بنیاد پر ماضی قریب کے ممتاز فقیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی ساٹھ ستر سال کی عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی اجازت دی ہے۔ (۲)

سفرِ حج میں خواتین کے ساتھ بچے

سوال:- اگر خواتین حج کے لئے جا رہی ہوں، تو اپنے ساتھ کتنی عمر کے بچوں کو لے جا سکتی ہیں؟

(سید حفیظ الرحمٰن، نظام آباد)

جواب:- رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی نابالغ بچوں کا حج میں شریک کیا جانا ثابت ہے، رہ گئی یہ بات کہ کتنی عمر کے بچے شریک رکھے جانے چاہئیں، تو اس سلسلہ میں قرآن و حدیث میں کوئی صراحت نہیں ہے؛ البتہ اصولی طور پر اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں: اول یہ کہ اس بچہ کی وجہ سے عبادت میں زیادہ خلل نہ پیدا ہو، دوسرے: اس بچہ کو گھر پر چھوڑ جانے میں بچہ کے لئے غیر معمولی ضرر کا اندیشہ ہو، ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اس سلسلہ میں فیصلہ کرنا چاہئے۔

---

(۱) در مختار ۱/۳۶۸، ط کراچی

(۲) امداد الفتاویٰ: ۲/۱۵۶

اگر مکہ میں شوہر کی وفات ہو جائے؟

سوال:- آندھرا پردیش کی ایک خاتون اپنے شوہر کے ساتھ حج کے لئے گئی تھیں، مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد ان کے شوہر کی وفات ہو گئی، ایسی صورت میں کیا ان کے لئے افعال حج کو ادا کر لینا درست ہوگا؟ واضح ہو کہ اب یہاں سے خاتون کے کسی محرم کے جانے اور حج میں اس کے ساتھ رہنے میں بڑی دشواری ہے، ایک تو اتنی رقم کا انتظام اس کے لئے دشوار ہے، دوسرے اس مختصر وقت میں ویزا ملنا اور سفر حج سے متعلق قانونی ضرورتوں کو پوری کرنا بھی کچھ کم دشوار نہیں، ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

(عبد المجید قاسمی، جمیعۃ علماء آندھرا پردیش)

جواب:- عورت کے ساتھ محرم کا ہونا اصل میں سفر کے لئے ہے نہ کہ حج کے لئے، مثلاً اگر کوئی عورت حدود حرم ہی کی رہنے والی ہو تو وہ بغیر محرم کے بھی حج کر سکتی ہے، اب اس بیوہ خاتون کے لئے مسئلہ سفر کا نہیں، بلکہ حج کا ہے، کیوں کہ سفر کا ایک مرحلہ تو وہ تمام کر چکی ہے؛ اسی لئے فقہاء نے اس حالت میں عورت پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ حج کر لے؛ چنانچہ فقہ حنفی کی معروف کتاب فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

" إن كان بينها و بين منزلها مسيرة سفر فصاعدا و بينها و بين مكة دون ذلك فعليها أن تمضي عليها الخ " (۱)

'' اگر جائے حادثہ سے عورت کا وطن سفر کی مسافت یا اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو اور مکۃ المکرمہ مسافت سفر سے کم دوری پر واقع ہو تو

(۱) تاتارخانیہ ۲: ۴۳۵، نیز دیکھئے: بدائع الصنائع ۲: ۳۰۱

عورت پر واجب ہے کہ سفر جاری رکھے اور حج کرے)۔"

ظاہر ہے جب یہ حکم مکہ پہنچنے سے پہلے محرم کے وفات پا جانے کی صورت میں ہے تو مکہ پہنچنے کے بعد محرم کی وفات ہو تو بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا، بالخصوص ان حالات میں کہ ہندوستان سے کسی محرم کا وہاں پہنچنا معاشی اور قانونی دشواری کا باعث ہو۔

طواف

بغیر وضو طواف و سعی

سوال:- میرے ایک دوست نے عمرہ کیا اور مسئلہ سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے طواف و سعی بغیر وضو کے کرلیا، اب مسئلہ کا علم ہوا ہے کہ بغیر وضو کے طواف کرنا جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں اب اسے کیا کرنا چاہئے؟ (ممتاز علی، حیدر گوڑہ)

جواب:- طواف کو رسول اللہ ﷺ نے نماز کی طرح قرار دیا ہے، اس لئے جیسے نماز میں پاک ہونا ضروری ہے، اسی طرح طواف میں بھی ضروری ہے کہ باوضو ہو، اب اس غلطی کی تلافی دو طرح سے ممکن ہے. ایک یہ کہ چوں کہ آپ حضرات ابھی مکہ میں ہیں، اس لئے آپ کے وہ دوست طواف اور سعی کا اعادہ کرلیں، ایسی صورت میں ان پر دم واجب نہیں ہوگا، اور اگر طواف و سعی نہیں کرسکے اور گھر واپس ہوگئے، تو دم کے طور پر ایک بکرے کی قربانی واجب ہوگی:

" إذا طاف للعمرة محدثا أو جنبا فما دام بمكة يعيد الطواف ، فإن رجع إلى أهله ولم يعد ففي الحدث تلزمه شاة " (۱)

---

(۱) الفتاوی الہندیہ: ۱/۲۴۷، باب العمرة

بہتر تو یہی ہے کہ سعی کا بھی اعادہ کرلے، لیکن اگر صرف طواف کا اعادہ کرلے، تب بھی کافی ہے، فقہاء نے اسی کو ترجیح دیا ہے:

" ولا شيء عليه لو أعاد الطواف فقط ، هذا هو الصحيح أي الأصح : لأن السعي وقع بعد طواف معتد به وقد استدرك نقصانه " (۱)

دو طواف کی نماز ایک ساتھ ادا کرنا

سوال:- عصر کے بعد طواف کیا، یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہوگیا، مغرب کی نماز کے بعد دوبارہ طواف کرلیا اور دوسرے طواف کے بعد ایک ساتھ دونوں طواف کی نمازیں پڑھ لیں، کیا اس میں کوئی مضائقہ ہے؟ (عبداللہ، مٹے پلی)

جواب:- اس صورت میں چاہئے کہ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد پہلے عصر بعد والے طواف کی دو رکعتیں ادا کرلے، پھر دوسرا طواف کرے، ایک طواف ادا کرنے کے بعد نماز طواف ادا کیے بغیر دوسرا طواف کرنا مکروہ ہے، یہی رائے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی ہے:

" يكره عندهما الجمع بين أسبوعين أو أكثر بلا صلاة بينها " (۲)

طواف کے پانچ ہی چکر کئے؟

سوال:- چند حضرات حیدرآباد سے حج کے لئے گئے، انہوں نے مطوف کے ساتھ عمرہ کا طواف کیا، لیکن ہوا یوں کہ مطوف نے طواف کے پانچ ہی چکر کرائے اور سعی میں لگا دیا، یہ

---

(۱) الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر : ۱/۲۹۵

(۲) رد المحتار : ۲/۴۹۹، ط: کراچی

حضرات یوں کہ مسائل سے واقف نہیں تھے، اس لئے پانچ ہی چکر پر اکتفا کیا، بعد کو معلوم ہوا کہ ایک طواف میں سات چکر ہوا کرتا ہے، تو اب پریشان ہیں، ان کی معذوری کا حل کیا ہے؟ کیا وہ چکر کی قضا کر سکتے ہیں؟ (صبیح الدین، عادل آباد)

جواب:- عمرہ میں فریضہ طواف ادا ہونے کے لئے کم سے کم چار چکر ضروری ہیں، لہٰذا اگر انہوں نے پانچ ہی چکر ادا کئے تو نقص کے ساتھ عمرہ ہو گیا، اب دو صورتیں ہیں: ایک تو ان چکروں کی قضا کر لیں، اور قضا کی صورت یہ ہے کہ دوبارہ عمرہ کریں اور اس عمرہ میں طواف کے سات چکروں کے ساتھ مزید دو چکر قضا کی نیت سے کر لیں، بہر حال ان دو چکروں کی قضا حالت احرام میں ہونی چاہئے، اگر حج تمتع کر رہے ہیں تو حج سے پہلے بھی عمرہ کر سکتے ہیں اور اگر حج قران کر رہے ہیں تو حج کے بعد عمرہ کر لے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو چکر جو چھوٹ گئے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے بدلے ایک صدقۂ فطر کی مقدار صدقہ کر دے۔(۱)

دم اور صدقہ میں فرق یہ ہے کہ دم (قربانی) کا حدود حرم ہی میں دینا واجب ہے اور صدقہ حدود حرم سے باہر یا خود اپنے ملک میں بھی دیا جا سکتا ہے: "... ویتصدق أین شاء" (۲)

طواف زیارت کے درمیان فرض نماز کی ادائیگی

سوال:- ایک حاجی صاحب نے ۱۰/ ذوالحجہ کو طواف زیارت کیا، اژدحام کی وجہ سے طواف کے پانچویں ہی چکر میں تھے کہ مغرب کی اذان ہو گئی، نماز کے بعد پانچویں چکر کا کچھ حصہ اور دو چکر پورے کئے، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی، ایسی صورت میں طواف زیارت ادا ہو گیا اور حج پورا ہو گیا یا نہیں؟ اور کیا ان پر دم بھی واجب ہوگا؟ (محمد عارف، جدہ)

---

(۱) دیکھئے: در مختار مع الرد ۲/۲۰۹

(۲) رد المحتار ۲/۲۱۵، باب الجنایات في الحج

جو(ب:- جب طواف کے چار چکر پورے کر لئے تو طواف زیارت ادا ہو گیا اور ان پر جنایت کی قربانی واجب نہیں ہوئی، البتہ بقیہ تینوں چکروں کے بدلہ صدقۃ الفطر کی مقدار صدقہ کر دے، یہ کافی ہے:

" إن أكثر أشواط الطواف بمنزلة الكل في حكم التحليل له عن الإحرام .... تأخير الكل لما كان يوجب الدم فتأخر الأقل لا يوجب الدم و لكن يوجب الصدقة " (۱)

ناپاک کپڑے میں طواف

سو(ل:- میں احرام کی حالت میں قضاء حاجت سے فارغ ہوا، اور انہیں چادروں میں طواف کیا احرام کھولنے کے بعد جب چادر اتاری تو چادر میں نجاست لگی ہوئی تھی، بظاہر ضرورت سے فارغ ہونے کے درمیان ہی یہ نجاست لگی تھی، میں اپنے بال بھی کٹا چکا تھا، بار بار دل میں یہ تردد پیدا ہوتا ہے کہ میرا طواف صحیح ہوا یا نہیں؟ (محمد ہشام، نا سیلی)

جو(ب:- طواف ایک عبادت ہے، اس لئے پاک کپڑوں میں کرنا چاہئے، تاہم اس مسئلہ میں نماز اور طواف کے احکام میں کچھ فرق ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر نجاست ایک درہم یعنی ہتھیلی کی گہرائی کی مقدار سے کم ہو تو معاف ہے، اور اتنی مقدار یا اس سے زیادہ ہو، تو اس کے ساتھ طواف کرنا مکروہ ہے؛ لیکن طواف فاسد نہیں ہوتا، یہ حکم ہر طرح کے طواف کے لئے ہے، فرض ہو، واجب ہو، یا نفل ہو، اس کی وجہ سے دم یا صدقہ وغیرہ بھی واجب نہیں ہوتا:

" و لو طاف طواف الزيارة و في ثوبه نجاسة أكثر

---

(۱) المبسوط: ۴/۴۳

من قدر الدراهم أجزأه و لكن مع الكراهة و لا يلزمه شيء الخ" (۱)

چونکہ ناپاکی کے لگے رہ جانے میں آپ کے قصد وارادہ کو دخل نہیں تھا اور نہ آپ کو اس کا علم تھا، اس لئے ان شاء اللہ آپ کے حق میں کراہت بھی نہیں رہے گی۔ واللہ اعلم

طواف کے درمیان سلام

سوال:- طواف کرنے کے درمیان اگر دوست احباب کے ساتھ ہوں تو کیا سلام کر سکتے ہیں، یا سلام کا جواب دے سکتے ہیں اور مصافحہ کیا جا سکتا ہے؟ (حبیب اللہ، جدہ)

جواب:- طواف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے؛ اس لئے طواف کے درمیان فضول گفتگو کرنے سے بچنا چاہئے، ضروری گفتگو کی جا سکتی ہے، ملاقات کے وقت سلام اور اس کا جواب بھی ضروری گفتگو میں شامل ہے؛ اسی طرح طواف میں حسب ضرورت عمل کی بھی اجازت ہے، جیسے چلتے ہوئے پانی پینا، کسی چیز کا اٹھانا وغیرہ، اس لئے مصافحہ کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، تاہم ضرورت سے زیادہ دنیاوی گفتگو نہ کی جائے، ہاں احکام و مسائل پوچھ سکتے ہیں، اور ان کا جواب بھی دیا جا سکتا۔

"أما كراهة الكلام فالمراد فضوله إلا ما يحتاج إليه بقدر الحاجة و لا بأس بأن يفتي في الطواف الخ" (۲)

طواف کے درمیان گفتگو

سوال:- طواف کے درمیان بعض دفعہ فون آجاتا ہے اور لوگ فون پر بات کرنے لگتے ہیں، اس سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ (عاصم قدیر، ممبئی)

---

(۱) تاتار خانیہ: ۲/ ۱۲۲ (۲) فتح القدير: ۲/ ۳۹۵

جواب:- طواف ایک عبادت ہے اور بعض احکام میں نماز کی اس سے مماثلت بھی پائی جاتی ہے، جیسے پاکی کی حالت میں ہونا نماز میں بھی ضروری ہے اور طواف میں بھی ؛ لیکن بعض وہ افعال جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔ جیسے بات چیت یا عمل کثیر، ان کے سلسلہ میں نماز اور طواف کے احکام یکساں نہیں ہیں ،نماز تو بات چیت یا عمل کثیر سے فاسد ہو جاتی ہے، طواف اس سے فاسد نہیں ہوتا ؛ اس لئے اگر طواف کی حالت میں کسی نے موبائل پر گفتگو کر لی یا کسی کی بات کا جواب دیا، یا طواف میں شامل دوسرے لوگوں سے بات چیت کی تو اس کی وجہ سے طواف فاسد نہیں ہوگا ؛ البتہ طواف چونکہ بنیادی طور پر ایک عبادت ہے اور عبادت کی حالت میں انسان کا دل اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے اور اس کی زبان کو ذکر الٰہی سے تر رہنا چاہئے ؛ اس لئے بلا ضرورت اور خاص کر دنیوی گفتگو کرنا بہتر نہیں ؛ چنانچہ اس حالت میں خرید و فروخت اور دنیوی معاملات کی گفتگو کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے :

"ویکره الحدیث في البیع والشراء في الطواف والسعي، کذا في التاتار خانیه" (۱)

طواف میں تلاوت کرے یا ذکر؟

سوال:- طواف کے درمیان بعض حضرات قرآن مجید ساتھ رکھتے ہیں، اس کی تلاوت کرتے ہیں، بعض لوگ اذکار پڑھتے ہیں، بعض حضرات دعائیں کرتے ہیں، اس کی کتابیں موجود ہیں، جس میں ہر چکر کے لئے الگ الگ دعائیں بتائی گئی ہیں، میں اس سال حج کرنے جا رہا ہوں، میرے لئے ان میں سے کون سا طریقہ بہتر ہوگا؟　　(ریحانہ عنایت اللہ، قاضی پورہ)

جواب:- طواف کے لئے کوئی خاص ذکر یا دعا مقرر نہیں ہے، جس کا پڑھنا

---

(۱) ھندیہ: ۱/۲۲۷

اگر درمیانِ طواف نکل جائے تو دوبارہ کہاں سے شروع کرے؟

سوال:- اگر طواف کے درمیان وضو کی ضرورت پیش آجائے تو وضو کرنے کے بعد طواف کہاں سے شروع کیا جائے؟ کیا از سرِ نو وہ سات چکر کریں گے، یا جتنے چکر چھوٹ گئے اتنے چکر کر لینا کافی ہے اور اگر چھوٹے ہوئے چکر ہی کو کرنا کافی ہے، تو کیا حجرِ اسود ہی سے کرنا ہوگا؟ (حبیب الرحمن، میسور)

جواب:- طواف چونکہ نماز کے درجہ میں ہے، اس لئے جیسے نماز میں باوضو ہونا ضروری ہے، اسی طرح طواف بھی باوضو کرنا ضروری ہے، البتہ وضو ٹوٹنے سے طواف فاسد نہیں ہوتا، لہٰذا اگر کسی شخص کا وضو ٹوٹ جائے، خواہ کسی بھی وجہ سے ٹوٹے تو یہ بات درست ہے کہ وضو کر کے آجائے اور جو چکر باقی ہیں ان کو پورا کرے، ایسی صورت میں جہاں سے طواف چھوڑا تھا وہیں سے طواف کر لینا کافی ہے، تاہم بہتر ہے کہ حجرِ اسود سے آگے جہاں تک طواف کر چکا ہے اس کو شمار نہ کرے اور دوبارہ اس چکر کو حجرِ اسود سے پورا کرے۔

" وإذا أعاد للبناء هل يبني من محل انصرافه أو يبتدئ الشوط من الحجر ؟ الظاهر : الأول قياسًا على من سبقه الحدث في الصلوة الخ " (۱)

اگر طوافِ زیارت کے درمیان وضو ٹوٹ گیا؟

سوال:- ایک صاحب نے ۱۲/ ذوالحجہ کو طوافِ زیارت کیا، سعی سے فارغ ہونے کے بعد انہیں خیال ہوا کہ سعی شروع کرنے سے پہلے اور طواف کے آخر میں ان کا وضو جاتا رہا تھا۔ انہیں احساس بھی ہو گیا لیکن اسی حالت میں انہوں نے طواف مکمل کر لیا

---

(۱) غنیۃ الناسک : ۱۲۸

اور واپس بھی آ گئے ، ادھر کچھ دنوں پہلے انہوں نے بعض علماء سے دریافت کیا تو بتایا گیا کہ انہیں دوبارہ مکہ جا کر طواف کرنا ہوگا ، اس جواب سے وہ بہت پریشان ہیں ، کیونکہ انہیں پہلے سے اس کا علم نہیں تھا کہ بغیر وضو کے طواف درست نہیں ہوتا ۔

(امتیاز احمد ، مہدی پٹنم)

جو(ب:- طواف بھی باوضو کرنا ضروری ہے ، خواہ طواف فرض ہو یا طواف نفل ؛ البتہ اگر بغیر وضو کے طواف کیا تو نقص کے ساتھ طواف ادا ہو جائے گا ، نقص دور کرنے کے لیے جیسے نماز میں سجدہ سہو ہے ، اسی طرح افعال حج وعمرہ میں دم (قربانی) اور صدقہ ہے ؛ چنانچہ فرض طواف بغیر وضو کے کیا ہو تو بکرے کی قربانی واجب ہوگی اور نفل طواف بلا وضو کر لے تو صدقہ واجب ہوگا ، صدقہ سے مراد صدقۂ فطر کے بقدر گیہوں یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا ہے :

"اعلم أنه إذا طاف الفرض محدثا ، وجب دم ، وإن کان جنبا فبدنة" (۱)

طواف زیارت چونکہ فرض ہے ؛ اس لیے جو صورت آپ نے لکھی ہے ، اس میں قربانی واجب ہوگی ، اور یہ قربانی حرم میں ہی کرنی ہوگی ۔

ناپاکی کی حالت میں طواف وسعی

سو(ل:- کیا طواف اور سعی کے لئے پاک ہونا ضروری ہے ، اگر کسی عورت کو طواف زیارت کے درمیان حیض آ جائے یا طواف کے بعد سعی سے پہلے آ جائے تو اسے کیا کرنا چاہئے ؟

(شائستہ پروین ، جوبلی ہلز)

جو(ب:- طواف کی حالت میں پاک رہنا ضروری ہے ، اگر طواف کے درمیان

(۱) طحطاوی علی مراقی الفلاح : ۴۵

کوئی ایسی چیز پیش آ جائے جو وضو یا غسل کو توڑنے والی ہو تو اس کا طواف فاسد ہو گیا، اس کو طواف سے باہر نکل جانا چاہئے اور پاکی حاصل کر کے دوبارہ اسی جگہ سے اپنا طواف مکمل کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ طواف کے درمیان حیض کی نوبت آ جائے اور وہ عورت پاک ہونے تک مکہ مکرمہ میں رک سکتی ہو تو فوراً طواف سے نکل جائے اور پاک ہونے کے بعد طواف کو مکمل کرے یا از سر نو طواف کرے، اگر رکنا ممکن نہ ہو اور طواف کے چار چکر پورے کر چکی ہو تو اسی حالت میں نکل جائے اور تین چکر چھوٹ جانے کی وجہ سے ایک بکرے کی قربانی کر دے، یہ کافی ہو جائے گا؛ کیونکہ طواف زیارت میں چار چکر کر لینے سے فرض ادا ہو جاتا ہے، بقیہ تین چکر واجب ہیں، فرض نہیں، ان کے چھوٹنے سے دم واجب ہوگا، حج فاسد نہیں ہوگا، اگر چار چکر سے کم ہی طواف کر پائی اور کوئی مجبوری درپیش ہونے کی وجہ سے پاک ہونے تک مکہ میں رک نہیں سکتی تو امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر گنجائش ہے کہ جسم میں اچھی طرح کپڑے وغیرہ باندھ لے؛ تاکہ مسجد حرام آلودہ نہ ہو اور اسی حالت میں طواف کر لے، البتہ حالت حیض میں طواف کرنے کی وجہ سے ایک بڑے جانور کی حرم میں قربانی دینی پڑے گی؛ چونکہ آج کل سفر کا نظام حاجی کے اپنے ارادہ و اختیار پر موقوف نہیں؛ بلکہ گورنمنٹ کے مقرر کئے ہوئے نظام پر ہی وہ مجبور ہوتا ہے؛ اس لئے موجودہ حالت میں یہ بات مناسب ہوگی کہ عارضی طور پر حیض کو روکنے والی دوا اپنے موقع پر پہلے سے استعمال کر لی جائے؛ تاکہ عین موقع پر دشواری پیش نہ آئے۔

البتہ سعی کی حالت میں پاک ہونا ضروری نہیں؛ لہٰذا اگر طواف مکمل ہونے کے بعد حیض شروع ہوا تو سعی حالت ناپاکی میں بھی کی جا سکتی ہے۔

"ولو سعى جنباً أو حائضاً أو نفساء فسعيه صحيح"(۱)

---

(۱) ہندیہ ۱/۲۴۷

طواف میں قرآن مجید کی تلاوت

سوال:- میں ابھی عمرہ سے فارغ ہو کر آیا ہوں، میں نے وہاں دیکھا کہ طواف کے درمیان لوگ قرآن مجید ہاتھ میں لیے رہتے ہیں اور اس کی تلاوت کرتے ہوئے طواف کرتے ہیں، میں زیادہ تر دعا کی کتاب پڑھ رہا تھا، دریافت یہ کرنا ہے کہ طواف میں قرآن مجید پڑھنا چاہیے یا دعا کرنا چاہیے اور اس موقع کے لیے کیا کوئی خاص دعا مقرر ہے؟ (حافظ محمد محسن، منچریال)

جواب:- جس عبادت میں رسول اللہ ﷺ سے جن اوراد و اذکار کا پڑھنا منقول ہے اس موقع پر ان ہی اوراد و اذکار کو پڑھنا چاہیے، حضور ﷺ کا معمول مبارک طواف میں دعا کرنے کا تھا نہ کہ تلاوت کا، اس لیے طواف میں تلاوت کی بجائے دعا کرنی چاہیے، بلکہ بعض فقہاء نے تو طواف میں تلاوت کو مکروہ قرار دیا ہے:

"وتكره قراءة القرآن في طواف" (۱)

طواف میں کوئی بھی دعا کی جاسکتی ہے؛ البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان حضور ﷺ کا یہ دعا کرنا ثابت ہے

"ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" (۲)

اس لیے صرف اس وقت اس دعا کا پڑھنا بہتر ہے، باقی اوقات میں حسب سہولت و ضرورت عربی یا اردو میں دعا کریں۔

---

(۱) ہندیہ: ۵/۳۱۶

(۲) البقرة: ۲۰۱

سعی

سعی کے دوران صفا اور مروہ پر کیا پڑھے؟

سوال:- صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے جب صفا اور مروہ پر چڑھیں تو اس وقت کیا عمل کرنا چاہئے؟ کیا صفا اور مروہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہا جائے۔

(یوسف شریف، دیر پورہ)

جواب:- صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے یا صفا اور مروہ پر پہنچ کر کوئی ذکر یا دعا واجب نہیں ہے؛ لیکن چونکہ یہ ایک عبادت ہے؛ اس لئے مستحب طریقہ ہے کہ انسان ذکر اور دعا میں اپنے آپ کو مشغول رکھے، صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کی علامتی جگہ پر پہنچنے کے بعد اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کرنا چاہئے، عام طور پر اس موقع پر لوگ اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہیں جیسے نماز کے شروع میں ہاتھ اٹھایا جاتا ہے؛ لیکن یہ درست نہیں، اس موقع پر اس طرح ہاتھ اٹھانا چاہئے، جس طرح دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، یعنی ہتھیلیوں کا رخ آسمان کی طرف ہو: ''ویرفع یدیہ عند الدعاء نحو السماء'' (۱) پھر افضل ہے کہ تین دفعہ ''اللہ اکبر'' کہے، کلمہ طیبہ پڑھے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے، رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھے اور اپنی ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا کرے:

---

(۱) الجوھرۃ النیرۃ ، کتاب الحج : ۹۴/۲

"یستقبل البیت ویرفع یدیہ ویکبر ثلاثۃ ... ویھلل ویحمد اللہ ویثنی علیہ ویصلی علی النبی ﷺ ویدعو اللہ بحاجتہ"(۱)

طواف زیارت میں سعی ایک ہفتہ کے بعد کی جائے؟

سوال: اگر کسی شخص نے طواف زیارت کرلیا اور اژدحام سے بچنے کے لئے اس نے سعی نہیں کی، جدہ واپس آگیا اور ایک ہفتہ کے بعد آکر سعی کرلی، تو کیا اس کا طواف زیارت مکمل ہوگیا اور اس تاخیر کی وجہ سے کیا اس پر کچھ واجب بھی ہوگا؟

(محمد اسماعیل، جدہ)

جواب: سعی واجب ہے اور اس کا اصل وقت طواف زیارت کے بعد ایام نحر ہے؛ لیکن اگر طواف کے بعد متصلاً سعی نہیں کرسکا اور وہ مکہ ہی میں مقیم ہے یا حدود حرم سے باہر گیا ہو اور وہاں سے واپس ہوکر سعی کرلے، خواہ طواف اور سعی کے درمیان بیوی سے صحبت بھی کرچکا ہو، تو اس کی سعی صحیح ہوگئی اور اس تاخیر کی وجہ سے قربانی واجب نہیں ہوگی؛ البتہ سعی کرنے کے لئے دوبارہ احرام باندھ کر آنا ہوگا، احرام باندھ کر آئے، پہلے عمرہ کرے، پھر اس فوت شدہ سعی کی تکمیل کرے:

"... و إن أراد أن یعود إلی مکۃ، یعود بإحرام جدید" (۲)

اور اگر سعی کی ہی نہیں اور اس سعی کے لئے واپس آنے کا ارادہ بھی نہیں تو دم واجب ہوگا:

"و إن کان رجع إلی أھلہ فعلیہ دم لترک سعیہ بغیر عذر" (۳)

(۱) ہندیہ ۱/۲۲۶ (۲) بدائع الصنائع ۲/۳۲۰ (۳) بدائع الصنائع ۲/۳۲۰

وقوفِ عرفہ ومزدلفہ

کیا حاجی عرفات ومزدلفہ میں چار رکعت ادا کرے؟

سوال:- اگر ایک شخص حج شروع ہونے سے بارہ تیرہ دن پہلے مکہ مکرمہ پہنچا لیکن حج کے بعد مزید ایک ہفتہ مکہ مکرمہ میں اس کا قیام ہوا تو منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں اسے قصر کرنا چاہئے یا پوری چار رکعت ادا کرنی چاہئے؟ (عبدالقدیر، اوکھلا، نئی دہلی)

جواب:- اس سلسلہ میں اگرچہ بعض علماء جغرافیائی اتصال کو سامنے رکھتے ہوئے مکہ اور منیٰ کو ایک ہی شہر تسلیم کرتے ہیں، لیکن اکثر علماء کی رائے اب بھی یہی ہے کہ یہ دونوں الگ الگ شہر ہیں؛ کیوں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو الگ الگ شہر قرار دیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول نے جس چیز کی حد مقرر کر دی ہو، حالات اور عرف ورواج کی تبدیلی سے وہ بدل نہیں سکتے؛ لہٰذا اگر مکہ مکرمہ میں ایسے وقت پہنچے جبکہ تیرہ دنوں ہی مکہ مکرمہ میں قیام ہو سکے گا، اس کے بعد منیٰ جانا ہوگا تو ایسے شخص کو — اگر وہ مقیم امام کے پیچھے نماز ادا نہ کر رہا ہو — مکہ، منیٰ اور مزدلفہ میں قصر کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

مزدلفہ میں مقیم حجاج اور منیٰ کی شب گذاری

سوال:- آج کل منیٰ کی جگہ تنگ پڑ جانے کی وجہ سے مزدلفہ میں بھی خیمے لگائے جاتے ہیں؛ جب کہ اب تو ہندوستانی حجاج

کے بہت سے خیمے مزدلفہ ہی میں ہوتے ہیں اور نیچ وہاں قیام
کرنے پر مجبور ہیں، ایسی صورت میں مزدلفہ میں مقیم حجاج کے لئے
کیا حکم ہے؟ (حبیب الرحمن قاسمی، بنگلور)

جو اب:- امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ ہی میں شب گذاری ہے، البتہ واجب نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی شخص منیٰ سے باہر شب گذارے تو بلا عذر ایسا کرنا مکروہ تو ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے دم واجب نہیں ہوتا:

"قوله: يبيت بها لرمي أي ليالي أيام الرمي هو السنة ، فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شيء" (۱)

آج کل جن لوگوں کا خیمہ سعودی حکومت کی جانب سے مزدلفہ میں نصب کیا گیا ہوتا ہے، وہ معذور ہیں؛ اس لئے ان کے اس عمل کو مکروہ بھی نہیں کہا جا سکتا، خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کو ان کی خواہش پر منیٰ کی راتیں مکہ میں گذارنے کی اجازت دی تھی؛ کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری ان ہی سے متعلق تھی:

"... أن العباس بن عبد المطلب استأذن رسول الله أن يبيت بمكة ليالي منى من أجل سقايته فأذن له" (۲)

مزدلفہ کے کچھ علاقہ کو منیٰ قرار دینا

سوال:- (الف) سعودی حکومت نے منیٰ کی حدود میں توسیع کی ہے اور اس میں مزدلفہ کے بھی کچھ حصوں کو شامل کر لیا ہے اور اب اسے منیٰ کا حصہ کیا جا رہا ہے، سوال یہ ہے کہ دوران حج منیٰ میں قیام کے درمیان اگر کوئی شخص اس حصہ میں قیام کرتا ہے، جو

---

(۱) رد المحتار: ۳/۵۳۰، فتح القدیر: ۲/۱۲۰
(۲) مسلم عن ابن عمر، باب وجوب المبیت بمنی، حدیث نمبر: ۳۱۷۷

پہلے مزدلفہ کا حصہ تھا، تو کیا منیٰ میں قیام کی سنت ادا ہو جائے گی؟

(ب) مزدلفہ کی شب کو کوئی شخص اس حصہ میں قیام کرتا ہے، جو پہلے مزدلفہ تھا اور اب منیٰ کا حصہ ہے، تو کیا اس کے ذمہ سے یہ واجب ادا ہو جائے گا؟ (عبد المعید، سکندرآباد)

جواب:- مقامات کی حدود دو طریقوں پر متعین ہوتی ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ خود قرآن و حدیث میں اس کی ابتداء و انتہاء متعین کر دی گئی ہو، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے عرف اور حکومتوں کے قانون کے ذریعہ کسی شہر یا علاقہ کی حدیں متعین کی گئی ہوں، اس دوسری صورت میں عرف کے بدلنے اور حکومت کے احکام کے ذریعہ حدود بدل سکتی ہیں، جیسا کہ عام طور پر ریاستوں، ضلعوں اور شہروں، پنچایتوں کی حدود میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، لیکن جن مقامات کی حدیں رسول اللہ ﷺ نے متعین کر دی ہوں اور ان کی ابتداء و انتہاء کو مقرر کر دیا ہو، اب قیامت تک ان کی حدود وہی ہوں گی، منیٰ اور مزدلفہ ایسے ہی مقامات میں ہیں، اس لئے ان مقامات کی جو ابتداء و انتہاء حضور ﷺ کے زمانہ میں تھی، وہی قیامت تک رہے گی۔

لہٰذا مزدلفہ کے کچھ حصہ کو اگر حکومت نے منیٰ قرار دے دیا ہو یا ایام منیٰ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے وہاں حجاج کی قیام گاہ بن رہی ہو تو اس سے وہ منیٰ نہیں ہو جائے گا، بلکہ مزدلفہ ہی باقی رہے گا، البتہ اگر جگہ کی تنگی کی وجہ سے منیٰ میں رات نہیں گزار سکا تو چوں کہ منیٰ میں رات گزارنا حنفیہ کے نزدیک مسنون ہے، اس لئے حج میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوگا اور معذور ہونے کی وجہ سے ترک سنت کا گناہ بھی نہ ہوگا، نیز اگر اس حصہ میں شب مزدلفہ میں قیام کر لیا جائے تو وقوف مزدلفہ ادا ہو جائے گا؛ کیوں کہ فی الحقیقت وہ مزدلفہ ہی ہے۔

میقات سے مکہ گئے بغیر منیٰ روانگی

سوال:- ایک عازم حج مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، مدینہ سے واپسی کے موقع پر ذوالحلیفہ میں احرام باندھ کر

۸/ ذوالحجہ کو سیدھے منیٰ آ گئے اور مناسک حج کی تکمیل کرلی، سوال یہ ہے کہ مدینہ سے واپسی پر مکہ آ کر طواف و سعی کے بغیر کیا منیٰ کو جا سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو اس کی جزاء کیا ہوگی؟ (عبدالمجید، کھمریہ)

جواب:- حج کرنے والے کے لئے پہلے مکہ مکرمہ آ کر طواف و سعی کرنا ضروری نہیں، (۱) اگر کسی شخص نے حج افراد کا احرام باندھا اور میقات سے سیدھے منیٰ چلا آیا اور حج کے تمام افعال انجام دے لئے تو حج ہو جائے گا اور اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔

---

(۱) غنیۃ الناسک ص ۹۱

رمی جمار

وقت سے پہلے رمی

سوال:- ایک صاحب نے حج میں دس ذی الحجہ کو دس بجے دن میں رمی کی، گیارہ ذی الحجہ کو بارہ بجے کے بعد رمی کی، اور اسی دن رات گیارہ بجے بارہ تاریخ کی رمی کرلی، اور مکہ چلے آئے، ان کا کہنا ہے کہ چوں کہ مغرب سے اگلی تاریخ شروع ہوجاتی ہے، اس لئے انھوں نے بارہ تاریخ کی رمی کرلی، یہ کہاں تک درست ہے؟ (حمید الدین، قاضی پورہ)

جواب:- ان کی بارہ تاریخ کی رمی درست نہیں ہوئی، اور ان پر واجب ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں دم دیں، یعنی حدودِ حرم میں ایک بکرے کی قربانی کریں، ایام حج میں رات گذشتہ دن کے تابع ہوا کرتی ہے؛ اسی لئے دس کی رمی گیارہ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک اور گیارہ کی رمی بارہ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک کی جاسکتی ہے، اسی طرح بارہ کی رمی تیرہ کی صبح صادق تک کی جاسکتی ہے، مگر غروب آفتاب سے مؤخر کرنا مکروہ ہے، (۱) ایسے مسائل میں ذاتی عقل سے فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، علماء اور ارباب افتاء سے پوچھ کر عمل کرنا چاہئے، اور حج میں تو یہ ضروری ہے؛ کیوں کہ حج میں خاصی جسمانی مشقت بھی اٹھانی ہوتی ہے اور اخراجات بھی

---

(۱) مجمع الأنهر: ۱/۴۹۳

کافی ہوتے ہیں، اگر تھوڑی سی غفلت سے اس کے حقوق و آداب کی رعایت نہ ہو سکے تو ظاہر ہے یہ بڑی محرومی کی بات ہوگی۔

کنکری مارنے کے درمیان وقفہ

سوال:- شیطان پر کنکری مارنے کے وقت کیا ہیئت ہونی چاہئے؟ اس پر روشنی ڈالیں؟ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کنکری مارنے کے درمیان دھکم دھکے میں آدمی دور پھینکا جاتا ہے اور پھر تھوڑا ٹھہر کر ہی اژدحام میں داخل ہونے کی ہمت ہوتی ہے، ایسی صورت میں کیا پھر سے سات کنکریاں ماری جائیں گی، یا جتنی کنکریاں باقی رہ گئی ہیں، اتنی مار لینا کافی ہے؟ (صفی الرحمن، ملکاپور)

جواب:- (الف) کنکریوں کے مارنے کے لئے کوئی خاص ہیئت متعین نہیں، کھڑے ہو کر بھی مار سکتا ہے، بیٹھ کر بھی، پیدل بھی اور وہیل چیئر پر بھی، پاکی کی حالت میں بھی اور پاکی نہ ہو جب بھی، یہ بھی ضروری نہیں کہ قبلہ رخ ہو، دور سے بھی مار سکتا ہے اور قریب سے بھی، ہاں افضل طریقہ ہے کہ پانچ ہاتھ کے فاصلے سے رمی کی جائے، ہاں یہ ضروری ہے کہ ستون کے چاروں طرف جو احاطہ بنا ہوا ہے، کنکری اس کے اندر گرے:

" و لا یشترط أن یکون الرامی علی حالة مخصوصة من قیام أو استقبال أو طهارة أو قریب أو بعید بل علی أي حال رمی و من أي مکان رمی صح إلا أنه یسن وقوفه للرمی بنحو خمسة أذرع من الجمرة أو أکثر الخ " (۱)

(ب) کنکریاں پھینکنے کے درمیان تسلسل مسنون ہے اور درمیان میں وقفہ کرنا

(۱) غنیة الناسک :۱۸۹

ہے لیکن پے در پے کنکری مارنا ضروری نہیں، وقفہ کے ساتھ بھی رمی کر لی جائے تو ادا ہو جائے گی:

" ولا یشترط الموالاۃ بین الجمرات و لا بین رمیات

جمرۃ واحدۃ بل یسن فیکرہ ترکھا الخ " (۱)

لیکن جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس میں کنکری مارنے کے درمیان جو وقفہ ہوا ہے وہ عذر کی بنا پر ہے، اس لئے اس میں کراہت نہیں۔

رمی جمار میں جوتے پھینکنا

سوال:- حج میں شیطان پر کنکری پھینکتے ہوئے لوگ چپل جوتے بھی پھینک دیتے ہیں، کیا اس سے رمی ہو جائے گی؟ نیز شیطان پر کنکری پھینکنے کے سلسلہ میں صحیح احکام کی رہنمائی فرمائیں۔

(حامد حسین، قاضی پورہ)

جواب:- جمرات پر جو کنکریاں پھینکی جائیں، ضروری ہے کہ وہ مٹی یا پتھر وغیرہ کی ہوں، فقہاء کی اصطلاح میں زمین کی جنس سے ہوں، (۲) اس لئے جوتے چپل اور اس جیسی چیزوں کا پھینکنا رمی کے لئے کافی نہیں، جوتا، چپل پھینکنے سے دوسرے کو اذیت پہنچتی ہے؛ اس لئے مکروہ ہے، رمی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کنکری چنے کے دانے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر ہو، (۳) کنکری اس حصار کے اندر گرے جو ستون کے چاروں طرف بنی ہوئی ہے، کنکری کا محض حصار کے اندر ڈال دینا کافی نہیں؛ بلکہ ضروری ہے کہ پھینکنے کی کیفیت پائی جائے، (۳) کنکری مارنے والے اور کنکری مارنے کی جگہ کے درمیان بہتر ہے کہ پانچ ہاتھ کا فاصلہ ہو، (۵) سیدھے ہاتھ سے کنکری پھینکنا سنت ہے، (۶) ہر کنکری پھینکتے ہوئے اللہ اکبر کہنا چاہئے؛ کیوں کہ صحابہؓ سے اسی طرح رمی کرنا منقول ہے۔ (۷)

---

(۱) غنیۃ الناسک: ۱۸۲ (۲) عنایۃ مع الفتح: ۲/۴۸۱

(۳) البحر الرائق: ۳۴۳ (۴) البحر الرائق: ۲/۳۴۳ (۵) حوالہ سابق

(۶) فتح القدیر: ۲/۴۸۷ (۷) ہدایہ مع الفتح: ۲/۴۸۲

حج بدل

حج بدل کی شرائط

سوال:- حج بدل کی کیا شرائط ہیں؟ کیا سعودی عرب میں ملازم شخص کسی ہندوستانی کی طرف سے حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

(محمد محسن اختر، بہار شریف)

جواب:- جس شخص پر حج فرض ہو اور اس نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت بھی کی ہو تو اس کا حج بدل اس کے وطن سے ہو سکتا ہے، سعودی عرب سے جائز نہیں ہے، البتہ اگر بغیر وصیت کے یا بغیر فرضیت کے کوئی شخص اپنے عزیز کی جانب سے حج بدل کرتا ہے تو وہ حج نفل برائے ایصال ثواب ہے، وہ ہر جگہ سے صحیح ہے۔(۱)

حج بدل کا جواز

سوال:- میں ایک بہت ضروری بات کہنے کے لیے ایک مسئلہ پوچھ رہی ہوں، میں نے اپنے والد صاحب کا حج بدل کیا تھا، ایک صاحب نے فرمایا کہ حج بدل تو کوئی چیز نہیں ہے اور یہ ناجائز ہے، کیوں کہ قرآن شریف میں حج بدل کا کہیں ذکر نہیں ہے، جب سے ان صاحب سے یہ بات سنی ہے، میرا دل بہت پریشان ہے کہ

---

(۱) الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۲۵۹

میرا روپیہ ضائع ہوا اور میں بہت بے چین ہوں، آپ کے جواب کی بے چینی سے منتظر ہوں، تاکہ میری فکر دور ہو۔

(ام حنیف، پرانی حویلی)

جواب:- حج بدل صحیح ہے، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور جو صاحب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں چوں کہ حج بدل نہیں، اس لئے حج بدل ہی کوئی چیز نہیں ہے، ان کی بات درست نہیں، حج بدل پر صحیح احادیث موجود ہیں اور امت کا اس کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔(۱)

حج بدل کا ثواب

سوال:- حج بدل کی بدولت کیا میں گناہوں سے پاک اور جنت سے قریب ہو سکتی ہوں؟　　(خواجہ بانو، حیدرآباد)

جواب: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو حج کرے اور حج کو گناہ و نافرمانی کی باتوں سے بچائے، تو وہ حج سے اس طرح واپس ہوتا ہے کہ جیسے آج ہی پیدا ہوا ہو، (۲) —— اس سے معلوم ہوا کہ حج سے انسان کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، جو حکم فریضۂ حج کی ادائیگی میں خود مقامات مقدسہ تک پہنچ کر حج کرنے کا ہے، وہی حکم مجبوری کی صورت میں کسی اور شخص کو حج کے لئے بھیجنے کا ہے، لہذا جو فضیلت خود سفر کی مشقت برداشت کر کے حج کے لئے جانے کی ہوگی، وہی حکم اور وہی اجر و ثواب اپنی طرف سے حج بدل کرانے کا بھی ہوگا؛ اس لئے امید رکھنی چاہئے کہ ان شاء اللہ حج آپ کے لئے گناہوں کی معافی کا سبب بنے گا۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

---

(۱) بخاری، أبواب الإحصار وجزاء الصید، باب الحج والنذور عن المیت الخ، حدیث نمبر ۱۷۵۴

(۲) بخاری عن أبی ہریرۃ ؓ، کتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، حدیث نمبر ۱۴۴۹

زندگی میں حج بدل

سوال:- میں بیوہ اور معمر ہوں، اتنی استطاعت نہیں ہے کہ حج کے لئے جا سکوں، اس لئے میں نے اپنی لڑکی کو جو مرفہ الحال ہے اور اس کے بچے باہر ہیں، کہا کہ وہ میری طرف سے حج کرے، مگر وہ کہتی ہے کہ حج بدل مرحومین کی طرف سے کیا جاتا ہے، یہ کس حد تک درست ہے؟ (خواجہ بانو، حیدرآباد)

جواب:- اگر آپ کے اندر مالی استطاعت ہو یا پہلے بھی رہی ہو اور اب آپ بیمار و معمر ہونے کی وجہ سے حج کے لائق نہیں ہیں، تو آپ پر حج بدل کرانا واجب ہے اور اگر آپ کی طرف سے آپ کی لڑکی حج کرے تو آپ کا فریضہ ادا ہو جائے گا:

أما شرائط جواز النيابة : فمنها أن يكون المحجوج عنه عاجزا عن أداء الحج بنفسه وله مال إلخ (۱)

یہ غلط فہمی ہے کہ حج بدل صرف مرحومین کی طرف سے ہوتا ہے، حج بدل زندوں کی طرف سے بھی کیا جا سکتا ہے، اگر وہ جسمانی طور پر حج کرنے کے لائق نہیں ہوں اور اگر مالی اعتبار سے آپ کے اندر حج کرنے کی استطاعت نہیں ہے اور پہلے بھی استطاعت نہیں تھی، تو آپ کی طرف سے کیا جانے والا حج، حج نفل ہوگا نہ کہ حج بدل، اور حج نفل بھی زندوں کی طرف سے کیا جا سکتا ہے۔

حج بدل کون کرسکتا ہے؟

سوال:- حج بدل کون شخص ادا کرسکتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حج بدل صرف وہ آدمی کرسکتا ہے جس نے اپنا حج ادا

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۴۵۵

کرایا ہو، اگر کسی کے ذمہ حج فرض نہیں تو کیا وہ شخص حج بدل ادا
کر سکتا ہے یا نہیں؟ (محمد قیس احمد، مرادنگر)

جواب:- حنفی مسلک کے مطابق جس نے اپنا حج نہ کیا ہو، اس کا کسی کی طرف سے
بھی حج بدل کرنا جائز ہے، مگر مکروہ ہے۔(۱)

مقروض اور حج بدل

سوال:- ایک آدمی ہے جو مقروض ہے، کیا وہ حج بدل پر
جا سکتا ہے؟ (محمد عبدالوہاب، ملگنڈہ)

جواب:- جب یہ مقروض شخص لوگوں کے تعاون سے خود اپنا حج کر سکتا ہے تو حج
بدل بدرجۂ اولیٰ کر سکتا ہے، اس میں اپنے ایک مسلمان بھائی کی —— جو حج کرنے سے معذور
ہو گیا ہے، یا معذوری کی حالت میں اس کی وفات ہو گئی ہے اور اس نے حج کی وصیت کی ہے
—— کی مدد کا بھی ثواب ہے اور سفر کا بھی، البتہ حج کا ثواب تو اس شخص کے لئے ہے جس کی
طرف سے حج کرے گا اور سفر کی مشقتوں کا ثواب خود اسے حاصل ہوگا۔

حج بدل کس کی طرف سے کرانا ضروری ہے؟

سوال:- حج بدل جس کے لئے کراتے ہیں، آیا اس مرحوم پر
حج فرض ہونا ضروری ہے، تب حج بدل کیا جائے یا جس پر حج فرض
نہ ہو اس کی طرف سے بھی کرنا جائز ہوتا ہے؟
(شیخ عبدالحی، مانصاحب ٹینک)

جواب:- جس شخص پر حج فرض ہو اور اس نے اتنا مال چھوڑا ہو کہ اس کے تہائی
حصہ سے حج کرایا جا سکتا ہے اور اس نے حج بدل کرانے کی وصیت بھی کی ہو، تو اس کی طرف
سے حج بدل کرانا اس کے وارثوں پر فرض ہے۔

(۱) الفتاوی الهندية ۱/۲۵۷

جس شخص کے ذمہ حج فرض تھا مگر اس نے اتنا مال نہیں چھوڑا یا اس نے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی، اس کی طرف سے حج بدل کرانا وارثوں پر لازم نہیں، لیکن اگر وارث اس کی طرف سے خود حج بدل کرے یا کسی دوسرے کو حج بدل کے لئے بھیج دے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کی جاتی ہے کہ مرحوم کا حج فرض ادا ہو جائے گا، اور جس شخص کے ذمہ حج فرض نہیں، اگر وارث اس کی طرف سے حج بدل کریں یا کرائیں تو یہ نفلی حج ہوگا اور مرحوم کو اس کا ثواب ان شاء اللہ ضرور پہنچے گا۔

حج بدل کے لیے مناسب آدمی

سوال:- جو شخص غریب ہو یا امیر لیکن خود اس نے اپنا حج نہیں کیا ہو تو کیا وہ حج بدل کر سکتا ہے؟" (فیاض اختر، سنجار، بہار)

جواب:- بہتر ہے کہ اس شخص سے حج بدل کرایا جائے جو اپنا حج ادا کر چکا ہو، جس شخص نے خود حج نہیں کیا، اس سے حج بدل کرانے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ ایسا شخص بھی حج بدل کر سکتا ہے لیکن اگر اس پر خود واجب ہے تو اس سے حج کرانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر خود اس پر حج واجب نہیں تو مکروہ تنزیہی ہے:

"یقع الحج المفروض عن الآمر علی ظاهر المذهب (الدر المنتقى) والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم والأفضل الخ تحريمية على الضرورة المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه لأنه أثم بالتأخير" (1)

مرحومہ خاتون کی طرف سے حج بدل

سوال:- کیا مرحومہ بیوی کے نام سے بھی حج بدل

---

(1) رد المحتار ۲/۶۰۲-۶۰۳

کر سکتے ہیں؟　　(سید حفیظ الرحمان، نظام آباد)

جواب:- بعض عبادتیں خالص بدنی ہیں، جیسے: نماز، ایسی عبادتیں ایک شخص کی طرف سے دوسرا انجام نہیں دے سکتا، بعض عبادتیں خالص مالی ہیں، جیسے: زکوٰۃ، اس کو ایک شخص دوسرے کی طرف سے مطلقاً انجام دے سکتا ہے، چاہے اصل شخص اس عبادت کے انجام دینے پر قادر ہو یا اس سے عاجز ہو، تیسری قسم کی عبادت وہ ہے جو خالص بدنی عبادت نہیں ہے؛ بلکہ مالی بھی ہے اور بدنی بھی، اور وہ ہے حج، اس کو اصل شخص کے بجائے دوسرا شخص اس وقت ادا کر سکتا ہے، جبکہ اصل شخص اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو، (۱) —— موت بھی عجز ہی کی ایک صورت ہے؛ اس لئے جس شخص پر حج فرض تھا، اگر اس کی وفات ہوگئی، ہو تو اس کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے، حدیث میں صراحتاً اس کا ذکر موجود ہے، چنانچہ حضرت بریدہ ؓ سے روایت ہے کہ

> ''ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں، انہوں نے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے، جبکہ انہوں نے ابھی حج نہیں کیا تھا، کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں، تمہیں ان کی طرف سے حج کرنا چاہئے'' (۲)

لہٰذا مرحومہ بیوی کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔

سفر پر قدرت کے باوجود حج بدل

سوال:- ایک داماد صاحب اپنی خوش دامن صاحبہ کو اپنی والدہ کی طرف سے حج کے لئے بھیج رہے ہیں، جو پہلے سے اپنا حج کر چکی ہیں؛ حالاں کہ والدہ صاحبہ ساس صاحبہ سے زیادہ صحت مند ہیں؛ مگر ان کا کہنا ہے کہ والدہ صاحبہ حج کو جانا نہیں چاہتیں، کیا ان کا

(۱) دیکھئے: مجمع الأنہر: ۱؍۳۰۷، باب الحج عن الغیر

(۲) سنن ترمذی، باب ماجاء في الحج عن المیت، حدیث نمبر: ۹۲۹

حج بدل درست ہو جائے گا؟ (عبد القدیر، مانسہرہ مینک)

جواب:- حج بدل کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس شخص کی طرف سے حج کیا جا رہا ہو، وہ خود صحت جسمانی کے اعتبار سے حج کرنے پر قادر نہیں ہو:

"ولجواز النيابة في الحج شرائط : منها : أن يكون المحجوج عنه عاجزا عن الأداء بنفسه" (۱)

لہٰذا جب ان صاحب کی والدہ خود حج کرنے پر قادر ہیں تو انہیں خود جانا چاہئے، کسی اور شخص کا ان کی طرف سے حج کرنا کافی نہیں ہوگا، اور یہ بات نہایت افسوسناک ہے کہ ایک مسلمان کو حج کا موقع میسر ہو، اور وہ حج کرنے سے گریزاں ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من ملك زادا وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا ..." (۲)

"اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود حج نہ کرے تو مجھے غرض نہیں، چاہے وہ یہودی بن کر مرے یا عیسائی بن کر"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ محرومی کتنی بڑی محرومی ہے، اور ایک صاحب ایمان کے لئے یہ کس درجہ افسوس کی بات ہے؛ اس لئے انہیں اپنی والدہ کو سمجھانا چاہئے۔

بغیر وصیت کے حج بدل کرنا

سوال:- حج بدل میں کسی کی وصیت نہیں ہے، کوئی آدمی اپنی مرضی سے مرحوم ماں، باپ، پیر، استاد یعنی کسی کی طرف سے حج بدل کرتا ہے، استطاعت بھی ہے، آیا وہ صرف حج ادا کر سکتا ہے؟ یا وہ قربانی بھی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے؟ وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟ (سہیل احمد، پنچکلہ)

---

(۱) الفتاوی الهندية : ۱/ ۲۵۷

(۲) سنن ترمذی ، کتاب الحج ، باب ما جاء في التغليظ في ترك الحج ، حدیث نمبر: ۸۱۲

جواب :- اگر وصیت نہ ہو تو جیسا حج چاہے کر سکتا ہے، وہ حج بدل نہیں ہوگا؛ بلکہ برائے ایصال ثواب ہوگا، جس کا ثواب اللہ تعالیٰ اس کو پہنچادے گا، جس کی طرف سے وہ کیا گیا ہے، قربانی بھی اسی طرح برائے ایصال ثواب کی جا سکتی ہے اور اگر اس نے تمتع یا قران کیا ہو اور حج کا ایصال ثواب کرے تو چوں کہ قربانی اس حج کا جزء ہے؛ اس لئے حج کے ساتھ ساتھ ان شاء اللہ اس قربانی کا ثواب بھی میت کو پہونچے گا:

"من عليه الحج إذا مات قبل أدائه ، فإن مات عن غير وصية يأثم بلا خلاف وإن أحب الوارث أن يحج عنه حج وأرجو أن يجزيه ذلك إن شاء الله تعالى" (۱)

میت کی طرف سے حج بدل کر سکتے ہیں؟

سوال :- ایک متوفی پر حج فرض تھا، مگر وہ حج ادا نہ کر سکا، اب اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص حج ادا کر سکتا ہے؟

(محمد یوسف، منچلی)

جواب :- میت کی طرف سے حج بدل کر سکتے ہیں، اگر اس نے وصیت کی تھی تو اس کے تہائی ترکہ سے اس کا حج بدل ادا کیا جائے گا اور اگر تہائی سے ممکن نہ ہو تو پھر اگر سب ورثہ بالغ اور حاضر ہوں اور کل مال سے حج بدل کی اجازت دے دیں تو کل مال سے بھی اس صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے، اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تھی تو پھر ورثہ کی صواب دید اور رضامندی پر ہے، بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں بھی اس کا حج قبول فرما کر اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں۔

حج بدل کے سلسلہ میں اشکالات کے جوابات

سوال :- ہمارے یہاں عام طور پر حج بدل سے جو مفہوم

---

(۱) الفتاوی الهندية ۲۵۸/۱

کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حج بدل اس میت کی طرف سے ہوتا ہے جس پر اس کی زندگی میں حج فرض ہو چکا تھا، اس کے پاس اتنا مال جمع تھا کہ جس کی بناء پر وہ بآسانی حج کر سکتا ہو، اس نے حج کا ارادہ بھی کر لیا لیکن حج سے پہلے ہی اسے موت نے آن گھیرا، اب اس کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اس کا کوئی عزیز یا بیٹا اس کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے، اسی طرح زندوں کی طرف سے حج بدل کا یہ مفہوم پیش کیا جاتا ہے کہ اگر اس پر حج فرض ہو چکا ہے، لیکن وہ بیماری یا بڑھاپے کی اس حالت میں پہنچ چکا ہو جس کی بناء پر چلنے پھرنے یا سواری کرنے سے معذور ہے، تو وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو یا کسی قریبی عزیز کو پورا خرچ دے کر حج کے لئے روانہ کرے، اس کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ حج بدل کرنے والا شخص وہاں سے ہی آئے جہاں حج بدل کرانے والا شخص رہتا ہے، اس تمام صراحت کے باوجود کچھ سوال ذہن میں ایسے ہیں جو تصفیہ طلب ہیں، سوال یہ کہ مرنے والا شخص موت کے وقت اس قابل نہیں تھا کہ وہ حج کر سکے یا یوں کہہ لیجئے کہ اس کے اوپر کچھ ذمہ داریاں ایسی تھیں جن سے وہ اپنی موت تک عہدہ برآ نہیں ہو سکا تھا اور سرمایہ بھی نہیں تھا، جس کی وجہ سے اس پر حج فرض نہیں ہو سکتا تھا، اب اس کی موت سے عرصہ ۲۰/ سال کے بعد اس کی اولاد اس قابل ہو جاتی ہے اور اس میں اتنی استطاعت بھی ہے کہ ہر فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنا حج بھی کر سکے اور اپنے باپ کا بھی، تو اب ہمیں یہ بتایا جائے کہ اولاد کی طرف سے اپنے باپ کے لئے کیا جانے والا یہ حج، حج بدل ہو سکتا ہے؟" (واضح رہے کہ باپ اپنی موت کے وقت اس

قابل نہیں تھا کہ حج کر سکے) اور کیوں کہ حج بدل کے لیے یہ دلیل مستحکم سمجھی جاتی ہے کہ جس کی طرف سے حج بدل کیا جائے موت سے پہلے اس پر حج فرض ہو چکا ہو تو کیا مذکورہ بالا شخص اپنے باپ کی طرف سے حج نہیں کر سکتا؟ کیوں کہ موت سے پہلے اس کے باپ پر حج فرض نہیں تھا۔

اب زندوں کی طرف آیئے، زندوں کی طرف سے بھی حج بدل اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب وہ خود اس قابل نہ ہو کہ حج کر سکے، یعنی سرمایہ ہونے کے باوجود جسمانی معذوری یا بڑھاپے کی وجہ سے چل نہیں سکتا تو وہ حج کا خرچہ دے کر اپنی کسی اولاد یا اپنے کسی عزیز کو حج بدل کروانے بھیج سکتا ہے، اب اگر باپ کے پاس سرمایہ نہ ہو، جسمانی طور پر معذور بھی ہو، یعنی اس پر حج کی فرضیت لازم نہیں آتی تو اس کا بیٹا جو کہ اس سے الگ رہتا ہو (یہ ذہن میں رہے کہ نہ چاقی کی بناء پر الگ نہیں رہتا، بلکہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے الگ رہنے پر مجبور ہے) صاحب استطاعت ہے، خود حج کر چکا ہے تو کیا وہ اپنے باپ کی طرف سے حج کر سکتا ہے؟ جناب! دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے پاس پیسہ نہیں ہے یا باپ کام کاج نہیں کرتا (جیسا کہ آج کل ہوتا ہے کہ بیٹا کسی قابل ہو جائے تو احترام کے پیش نظر وہ باپ کو کام کرنے نہیں دیتا) جسمانی طور پر بھی ٹھیک ہیں تو کیا وہ اپنے بیٹے کے خرچ سے حج کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ حج میں ان کا سرمایہ بالکل نہیں لگے گا۔

اب آپ ہمیں یہ بتائیں کہ کیا بیٹے کے خرچ سے ماں باپ کا حج ہوگا کہ نہیں؟ براہ مہربانی ان سوالوں کا تسلی بخش جواب دے

مجھے ثواب حاصل ہوگا؟ اور یہ بھی بتائیں کہ حج پر جانے سے پیشتر جو فرض واجب ہوتے ہیں ان فرائض کی ادائیگی میرے ذمہ بھی فرض ہے یا نہیں، مثلاً رشتے داروں سے ملنا، کہا سنا معاف کرانا وغیرہ اور دیگر شرعی فرائض کیا میرے اوپر واجب ہوتے ہیں؟

(ایوب علی، مہدی پٹنم)

جواب:- اگر آپ خود جانے سے معذور ہیں تو کسی کو حج بدل پر بھیج سکتے ہیں، آپ کا حج ہو جائے گا، کہا سنا تو ہر مسلمان وسعاف کرانا چاہئے؛ لیکن ہمارے دیار میں حجاج اس لئے کراتے ہیں کہ اس طویل سفر سے واپسی ہو یا نہ ہو؛ آپ چوں کہ خود سفر نہیں کر رہے ہیں، اس لئے آپ کی کیفیت یہ نہیں ہے۔

سعودی عرب میں مقیم لوگوں کے ذریعہ حج بدل کرانا

سوال:- ہمارے بعض اعزہ سعودی عرب میں ہیں، ہم اپنے مرحومین کی جانب سے ان سے حج بدل کروانا چاہتے ہیں، واضح ہو کہ وہ خود اپنا حج کئے ہوئے نہیں ہیں، کچھ لوگوں نے ہمیں بتایا کہ مرحومین جہاں مدفون ہیں، وہیں سے حج بدل کرنا چاہیے، براہِ کرم اس سلسلہ میں صحیح مسئلہ واضح کیا جائے، اس بات کی بھی وضاحت مناسب ہوگی کہ سعودی عرب میں مقیم ہمارے اعزہ حج کر چکے ہیں؟

(محمد اعظم، ملے پلی)

جواب:- کسی شخص سے حج کرانے کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ جن مرحومین کی طرف سے حج کروایا جارہا ہے، ان پر حج فرض نہیں تھا، یا حج فرض تھا؛ لیکن انھوں نے وصیت نہیں کی تھی، ایسا حج فقہاء کی اصطلاح میں "حج بدل" نہیں ہے، بلکہ حج نفل ہے، جس کا مقصد مرحومین کو ثواب پہنچانا ہے، یہ حج سعودی عرب میں مقیم حضرات اپنی جگہ سے کرلیں تب بھی درست ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مرحومین پر حج فرض تھا، لیکن وہ حج نہیں کر سکے، البتہ حج کی وصیت کر دی، اور مرحوم کا ترکہ اتنی مقدار میں ہے کہ اس کے ایک تہائی یا اس سے کم میں سفر حج کے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں، ایسی صورت میں یہ بات ضروری ہے کہ مرحوم جس جگہ کے رہنے والے تھے، وہاں سے کوئی شخص حج بدل کر دے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اس کے ترکہ کے ایک تہائی سے اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں، اور اس سے زیادہ پیسے لگانے پر ورثہ راضی نہ ہوں تو ایسی صورت میں ایک تہائی پیسوں میں جس جگہ سے سفر حج ممکن ہو، وہاں سے حج کرا دیا جائے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسے قبول فرمائیں گے:

"فلو أحج الوصي عنه من غيره أي من غير بلده فيما إذا وجب الإحجاج من بلده لم يصح ... إن وفى به أي بالحج من بلده ثلثه و إن لم يف فمن حيث يبلغ استحسانا" (۱)

اگر کسی پر حج فرض تھا، اور معذور ہو جانے کی وجہ سے سفر حج کے لائق نہیں رہے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے اور یہ بھی فقہ کی اصطلاح میں حج بدل ہے؛ لہٰذا آپ کا مقصد صرف مرحومین کو ثواب پہونچانا ہو تو ان عزیزوں کا حج کر دینا کافی ہے۔

معذور باپ کی طرف سے جدہ میں مقیم بیٹا کس طرح حج بدل کرے؟

سوال:- دس سال قبل میرے بیٹے مقیم جدہ نے مجھے اپنے ساتھ لے جا کر عمرہ کرا دیا تھا، ہنوز حج کی سعادت سے محروم ہوں، بیٹے نے بارہ چودہ حج کیے ہیں، اگر وہ ایک حج مجھے بخش دے تو

(۱) رد المحتار: ۴/۲۴

کیا میری طرف سے وہ حج ہو جائے گا؟ میری عمر ۸۷ سال ہے،
دوسرا بیٹا بھی دو، تین حج کر چکا ہے، جدہ میں ملازم ہے، حیدرآباد
رخصت پر آنے کا ارادہ ہے، واپسی پر حیدرآباد سے جدہ پہنچ کر ایام
حج میں وہ میری طرف سے حج بدل کر سکتا ہے؟ میں چلنے پھرنے
کے قابل نہیں ہوں۔ (عبدالرحیم، نچرو بلز)

جواب:- اگر آپ کے ذمہ حج فرض ہے تو حج بدل کے لئے کسی کو حیدرآباد سے بھیجنا ضروری ہے، خواہ آپ کا بیٹا جائے یا کوئی اور، اور اگر حج آپ پر فرض نہیں تو آپ کا بیٹا جدہ سے بھی آپ کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے اور وہ اپنے ایک حج کا ثواب آپ کو ایصال دے جب بھی آپ کو اس کا ثواب مل جائے گا؛ لیکن اگر آپ پر حج فرض ہے تو پھر ادا شدہ حج کے ایصال ثواب سے وہ فرض پورا نہیں ہوگا، اسی طرح وہ بیٹا جو حیدرآباد سے جدہ جا رہا ہے اگر وہ آپ کے اخراجات سے یہاں سے احرام باندھ کر آپ کی طرف سے حج کی نیت کر کے حج کے مہینوں میں جائے اور حج ادا کر لے تو آپ کا حج بدل عذر کی وجہ سے ادا ہو جائے گا۔

ایک سفر میں دو حج

سوال:- اگر میری لڑکی حج بدل ادا کرنے میں طواف
رمی وغیرہ میری طرف سے کردے اور وہ دوبارہ اپنی طرف سے بھی
کرے، تو کیا دونوں کا حج ہو سکتا ہے؟ واضح ہو کہ میری لڑکی اپنا حج
کر چکی ہے۔ (خواجہ بانو، حیدرآباد)

جواب:- ایک سال ایک آدمی ایک ہی حج کر سکتا ہے، رمی میں تو وہ دوسرے حج کرنے والے کی نیابت کر سکتا ہے؛(۱) لیکن بقیہ افعال میں اس کی گنجائش نہیں، اس لئے اگر آپ پر حج فرض ہو اور آپ کی لڑکی آپ کی طرف سے حج بدل کر رہی ہو تو ان کے لئے صرف آپ ہی کی طرف سے حج کی گنجائش ہے، ہاں، اگر آپ پر حج فرض نہیں ہو، ایصال ثواب کے

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۱۳۷

طور پر آپ کی جانب سے حج کر رہی ہو تو آپ کے لئے اور اپنے لئے دونوں کے لئے ثواب کی نیت کر سکتی ہے؛ کیوں کہ ایصالِ ثواب کے لئے کئے جانے والے نفلی اعمال میں اس کی گنجائش ہے اور ایصالِ ثواب زندوں کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔

حج تمتع

کیا حج بدل میں بھی تمتع کیا جاسکتا ہے؟

سوال:- اگر کوئی شخص اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے حج بدل کرنا چاہے تو اسے حیدرآباد سے عمرہ کا احرام باندھنا چاہئے یا حج کا؟ اور اگر عمرہ کا احرام باندھے تو حج کا احرام کہاں سے باندھے گا؟

(عبداللہ خاں، نامپلی)

جواب:- (الف) اگر ان کی والدہ پر حج فرض تھا اور انہوں نے اپنے ترکہ میں سے حج کی وصیت کی تھی، تو ورثہ پر ان کی طرف سے حج کرانا فرض ہے:

"وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه وإذا حج عنه يجوز عندنا" (1)

اور یہ حج بدل ہے، اگر ان پر حج فرض نہیں تھا، یا فرض تھا؛ لیکن انہوں نے وصیت نہیں کی تو وارث کا خود ان کی طرف سے حج کرنا یا کسی اور سے حج کرانا حج بدل نہیں ہے؛ بلکہ حج نفل ہے اور ایصال ثواب کے طور پر ہے، انشاء اللہ مرحومہ کو اس کا ثواب پہنچے گا، اور اگر ان کے ذمہ حج فرض رہا ہو تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ ان کی طرف سے قبول کر لیا جائے گا، اور راجح و درست قول یہ ہے کہ حج بدل میں بھی تمتع کیا جا سکتا ہے، کہ میقات سے

---

(1) الفتاوی الهندیة: ۲۵۸/۱

عمرہ کا احرام باندھ لے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کر کے احرام کھول لے، پھر ۷ یا ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر حج کرے، فقہ کی معتبر کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ (۱)

(ب) حج کا احرام مکہ ہی سے باندھے گا، جہاں مقیم ہو، وہیں سے باندھ لے، اس کے لئے حدود حرم سے باہر جا کر احرام باندھنا ضروری نہیں۔

حج تمتع کرنے والے کے لئے مزید عمرے

سوال:- میرا ارادہ اس سال حج تمتع کرنے کا ہے، بعض علماء نے بتایا کہ حج تمتع کرنے والے کو مکہ پہنچنے کے بعد تمتع والا عمرہ کرنے کی ہی اجازت ہے، دوبارہ عمرہ نہیں کر سکتا، اس سلسلہ میں وضاحت فرمائیں۔ (محمد شفیع، بمبئی)

جواب:- بعض اہل علم کی عبارت سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ جو شخص آفاقی ہو یعنی حدود میقات سے باہر کا رہنے والا ہے، وہ عمرہ تمتع کرنے کے بعد مزید عمرہ کر سکتا ہے، مشہور حنفی فقیہ علامہ شامیؒ نے اس کی صراحت کی ہے:

" وقد ذكر في اللباب أن المتمتع لا يعتمر قبل الحج ، قال في شرحه : هذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة أيضا ، و قد سبق أنه غير صحيح بل إنه ممنوع من التمتع و القران و هذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة مجاز له تكرارها : لأنها عبادة مستقلة أيضا كالطواف " (۱)

البتہ ۹/ تا ۱۳/ ذوالحجہ عمرہ کرنا مکروہ ہے:

---

(۱) در مختار: ۲/۲۳۷

(۲) منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ۲/۳۴۲

ووقتها جميع السنة إلا خمسة أيام تكره فيها العمرة الخ (۱)

عمرہ اور حج کے درمیان جدہ کا قیام اور جدہ میں بال منڈانا

سوال:- میرا لڑکا جدہ میں رہتا ہے اور میں حج کے لئے جا رہا ہوں، میرا ارادہ عمرہ کر کے آ جانے کا ہے، کیونکہ میں ضعیف اور بیمار آدمی ہوں، کیا میں عمرہ کرنے کے بعد حج تک جدہ میں قیام کر سکتا ہوں اور کیا میرے لئے گنجائش ہے کہ عمرہ سے فارغ ہو کر میں جدہ آکر بال کٹاؤں، کیونکہ اس میں مجھے زیادہ آسانی ہے؟

(سید رأفت اللہ، عابد روڈ)

جواب:- عمرہ کرنے کے بعد حج سے پہلے آپ جدہ میں قیام کر سکتے ہیں، کیونکہ جدہ حدود میقات کے اندر ہے، البتہ اگر آپ حدود میقات سے باہر چلے گئے، جیسے مدینہ چلے گئے تو اب آپ کا تمتع باقی نہیں رہا، یعنی جو عمرہ آپ نے کیا تھا، حج تمتع کے لئے وہ کافی نہیں ہوگا، بلکہ اب آپ میقات سے اگر حج کا احرام باندھ کر آئیں گے تو حج افراد ہوگا۔

جہاں تک جدہ آکر بال منڈانے کی بات ہے، تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ درست نہیں، بال کا حدود حرم کے اندر ہی منڈانا یا کاٹنا ضروری ہے، اگر جدہ آکر بال منڈایا جائے تو دم واجب ہو جائے گا، اس لئے آپ اس سے احتراز کریں، ویسے بھی آج کل مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے گرد و پیش بال کاٹنے کی کافی دکانیں ہیں اور بہت آسانی سے بال کٹایا جا سکتا ہے۔

(۱) الفتاوی الهندية ۱/۲۳۷

عمرہ

رمضان المبارک میں عمرہ

سوال:- عمرہ کرنے کا کیا حکم ہے، کیا عمرہ کرنا واجب ہے، اور کیا رمضان المبارک میں عمرہ کرنے میں خصوصی ثواب ہے؟

(حبیب احمد، قاضی پورہ)

جواب:- بعض فقہاء کے نزدیک عمرہ واجب ہے، فقہاء حنفیہ کا ایک قول بھی اسی کے موافق ہے اور مشہور حنفی فقیہ علامہ علاء الدین کاسانی نے ''بدائع الصنائع'' میں اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن مشہور قول کے مطابق واجب نہیں ہے، سنت ہے، اور یہی رائے زیادہ معتبر مانی گئی ہے:(۱) البتہ واجب ہو یا سنت، وہ زندگی میں ایک ہی بار ہے " والعمرة في العمر مرة سنة مؤكدة على المذهب "(۲)، البتہ اس کے بعد نفل عمرے جتنے بھی کرے بہتر ہے، اس کی کوئی حد نہیں، یہ درست ہے کہ رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کی خصوصی فضیلت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے: "عمرة في رمضان تعدل حجة "(۳) فقہاء نے بھی اس کا ذکر کیا ہے: " إلا أنها في رمضان أفضل "(۴)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار: ۳/۴۷۶ (۲) درمختار مع الرد: ۳/۴۷۶

(۳) ابن ماجہ، باب العمرة فی رمضان، حدیث نمبر: ۲۹۸۲، صحیح مسلم، باب فضل العمرة فی رمضان، حدیث نمبر: ۲۲۰۱ (۴) ردالمحتار: ۳/۴۷۶

حج یا رمضان المبارک میں عمرہ

سوال:- آنجناب رمضان شریف میں عمرہ کرنے گئے ہیں، تو حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے یا رمضان المبارک کے عمرہ میں؟ (سید حفیظ الرحمن، شانتی نگر)

جواب:- حج کا ثواب رمضان کے عمرہ سے زیادہ ہے، اس میں شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان المبارک کا عمرہ حج کے برابر ہے، (۱) لیکن عمرہ کا ثواب اصل حج کے برابر اس اصول کی بناء پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں کا دس گنا ثواب عطا فرماتے ہیں، حج کے اگر اس اضافی ثواب کو شمار کیا جائے تو اس کی مقدار اور بھی بڑھ جائے گی، اس لئے حج کرنا رمضان کے عمرہ کے مقابلہ زیادہ باعث اجر ہے، یہ حکم تو نفل کی صورت میں ہے، جس پر حج فرض کی ادائیگی باقی ہو، اس کے لئے رمضان میں عمرہ کر لینا کافی نہیں، حج کرنا ہی ضروری ہوگا۔

بار بار عمرہ کرنا

سوال:- فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد کیا بار بار عمرہ کرنا درست ہے؟ (ایس، کے عبدالدین ماہر، ورنگل)

جواب:- حج ایک عبادت ہے اور عمرہ مستقل ایک عبادت، جیسے نماز، روزہ میں نفل عبادت بار بار کی جا سکتی ہے، اسی طرح بار بار عمرہ بھی کیا جا سکتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ درمیان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہے، (۲) اس لئے حج کے بعد متعدد عمرہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں، جائز بلکہ مستحسن ہے۔

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۱۷۸۲

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۱۷۷۳

احرام باندھنے کے بعد عمرہ نہیں کرسکے؟

سوال:- میرے ہم زلف اور نسبتی ہمشیرہ سعودی عرب میں مقیم ہیں، یہ دونوں عمرہ کی نیت سے جدہ سے احرام باندھ کر بذریعہ کار مکہ کے لئے روانہ ہوئے، دوران سفر مکہ سے بہت پہلے ان کی کار حادثہ کا شکار ہوگئی، دونوں کو شدید چوٹ آئی، میرے ہم زلف کا آپریشن ہوا، اور نسبتی ہمشیرہ کو ٹانکے لگے اور عمرہ بھی نہیں کرپائے، فی الحال عمرہ کرنے کی حالت میں بھی نہیں ہیں، ایسی صورت میں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا ان کو دم دینا ہوگا اور دینا ہو تو کیا سعودی عرب میں ہی دینا ہوگا یا ہندوستان میں بھی دے سکتے ہیں؟　　(میر محمد علی، گولکنڈہ)

جواب:- جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھ چکا ہو اور کسی وجہ سے سفر نہیں کرپایا، تو اسے "محصر" کہا جاتا ہے، محصر کے ذمہ قربانی دینا اور آئندہ عمرہ یا حج جس کا ارادہ کیا تھا، اسے پورا کرنا واجب ہے، (۱) قربانی کرنے کی صورت یہ ہے کہ حرم میں قربانی کرائی جائے اور جس کو قربانی کا وکیل بنائے، اس سے دن متعین کرلے، مقررہ دن پر قربانی کی جائے اور قربانی کے بعد ہی وہ شخص حلال ہو:

"و إذا جاز له التحلل يقال له ابعث شاة تذبح في الحرم و واعد من تبعثه بيوم بعينه يذبح فيه ثم تحلل" (۲)

اس لئے ان حضرات کو جلد سے جلد حرم میں دم دینا چاہئے، حدود حرم سے باہر قربانی کرانا کافی نہیں اور صحت یاب ہونے کے بعد جلد سے جلد اس عمرہ کی قضا کرنی چاہئے۔

---

(۱) البقرة : ۱۹۶　　(۲) هداية مع الفتح : ۲/۱۳۴

عمرہ اور طواف وداع

سوال:- انشاء اللہ اس سال رمضان المبارک میں عمرہ کرنے کا ارادہ ہے، عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد کیا طواف وداع بھی کرنا ہوگا اور کرنا ہو تو کس وقت کریں گے؟ (سہیل اختر، بنگلور)

جواب:- عمرہ تین عمل کا نام ہے، احرام، طواف اور سعی، اس کے بعد بہتر ہے کہ بال منڈالے، ورنہ کم سے کم چھوٹے کروالے: "وهي إحرام و طواف و سعي و حلق أو تقصير" (۱) طواف وداع یا طواف صدر اور دوسری صورتیں حج سے متعلق ہیں، عمرہ سے متعلق نہیں ہیں، اس لئے آپ کو طواف وداع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱) درمختار مع الرد ۲۷۴/۳

جنایات

اگر حاجی حدودِ حرم سے باہر بال منڈائے؟

سوال:- ایک صاحب نے حرم میں حج یا عمرہ کے افعال مکمل کرلئے، صرف بال منڈانا باقی رہ گیا، اسی حال میں جدہ آگئے اور یہاں آکر بال منڈالیا، ان کا یہ عمل درست ہوا یا نہیں؟ اور کیا اس کی وجہ سے ان پر دم واجب بھی ہوگا یا نہیں؟ (محمد اسماعیل، جدہ)

جواب:- بال منڈانے کی جگہ حرم ہے

" ... و مكانه الحرم ، وهذا قول أبي حنيفة ، أن الحلق يختص بالزمان و المكان " (۱)

اس لئے حدودِ حرم ہی میں بال منڈانا چاہئے، اگر بال منڈائے بغیر باہر آگیا تو حرم میں واپس جاکر بال منڈائے، ایسی صورت میں کچھ واجب نہیں ہوگا اور حدودِ حرم سے باہر ہی بال منڈالیا تو بکرے کی قربانی واجب ہوگی:

" أما حكم تأخيره عن زمانه و مكانه ، فوجب الدم عند أبي حنيفة " (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۳۳۰/۲

(۲) بدائع الصنائع: ۳۳۲/۲

اگر ۱۰/ ذوالحجہ کو رمی نہ کر پائے؟

سوال:- اگر کوئی شخص ۱۰/ تاریخ کو رمی نہیں کر پایا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ (فریدالدین، سنجارہ بلز)

جواب:- ۱۰/ تاریخ کی رمی کا وقت ۱۱/ ذی الحجہ کی فجر کا وقت شروع ہونے تک رہتا ہے، اگر اس وقت تک بھی رمی نہیں کر پایا، تو گیارہ کو اس دن کی رمی کرتے ہوئے ۱۰/ تاریخ کی رمی کی قضاء کرنی چاہئے، یعنی اس دن جمرۂ عقبہ پر ۷ کے بجائے ۱۴ کنکریاں مارے، سات گیارہ کی نیت سے، سات ۱۰/ تاریخ کی قضاء کی نیت سے، قضاء کے علاوہ وقت سے مؤخر کرنے کی وجہ سے اس صورت میں دم بھی واجب ہوگا اور ایک بکرا ذبح کرنا ہوگا۔ (۱)

حرم سے باہر دم دینا

سوال:- حج میں جو دم واجب ہوتا ہے، وہاں اس کے پیسے بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، اگر کئی دم ہوں تو خود آدمی کا دم نکلنے لگتا ہے، ایسی صورت میں کیا سعودی عرب کے بجائے ہندوستان میں دم کی قربانی دے سکتے ہیں، کیوں کہ ہندوستان میں غرباء اور محتاج بھی زیادہ ہیں؟ (سمیع اللہ، خائف)

جواب:- حج کی قربانی یعنی تمتع اور قران کرنے والا جو قربانی بطور شکرانہ دیتا ہے، اسی طرح دم جنایت جو کسی غلطی کے ارتکاب پر واجب ہوتا ہے، کا صرف حرم ہی میں دینا ضروری ہے، ہندوستان یا کسی اور جگہ دینا کافی نہیں، "ولا یجوز ذبح الھدایا إلا في الحرم" (۲) اس لئے علماء سے اچھی طرح مسائل پوچھ لینا چاہئے اور احتیاط کے ساتھ حج وعمرہ کے افعال ادا کرنا چاہئے، تاکہ دم واجب ہونے کی نوبت نہ آئے، ہاں بقرعید والی قربانی میں جائز ہے کہ قربانی دینے والا کہیں اور ہو اور قربانی کہیں اور دی جائے۔

---

(۱) البحر الرائق ۲/۶۰۲ (۲) قدوری، ص: ۷۰

بغیر احرام کے مکہ چلے جائیں؟

سوال:- ہمارے ایک دوست مدینہ منورہ سے چل کر بلا احرام مکہ مکرمہ پہونچ گئے اور بعد میں مسجد عائشہ سے احرام باندھ کر عمرہ کرلیا، جب وہ مدینہ منورہ واپس گئے تو ان سے بعض دوستوں نے بتایا کہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری تھا، ایسی صورت میں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(صبیح الدین، مہدی پٹنم)

جواب:- امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکہ میں داخل ہونے والے شخص کے لئے حرم کی حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے احرام باندھنا ضروری ہے، اگر احرام باندھے بغیر مکہ میں داخل ہوگئے تو بطور جرمانہ ایک بکرے کی قربانی واجب ہے، اور اگر وہ میقات کو واپس ہوکر دوبارہ احرام باندھ کر مکہ آجائے اور عمرہ کے ارکان ادا کرلے تو دم معاف ہوجائے گا؛ اس لئے انہیں چاہئے کہ یا تو حدود حرم میں ایک بکرے کی قربانی کرادیں یا اس کے کفارہ کی نیت سے دوبارہ مکہ مکرمہ جائیں اور عمرہ کریں:

" إذا جاوز الميقات بغير إحرام حتى رجع إلى الميقات ولبى جاز حجه ويسقط عنه الدم الذي كان واجبًا بمجاوزة الميقات بغير إحرام عندنا " (۱)

---

(۱) الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية : ۱/۲۸۷

متفرق مسائل

حج سبسیڈی قبول کرنا

سوال:- گورنمنٹ آف انڈیا حج کمیٹی کے ذریعہ حج کا سفر کرنے والوں کو سبسیڈی دیتی ہے اور چھتیس ہزار کی جگہ ان سے صرف بارہ ہزار روپیہ کرایہ وصول کرتی ہے، حج ایک مالی عبادت بھی ہے، اس میں حلال پیسہ لگانے کا حکم ہے، اور یہ عبادت ہر مسلمان پر فرض ہے جو صاحب استطاعت ہو، گورنمنٹ کے پاس حلال و حرام ہر طرح کا پیسہ ہوتا ہے تو کیا مسلمانوں کے لئے سبسیڈی قبول کرنا جائز ہے؟ (احمد صفی اللہ، چھپی)

جواب:- حاجیوں کو دی جانے والی ایئر ٹکٹ بھی گورنمنٹ ہی کی ہے، جیسے کوئی شخص اپنے کسی مکان کا سات ہزار روپیہ کی جگہ پانچ سو روپے وصول کرے تو کرایہ دار کو پانچ سو روپے کی سہولت قبول کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر گورنمنٹ چھتیس ہزار کی جگہ بارہ ہزار ہی کرایہ لے تو اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، پھر گورنمنٹ کو دوسری اقوام کی طرح مسلمان بھی ٹیکس ادا کرتے ہیں، اس طرح کی رعایتیں مذہبی اسفار اور مذہبی تقریبات کے انتظام میں دوسرے لوگوں کو بھی دی جاتی ہیں؛ اس لئے اگر حج کے سفر میں رعایت کی جاتی ہے تو یہ رعایت نہیں ہے؛ بلکہ مسلمانوں کا حق ہے، یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ حکومت کے پاس بیشتر رقم حرام

کی ہوتی ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے بیشتر وسائل آمدنی حلال ہوتے ہیں، جیسے قدرتی وسائل کی فروخت اور عوامی سہولتوں کے عوض ٹیکس وغیرہ، اس لئے اس کے جائز اور درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

حج سبسڈی کا حکم

سوال:- ہمارے ملک ہندوستان سے عازمین حج بڑی تعداد میں مرکزی حج کمیٹی کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اور پرائیوٹ ٹورز اور ٹراولس کے ذریعہ حج کرنے والوں کی بھی خاصی تعداد ہے، سنٹرل حج کمیٹی حکومت ہند کا ایک ادارہ ہے، جس کا کام "پلگرم پاس" یعنی عارضی پاسپورٹ بنانا، زرمبادلہ دینا، حرمین شریفین میں قیام کا انتظام کرنا وغیرہ ہے، بحری جہاز میں کرایہ کم تھا، اس وقت سبسڈی subsidy دی جاتی تھی یا نہیں، اس کا علم نہیں؛ لیکن جب سے وہ بند ہوئے اور ہوائی جہاز سے سفر شروع ہوا، تو کرایہ میں بھی زبردست اضافہ ہوگیا، اس وقت قائدین کی درخواست پر حکومت ہند نے کرایہ میں subsidy کے نام سے رعایت دینی شروع کی، ہوائی جہاز ایر انڈیا کی چارٹر ہو یا کسی بھی ایر لائنس کی۔ حکومت ہر ایر لائنس کو فی کس 770 ڈالر تقریباً 35000 روپے ادا کرتی ہے، جب کہ حاجیوں سے کرایہ صرف 12000 لیتی ہے، بقیہ 23000 حکومت اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، امسال جو ایک لاکھ حاجی سنٹرل حج کمیٹی کے ذریعہ حج کے سفر پر گئے ہیں، ان کی طرف سے حکومت نے 225 کروڑ روپے ادا کئے ہیں، یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ وہ رقم کہیں مشکوک تو نہیں؟ حکومت سبسڈی آخر کس مد سے دیتی ہے؟ عام طور پر حجاج اس سے ناواقف

ہوتے ہیں، لیکن اب یہ بات علم و شعور میں آنے لگی ہے کہ حکومت
اس کو احسان سمجھتی ہے اور ملک کے دیگر طبقات میں اس کا اظہار بھی
پایا جاتا ہے، مسلمانوں کے ساتھ مراعات و احسانات میں سبسیڈی
کو شمار کیا جاتا ہے اور جتایا جاتا ہے۔

یہ کہنا کہ حکومت ہم سے بہت سے ٹیکس وصول کرتی ہے
اور پھر وہی رقم ہمیں سبسیڈی subsidy کے نام سے دیتی ہے
کہاں تک صحیح ہے؟ جب کہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حکومت کی طرف
سے بہت سے فلاح و بہبود کے کام عوام کے لئے بلا تفریق مذہب و
ملت انجام دیے جاتے ہیں، جیسے اسکول چلانا، ہسپتال چلانا اور سڑکیں
بنوانا وغیرہ، اسی طرح یہ کہنا کہ حکومت جب دیگر مذاہب کے ماننے
والوں کو ان کے مذہبی تہواروں، میلوں کے لئے رعایتیں دیتی ہے تو
مسلمانوں کو بھی وہ رعایتیں حاصل کرنی چاہئیں، کہاں تک صحیح ہے؟
مسلمان کی اپنی ایک شان ہے، اس کا امتیاز ہے، دوسروں کی نقالی کرنا
بالخصوص فریضۂ اسلام کی ادائیگی میں اس کو کیا زیب دیتا ہے؟

ملت کا ایک طبقہ کہتا ہے حج کے لئے مسلمان کو شرائط کی روشنی
میں خود کفیل ہونا چاہئے، تکلفات، احسانات اور بالخصوص حکومت کے
زیر احسان حج کرے، یہ امر روح اسلام کے خلاف معلوم ہوتا ہے،
مؤدبانہ درخواست ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں جواب مرحمت
فرمائیں۔ (ملک محمد ہاشم، صدر حج سروس سوسائٹی، مدراس)

جواب:- گورنمنٹ حجاج کو جو سبسیڈی دیتی ہے، اس کو قبول کرنے میں کوئی
قباحت نہیں، اس لئے کہ گورنمنٹ پیسے کے بدل پیسہ نہیں دیتی ہے، بلکہ زیادہ مروج کرایہ کی
جگہ کم کرایہ لیتی ہے اور یہ جائز ہے، جہاں تک عبادت میں دوسروں سے تعاون لینے کا مسئلہ ہے

تو عبادت سے متعلق ذرائع و وسائل کو مہیا کرنے میں دوسروں سے مدد لینا جائز ہے، جیسے وضو کے لئے پانی طلب کرنا۔ (۱) وضو کرانا (۲) تیمم کے لئے مٹی، نماز پڑھنے کے لئے جائے نماز لینا، سفر حج کے لئے سواری وغیرہ، سواری عاریت پر لینا، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کرنے سے معذور ہو اور کوئی شخص اسے وضو کرا سکتا ہو تو اس سے مدد لینا واجب ہے:

"ولو وجد من يعينه، اعلم أن المعين إما أن يكون كعبده أو ولده أو أجيره، فلا يجوز له التيمم اتفاقاً" (۳)

اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں سے عبادات کی ادائیگی میں مدد لی جا سکتی ہے اور اس کا ثبوت حدیث اور فقہاء کی عبارات، ارشاد ربانی ﴿وتعاونوا على البر﴾ (۴) کے اشارہ سے واضح طور پر ہوتا ہے۔

حکومت ہند سے سبسڈی حاصل کرنے کے سلسلے میں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ایک عبادت میں غیر مسلموں سے مدد لی جا رہی ہے؛ لیکن اول تو یہ سمجھنا ہی درست نہیں ہے کہ حکومت غیر مسلموں کی ہے؛ کیوں کہ حکومت میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، یہ ایک مشترک حکومت ہے، حکومت کی مالی ضرورتوں کی تکمیل اور تنظیم میں دوسری قوموں کے ساتھ مسلمان بھی شریک ہیں؛ اس لئے اسے خالصتاً غیر مسلموں کا تعاون نہیں کہا جا سکتا۔

لیکن اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ حکومت غیر مسلموں کی ہے، تب بھی ذرائع و وسائل میں ان سے مدد لینے کی گنجائش ہے، اس کی نظیریں حدیث و فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

(۱) پاکی نماز کے لئے شرط ہے اور خود بھی ایک درجہ میں عبادت ہے، غسل کے سلسلے میں بخاری کی روایت ہے کہ ایک صاحب کو غسل جنابت

---

(۱) دیکھئے: بخاری، باب التماس الوضوء إذا حانت الصلاة، حدیث ۱۶۹

(۲) باب الرجل يوضئ صاحبه، حدیث ۱۸۲

(۳) مراقي الفلاح: ۹۳، البحر الرائق ۱/۲۴۵

(۴) المائدة: ۲

کی نوبت آگئی، پانی موجود نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ایک صاحب کو پانی کے لئے بھیجا، ایک غیر مسلم خاتون جو پانی لئے جا رہی تھی، یہ دونوں حضرات اسے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے: آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کے مشکیزہ سے پینے کے لئے پانی لے لیں اور جسے غسل کی ضرورت تھی، ان سے فرمایا کہ وہ غسل کر لیں، رسول اللہ ﷺ کی برکت سے صورت حال یہ ہوئی کہ سبھوں کی ضرورت پوری ہوگئی اور ایک قطرہ پانی بھی کم نہیں ہوا، یہی واقعہ اس خاتون کے اور اس کے قبیلہ کے قبول اسلام کا باعث بنا، (۱) دیکھئے! یہاں غسل میں غیر مسلم سے مدد لی گئی، جو بالواسطہ نماز جیسی عبادت میں تعاون ہے۔

۲) اسی طرح، جیسے حج ایک عبادت ہے، اسی طرح جہاد بھی ایک عبادت ہے، بلکہ خود حج کو بھی رسول اللہ ﷺ نے ایک طرح کا جہاد قرار دیا ہے: "الحج جہاد" (۲) اور آپ ﷺ نے جہاد میں غیر مسلموں سے مدد لی ہے، غزوۂ حنین کے موقع سے آپ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے جو اس وقت مشرک تھے، ہتھیار اور تیس سے چالیس تک زرہیں، عاریتاً حاصل کیں، اور جنگ حنین میں اس سے فائدہ اٹھایا۔ (۳)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوان ذاتی طور پر بحالت کفر غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شریک ہوئے۔ (۴)

۳) اسی طرح غزوۂ خیبر کے موقع سے آپ نے دس یہودیوں سے مدد لی اور انہیں مسلمانوں کی طرح مال غنیمت میں حصہ دیا۔ (۱۵) حضرت

---

(۱) بخاری - کتاب التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیه من الماء، حدیث: ۳۴۴
(۲) سنن ابن ماجة، کتاب المناسك، باب الحج جهاد النساء، حدیث نمبر: ۲۹۰۲
(۳) سنن أبي داؤد: ۲/ ۵۱۰، عن صفوان، نیز دیکھئے: السنن الکبری للبیهقی: ۶/ ۱۳۶
(۴) دیکھئے: عون المعبود شرح سنن أبی داؤد: ۵/ ۳۳۵
(۵) سنن بیہقی: ۹/ ۵۳

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی تعداد کی صراحت کے بغیر یہ حدیث منقول ہے۔(۱) کتاب سیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قزمان مشرک تھے، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور مشرکین کا جھنڈا اٹھائے ہوئے بنی عبدالدار کے تین مشرکین کو قتل کردیا، اس موقع سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو بدترین آدمی سے بھی تقویت پہنچاتے ہیں:

"إن الله يؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر" (۲)

۴) اسی طرح فتح مکہ کے موقع سے بنو خزاعہ کو بھی آپ ﷺ نے اپنے ساتھ شریک فرمایا۔

اسی لئے فقہاء کے ایک گروہ نے جہاد میں غیر مسلموں سے مدد لینے کی اجازت دی ہے، اس گروہ میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد ہیں:

"وذهب الإمام أبو حنيفة و الشافعي و أحمد في رواية أخرى إلى جواز الاستعانة بهم" (۳)

اسی طرح فقہ حنفی کی معروف کتاب مجمع الانہر میں ہے:

"يجوز الاستعانة بالكافر على القتال إذا دعت الحاجة إلى ذلك" (۴)

یہی بات علامہ ابن نجیم مصریؒ نے بھی لکھی ہے۔(۵)

---

(۱) حوالہ سابق (۲) إعلاء السنن ۵۸،۵۲/۱۲

(۳) حاشیة رد المحتار للشیخ أحمد عادل عبد الموجود و الشیخ أحمد علی معوض: ۲۴۳/۶

(۴) مجمع الانہر ۲۴۷/۱

(۵) دیکھئے البحر الرائق ۳۳۲/۵

(۵) غیر مسلموں سے دینی کاموں میں تعاون کی ایک اور نظیر مساجد پر غیر مسلموں کے وقف کا مسئلہ ہے، فقہاء نے غیر مسلموں کے مساجد پر وقف کے مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے، امام شافعی کے نزدیک غیر مسلم کا وقف مسجد پر مطلقاً معتبر ہے اور یہی نقطۂ نظر حنابلہ کا ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی شوافع اور حنابلہ کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فیصح وقف الکافر علی المسجد، لأنه قربة في نظر الإسلام" (۱)

اور حنفیہ کے یہاں یہ شرط ہے کہ اگر غیر مسلم بھی اس کو موجبِ ثواب اور خیر کا کام سمجھتے ہوں، تب ان کا وقف درست ہوگا۔

"إن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا و عندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس" (۲)

اسی طرح سفر حج میں سواری کے سلسلے میں غیر مسلموں کے تعاون سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اور اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، پھر یہ کہ حکومت حج میں سبسیڈی دے کر کوئی احسان نہیں کرتی ہے، دوسری مذہبی اکائیوں کو بھی حکومت مذہبی امور کے سلسلہ میں تعاون کرتی ہے اور یہ اعانتی رقوم حج سبسیڈی کے مقابلہ زیادہ ہوتی ہیں، رہ گئی یہ بات کہ سبسیڈی کی رقم مشکوک ہے تو اس شبہ کا اعتبار نہیں ہے، شک وہ معتبر ہوتا ہے جس کے پیچھے قابل لحاظ دلیل بھی موجود ہو، اگر محض شبہ کی بنا پر حکومت کی رعایتوں کو ناقابل استفادہ سمجھا جائے تو اور بھی بہت سی صورتوں کو ناجائز قرار دینا پڑے گا، معذوروں کو، صحافیوں کو، طلبہ کو، عمر رسیدہ حضرات کو اور گورنمنٹ ملازمین وغیرہ کو بھی اخراجات سفر میں رعایت دی جاتی ہے، یہ تمام صورتیں مشکوک قرار پائیں گی، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا حکومت پر حق ہے اور اس

---

(۱) الفقه الإسلامي وأدلته: ۹۸/۸

(۲) رد المحتار: ۳۱۰/۲

گا لیکن ان کی شان کے خلاف نہیں، حکومت ٹیکس کی رقوم کے ذریعہ یقیناً بہت سے فلاحی کام کرتی ہے، ان ہی فلاحی کاموں میں یہ بھی ہے کہ مختلف مذہبی اکائیوں کو بڑے اجتماعات کے نظم ونسق اور اخراجات سفر کے سلسلہ میں سہولت بہم پہنچائی جاتی ہے۔

اس وقت اس طرح کے مسائل اٹھانا بالواسطہ فرقہ پرست طاقتوں کے نقطۂ نظر کو تقویت پہنچاتا ہے جو پہلے سے اس سبسیڈی کی مخالفت کر رہی ہیں۔

حج سبسیڈی کے لئے جھوٹا حلف نامہ

سوال: - امسال حکومت ہند کے بیت مال سے حج کمیٹی کے ذریعہ حج میں جانے والوں کے لیے سبسیڈی کے نام پر ہوائی جہاز کے کرایہ میں مخصوص رعایت تقریباً بیس ہزار روپے دی جاتی ہے، امسال حکومت ہند نے یہ قانون بنا دیا کہ جو گذشتہ سالوں میں حج کمیٹی کے ذریعہ حج کر چکے ہیں اور دوسرے وہ جو انکم ٹیکس بھرتے ہیں —— واضح رہے کہ اس زمرے میں تمام سرکاری ملازمین آتے ہیں —— انہیں ہرگز یہ سبسیڈی نہیں دی جائے گی، اس کے لیے خاص طور سے حج کمیٹی ایک حلف نامہ مانگ رہی ہے، اور اس کا مضمون صاف الفاظ میں یہی ہے کہ میں نے اس سے قبل حج ادا نہیں کیا، جب کہ میں حج کر چکا ہوں، دوسرے یہ کہ میرے دوست کو یہ حلف دینا پڑ رہا ہے کہ وہ انکم ٹیکس ادا نہیں کرتے ہیں جب کہ وہ پابندی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں، تو کیا جہاز کے کرایہ میں صرف بیس ہزار روپے بچانے کے لیے از روئے شرع جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے کی اجازت ہوگی؟ اور اگر ہم دونوں عازم حج جھوٹا حلف نامہ داخل کر کے جہاز کے کرایہ میں پیسے

جا کر حج کے لیے جاتے ہیں تو کیا ایسا حج قبول ہوگا؟

(رحمٰن خان، سلطان خان)

جواب: ایک مرتبہ فرض حج کرنے کے بعد دوبارہ حج نفل عبادت ہے اور مستحب کے درجہ میں ہے اور مستحب تو کیا فرض حج کی ادائیگی میں بھی محض کچھ پیسے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا اور اس سے آگے بڑھ کر جھوٹی قسم کھانا جائز نہیں۔ جھوٹ بولنا بجائے خود گناہ کبیرہ ہے اور جھوٹی قسم کھانا تو اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی اور گناہ بالائے گناہ ہے، اس لیے حج میں سہولت حاصل کرنے کی غرض سے جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا قطعاً جائز نہیں، اگر گنجائش ہو تو پورا پیسہ لگا کر حج کرے اور اگر اتنی استطاعت نہیں تو مستحب تو کیا حج فرض بھی واجب نہیں ہوتا۔

حرمین شریفین میں کبوتروں کے لئے گیہوں

سوال: - حرمین شریفین میں آج کل ایک معمول بنا ہوا ہے کہ لوگ کبوتروں کے لئے گیہوں چھینٹ دیتے ہیں، کیا اس عمل کی ترغیب دی گئی ہے اور ایسا کرنے میں ثواب ہے؟

(مدثر احسن، نائجیریا)

جواب: - قرآن و حدیث میں کبوتروں کے لئے حرمین شریفین میں دانے چھینٹنے کی کوئی ترغیب وارد نہیں ہوئی ہے، ہوتا یہ ہے کہ حرمین شریفین کے صحن میں بھی نماز ادا کی جاتی ہے، دانے چھینٹنے سے صفائی ستھرائی متاثر ہوتی ہے، کبوتر آتے ہیں اور بیٹ کر دیتے ہیں، اس سے گندگی پھیلے گی، نماز پڑھنے والوں کو دشواری الگ، اور حرم مقدس کے تقدس و احترام کی خلاف ورزی اس کے علاوہ، اس لئے اس حقیر کا خیال ہے کہ یہ صورت کراہت سے خالی نہیں اور اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور حج بیت اللہ شریف

سوال: - رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

علاوہ کیا اور پیغمبروں نے بھی حج کیا ہے؟ اور کیا قرآن و حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے؟ (رشید احمد ین، قاضی پورہ)

جواب:- قرآن مجید کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ابتداء تخلیق ہی سے اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کی جگہ کو اپنی بندگی و عبادت کے لئے منتخب فرمایا تھا، چنانچہ انسانوں کی پیدائش سے پہلے فرشتوں نے بھی حج کیا ہے، محدثین میں ایک ممتاز شخصیت امام ابوبکر بیہقی کی ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں ملائکہ اور انبیاء سے حج سے متعلق روایتیں ذکر کی ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی "حج کرنے کے بعد" فرشتوں سے ملاقات ہوئی، تو فرشتوں نے ان کے حج کے مقبول ہونے کی دعا دی، اور کہا کہ ہم نے تو آپ سے دو ہزار سال پہلے ہی حج کیا تھا۔ (۱) —— اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے متعدد بار حج کرنے کا ذکر موجود ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں کعبۃ اللہ کی جگہ سطح زمین سے ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ اونچی تھی، ملائکہ اس کا حج کرتے تھے، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حج کیا، (۲) بعض روایات میں آپ کے ہندوستان سے بار بار پیدل حج کرنے کا ذکر آیا ہے۔ (۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا حج کرنا بھی حدیث میں مذکور ہے۔ (۴) بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے درمیان حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے بھی اس مقام کا طواف کیا ہے، جہاں بیت اللہ واقع ہے۔ (۵) حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے علاوہ تمام ہی انبیاء نے حج فرمایا ہے۔

" ما من نبي إلا قد حج البيت إلا ما كان من هود و صالح " (۶)

---

(۱) سنن بیہقی، حدیث نمبر: ۹۹۳۱ (۲) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۹۹۳۵
(۳) الترغیب و الترهیب: ۲/۱۰۷ (۴) دیکھئے: حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۹۹۳۸
(۵) دیکھئے تفسیر مظہری: ۵/۹۰ (۶) سنن بیہقی: ۷/۳۸۶، حدیث نمبر: ۹۹۳۸

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ اور حج بیت اللہ کا ذکر خود قرآن مجید میں آیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کے پیغمبروں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حج فرمانے کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے،(۱) اس لئے بیت اللہ کے فضائل میں یہ بات داخل ہے کہ ایک دو پیغمبروں کے سوا سبھوں نے اس مبارک گھر کی زیارت کی ہے۔

نفل حج کی تکرار

سوال:- بعض حضرات بار بار حج کرتے ہیں، اگر وہ یہ پیسے دوسرے کار خیر میں خرچ کرتے تو اس امت کا بہت بھلا ہو سکتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے تو ایک ہی بار حج فرمایا ہے، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ علماء لوگوں کو اس طرح بار بار حج کرنے سے منع کریں؟

(عبدالمجید، ورنگل)

جواب:- حج سے جو روحانی فوائد متعلق ہیں، وہ خیر و بھلائی کے دوسرے کاموں سے حاصل نہیں ہو سکتے؛ اسی لئے بہت سے بزرگوں کا معمول بار بار حج کرنے کا رہا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں بعض روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک ہزار دفعہ بیت اللہ شریف تشریف لائے ہیں،(۲) امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ہر سال حج فرمایا کرتے تھے اور یہی حال اس دور کے اکثر محدثین کا تھا؛ کیوں کہ حج کا اجتماع تعلیم و تعلم کا ایک مؤثر ذریعہ بھی تھا، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میں نے جس کو صحت و فراخی عطا کی ہے اور وہ چار سال میں بھی میرے پاس حاضری نہ دے، وہ محروم ہے'' بعض روایتوں میں چار سال کے بجائے پانچ سال کا ذکر آیا ہے:

"قال الله : إن عبدا صححت له جسمه و وسعت

---

(۱) حوالہ سابق، حدیث نمبر: ۹۹۳۹

(۲) الترغيب و الترهيب ۲/ ۱۰۷

عليه في المعيشة يمضي عليه خمسة أعوام لا يفد

إلي لمحروم (۱)

اس لئے اصحاب ثروت کو حج نفل کرنا چاہئے۔

حضور ﷺ نے ایک ہی حج فرمانے کا سبب یہ تھا کہ حج فرض ہی ہوا ہجرت کے نویں سال، چنانچہ آپ ﷺ نے اسی ہجری میں حج فرمایا اور آئندہ حج سے پہلے آپ کی وفات ہوئی، اور بعض روایات کے مطابق ۶/ ہجری میں حج فرض ہوا، لیکن صورت حال یہ تھی کہ ۹ ھ تک حج اپنے وقت سے پہلے ہو جاتا تھا، یوں کہ عرب بعض دفعہ ایک مہینہ مؤخر کر دیتے تھے، اس کو "نسی" کہا جاتا تھا، چنانچہ ۸ ھ میں مکہ فتح ہوا، اس سے پہلے مسلمان حج کر ہی نہیں سکتے تھے، ۸ ھ اور ۹ ھ میں حج کے اوقات درست نہیں تھے، ۱۰ ھ میں حج صحیح تاریخوں پر ہوا، جس کا تذکرہ آپ ﷺ کے یوم عرفہ کے خطبہ میں بھی موجود ہے، اور اس کے بعد آپ ﷺ کی وفات ہو گئی، غرض کہ آپ ﷺ کا ایک ہی حج کرنا عذر کے تحت تھا، اس لئے آپ ﷺ کے صرف حج سے اس پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ نفل حج کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

حرم میں نماز کے علاوہ دوسری عبادتوں کا اجر

سوال:- یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ حرم شریف میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، لیکن یہ ثواب صرف نماز ہی کے لئے ہے یا دوسری عبادتوں کے لئے بھی ہے؛ کیونکہ ہر وقت نماز پڑھنا انسان کے لئے ممکن نہیں" (عبد الرحمن قاسمی، بنگلور)

جواب:- حرم شریف کی نماز کے زیادہ باعث اجر ہونے کے سلسلہ میں تو متعدد روایات منقول ہیں اور محدثین کے نزدیک یہ معتبر و مستند بھی گئی ہیں؛ لیکن بعض روایات کے مطابق روزہ اور دوسری عبادتوں کا اجر بھی مکہ مکرمہ میں بمقابلہ دوسرے مقامات کے بڑھ جاتا

---

(۱) صحیح ابن حبان ۴۰۲/۲، حدیث نمبر ۴۷۰۵

ہے، قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب نماز کے اجر میں اس مقام کی برکت اور خصوصی فضیلت اثر انداز ہوتی ہے تو دوسری عبادتوں کا بھی اجر بڑھنا چاہئے، اسی لئے اہل علم نے لکھا ہے کہ نماز کی طرح مکہ مکرمہ میں دوسری عبادتوں کا اجر بھی بڑھ جاتا ہے، البتہ اس سلسلہ میں روایات اس درجہ کی نہیں ہیں جو نماز کے بارے میں ہیں:

"وجاءت أحاديث تدل على تفضيل ثواب الصوم وغيره من القربات بمكة إلا أنها في الثبوت ليست كأحاديث الصلاة فيها"(۱)

حج کے لئے دعوت اور تشہیر

سوال:- آج کل لوگ حج کو جانے سے پہلے دعوت کا اہتمام کرتے ہیں، لوگ ان کے لئے کپڑے بناتے ہیں، بعض حضرات نے تو حج کے لئے روانگی کا رقعہ بھی چھپایا ہے، کیا ایسا کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے؟ کیا یہ ریاکاری اور دکھاوا نہیں ہے؟

(محمد افتخار احمد، بورابنڈہ)

جواب:- کسی نیک کام کی توفیق پر اس طرح خوشی کا اظہار کہ اس میں تشہیر کا رنگ پیدا نہ ہو، درست ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے سورہ بقرہ مکمل کی تو ایک اونٹ ذبح فرمایا (۲) —— اس لئے اگر اظہار مسرت کے طور پر کچھ رشتہ داروں کو اور قریبی اہل تعلق کو مدعو کر لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس مقصد کے لئے بڑی تعداد میں لوگوں کو مدعو کرنا، پُر تکلف کھانوں کا اہتمام اور فنکشن ہال وغیرہ میں بطور تقریب اس کو انجام دینا، نیز خاص کر اس کے لئے رقعہ چھاپنا قطعاً مناسب نہیں ہے کہ اس سے نمائش اور دکھاوے کا جذبہ ظاہر ہوتا ہے، اور عبادت میں ریا گناہ بھی ہے اور اجر کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔

---

(۱) ردالمحتار: ۴۳۵/۳

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، مقدمة المؤلف: ۳۰/۱

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے نماز، روزہ، اور صدقہ کے بارے میں فرمایا: جو شخص دکھاوے کے لئے ایسا عمل کرتا ہے وہ دراصل شرک کا مرتکب ہوتا ہے:

"من صلى يرائي فقد أشرك، ومن صام يرائي فقد أشرك، ومن تصدق يرائي فقد أشرك" (۱)

مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں

سوال:- میں یہاں عمرہ پر گیا، عمرہ ادا کر کے مسجد نبوی ﷺ کی حاضری دی اور اپنی نیت کے مطابق دونوں جگہ ایک ایک جمعہ پڑھ کر واپس آ گیا، یعنی مدینہ شریف میں چالیس نمازیں پوری نہیں کیں، کیا اس کا کوئی گناہ ہے؟ (امتیاز احمد، پارس)

جواب:- گناہ تو کوئی نہیں، مگر مسجد نبوی ﷺ میں اس طرح چالیس نمازیں پڑھنے کی ایک خاص فضیلت ہے کہ تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو، یہ فضیلت آپ کو حاصل نہیں ہوئی۔

سوال:- میں نے اپنے امام سے سنا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازوں کا ادا کرنا ضروری ہے، کیا اس کے بارے میں کوئی حدیث ہے جس میں ضروری یا فضیلت کا ہونا بتلایا گیا ہو؟ براہ مہربانی تفصیل سے جواب دیں۔ (شمیم احمد، بیگم پیٹ)

جواب:- ایک حدیث میں مسجد نبوی ﷺ میں چالیس نمازیں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ادا کرنے کی خاص فضیلت آئی ہے، اس کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے: حضرت انس ؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح ادا کی کہ اس کی کوئی بھی نماز (باجماعت) فوت نہ ہو، اس کے لئے دوزخ سے اور عذاب سے برأت لکھی جائے گی اور وہ نفاق سے بری ہوگا۔ (۲)

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، حدیث نمبر: ۷۱۳۹

(۲) مسند أحمد: ۱۵۵/۳، حدیث نمبر: ۱۲۵۸۴

حج وعمرہ کے بعد بھی گناہوں سے نہ بچے تو گویا اس کا حج مقبول نہیں ہوا

سوال:- میرے چار دوست ہیں، جو کہ تبوک (سعودی عرب) میں مقیم ہیں، حج اور عمرہ کرکے واپس آکر انہوں نے وی سی آر پر عریاں فلمیں دیکھی ہیں، اب ان کے لئے کیا حکم لاگو ہے؟ اب وہ پچھتا رہے ہیں، ان کا کفارہ کس طرح ادا کیا جائے؟

(نثار احمد، نولی یوکی)

جواب:- معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صحیح معنوں میں حج وعمرہ نہیں کیا، بس گھوم پھر کر واپس آگئے ہیں، حج کے مقبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد آدمی کی زندگی میں دینی انقلاب آجائے اور اس کا رخ خیر اور نیکی کی طرف ہو جائے، ان صاحبوں کو اپنے فعل سے توبہ کرنی چاہئے، فرائض کی پابندی اور محرمات سے پرہیز کرنا چاہئے، اگر سچی توبہ کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے قصور معاف فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔

حج کے بعد اعمال میں سستی آئے تو کیا کریں؟

سوال:- حج کرنے کے بعد عبادات میں سستی کاہلی بڑھ گئی ہے، یعنی: ذکر اذکار کا چھوٹ جانا، صبح کے وقت نماز دیر سے پڑھنا اور دل میں وساوس کا آنا، حج سے پہلے دینی کاموں، دعوت وتبلیغ اور نیک کاموں میں دلچسپی لیتا تھا؛ لیکن اب معاملہ اس کے برعکس ہے، آپ سے معلوم کرنا ہے کہ حج کرنے میں کوئی فرق تو نہیں ہے؟ کیا دوبارہ حج کے لئے جانا ضروری ہوگا؟

(مجتبیٰ علی، سعید آباد)

جواب:- اگر پہلا حج صحیح ہوگیا تو دوبارہ کرنا ضروری نہیں، حج کے بعد اعمال میں سستی نہیں؛ بلکہ چستی ہونی چاہئے، اس کے لئے کوشش کریں۔

جمعہ کے دن حج اور عید کا ہونا باعث فضیلت ہے

سوال:- اکثر ہمارے مسلمان بھائی پڑھے لکھے اور ان پڑھ پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن کا حج ''حج اکبر'' ہوتا ہے اور اس کا ثواب سات حجوں کے برابر ملتا ہے اور حکومتیں جمعہ کے دن حج نہیں ہونے دیتیں؛ کیونکہ دو خطبے اکٹھے کرنے سے حکومت پر زوال آجاتا ہے اور یہی عقیدہ وہ یقین دو عیدین کے بارے میں رکھتے ہیں، اس کی شرعی تشریح فرمادیں۔ (محمد فصیل، تالاب کٹہ)

جواب:- جمعہ کے حج کو ''حج اکبر'' کہنا تو عوام کی اصطلاح ہے؛ البتہ معلم الحجاج میں طبرانی کی روایت نقل کی گئی ہے کہ جمعہ کے دن کا حج ستر حجوں کی فضیلت رکھتا ہے، مجھے اس کی سند کی تحقیق نہیں اور یہ غلط ہے کہ حکومتیں جمعہ کے دن حج یا عید نہیں ہونے دیتیں، متعدد بار جمعہ کا حج ہوا ہے، جس کی سعادت بے شمار لوگوں کو حاصل ہوئی ہے اور جمعہ کو عیدین بھی ہوئی ہیں۔

حج کا ایصال ثواب

سوال:- اگر ایک شخص اپنا حج کرچکا ہے اور وہ کسی کے لئے بغیر نیت کئے حج کرکے اس کو بخش دیتا ہے مرحوم کو، تو کیا اس کا حج ادا ہوجائے گا؟ اگر نہیں ہوسکتا تو صحیح طریقہ اور نیت بتادیں۔

(محمد رضی الدین، پرانی حویلی)

جواب:- اگر مرحوم کے ذمہ حج فرض تھا اور یہ شخص اس کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہے تو اس مرحوم کی طرف سے احرام باندھنا لازم ہوگا اور اگر حج فرض نہیں تھا تو حج کا

ثواب بخشے ۔ انشاء اللہ اس کو حج کا ثواب مل جائے گا۔

کیا حجر اسود جنت سے ہی سیاہ رنگ کا آیا تھا؟

سوال:- حجر اسود جو کالے رنگ کا ایک پتھر ہے، میں نے ایک حدیث پڑھی ہے کہ حجر اسود لوگوں کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے کالا ہوگیا، جب یہ جنت سے آیا تھا تو اس کا رنگ کیسا تھا؟ اس وقت اسے حجر اسود کہتے تھے؟ کیونکہ اسود کے معنی ہیں کالا، کیا حدیث سے اس پتھر کے اصلی رنگ کا پتہ چلتا ہے؟

(عبد الصمد، نوانی پوئی)

جواب:- جس حدیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ ترمذی، نسائی (۱) وغیرہ میں ہے اور امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ اس وقت سفید رنگ کا تھا، ظاہر ہے کہ جب یہ نازل ہوا ہوگا اس وقت اس کو "حجر اسود" نہ کہتے ہوں گے۔

حرمین شریفین کے ائمہ کے پیچھے نماز نہ پڑھنا بڑی محرومی ہے

سوال:- میں چند دوستوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کام کرتا ہوں، ابھی چھٹیوں کے لئے وطن آیا ہوں، جب ہم مکہ مکرمہ میں ہوتے تھے تو میرے دوستوں میں سے کوئی بھی حرمین شریفین کے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا۔ (محمد زبیر، عالم، ہماچل)

جواب:- حرمین شریفین پہنچ کر وہاں کی نماز باجماعت سے محروم رہنا بڑی محرومی ہے، حرمین شریفین کے ائمہ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں اہل سنت ہیں، اگرچہ ہمارا ان کے ساتھ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہے، لیکن یہ درست نہیں کہ ان کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھی جائے۔

---

(۱) سنن الترمذي، كتاب الحج، باب ماجاء في فضل الحجر الأسود، حديث نمبر: ۸۷۷، وسنن النسائي، كتاب المناسك، باب ذكر الحجر الأسود، حديث نمبر: ۲۹۳۵

حج کے دوران تصویر بنوانا

سوال:- ایک شخص حج پر جاتا ہے، مناسک حج ادا کرتے وقت وہ اجرت دے کر فوٹو گرافر سے تصویریں اتروالیتا ہے، مثلاً احرام باندھتے ہوئے، قربانی کرتے وقت تصویر اتروائی، تو یہ بھی جائز ہے؟ لیکن حج کے دوران تصویر اتروانے سے حج کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ (عقیل احمد، مہدی پٹنم)

جواب:- حج کے دوران گناہ کا کام کرنے سے حج کے ثواب میں ضرور خلل آئے گا؛ کیونکہ حدیث میں "حج مبرور" کی فضیلت آئی ہے اور "حج مبرور" وہ کہلاتا ہے جس میں گناہوں سے اجتناب کیا جائے، اگر حج میں کسی گناہ کا ارتکاب کیا جائے تو حج "حج مبرور" نہیں رہتا، علاوہ ازیں اس طرح تصویر کھنچوانے کا منشا تفاخر اور ریاکاری ہے؛ کہ اپنے دوستوں کو دکھاتے پھریں گے اور ریاکاری سے اعمال کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

حرم میں چھوڑے ہوئے جوتوں اور چپلوں کا شرعی حکم

سوال:- حرم میں چپلوں اور جوتوں کے بارے میں کیا حکم ہے، جو عام طور پر تبدیل ہو جاتے ہیں؟ کیا ایک بار اپنی ذاتی چپل پہن کر جانا اور تبدیل ہونے پر ہر بار ایک نئی چپل پہن کر آنا جانا، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے جائز ہے؟ (یوسف علی، صلالہ)

جواب:- جن چپلوں کے بارے میں خیال ہو کہ مالک ان کو تلاش کرے گا، ان کا پہننا صحیح نہیں، اور جن کو اس خیال سے چھوڑ دیا گیا کہ خواہ کوئی پہن لے، ان کا پہننا صحیح ہے، یوں بھی ان کو اٹھا کر ضائع کر دیا جاتا ہے:

"نوع لا يطلبه مالكه كالنواة وقشر الرمان والبطيخ في مواضع متفرقة له أن يأخذ وينتفع بها" (۱)

(۱) فتاوی بزازية على هامش الهندية ۶/۲۱۹.

حاجیوں کا تحفے تحائف دینا

سوال:- آج کل لوگ جب مدینہ یا حج کے لئے جاتے ہیں تو
ان کے عزیز انہیں تحفہ میں مٹھائی، نقد روپے وغیرہ دیتے ہیں۔
اور جب یہ لوگ حج کر کے آتے ہیں تو تبرک کے نام سے کھجوریں،
زمزم اور ان کے ساتھ دوسری چیزیں رسماً بانٹتے ہیں، کیا یہ رسم
درست ہے؟ (محمد رشید الدین، مغلپلی)

جواب:- عزیز واقارب اور دوست واحباب کو تحفے تحائف دینا تو شریعت کا حکم ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے، اگر اس جذبہ سے اظہار و نمائش کے بغیر تحائف کا لین دین ہو تو بہتر ہے، مگر دلی رغبت ومحبت کے بغیر محض رسم کے لئے، یا رسم کی لعنت سے بچنے کے لئے کوئی کام کرنا بری بات ہے، حاجیوں کو تحفے دینا اور ان سے تحفے وصول کرنا آج کل ایسا رواج ہو گیا ہے کہ محض نام و نمود اور شرم شرمی جبر سے یہ کام خواہی نخواہی کیا جاتا ہے، یہ صورت شرعاً مناسب نہیں۔

اپنے آپ کو الحاج لکھنا

سوال:- کیا میں اپنے نام کے ساتھ الحاجہ لکھ سکتی ہوں؟
(نورجہاں بانو، حیدرآباد)

جواب:- حاجہ کے معنی ایسی عورت کے ہیں، جو حج کر چکی ہو، عبادتوں کو حتی المقدور چھپانے اور اظہار و دکھاوے سے بچانے کا حکم ہے، اس لئے اپنے نام کے ساتھ حاجی، الحاج، یا حاجہ لکھنا مناسب نہیں ہے، دنیا میں لوگوں کے سامنے حاجی ہونے کا ذکر نہ آئے لیکن اللہ کے یہاں عبادت قبول ہو جائے تو یہی مومن کا اصل مقصود ہے۔ واللہ ھو الموفق

حج کرنے کے بعد حاجی کہلوانا اور نام کے ساتھ لکھنا

سوال:- حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنے

ناموں میں لفظ ''حاجی'' لگانا کیا جائز ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں: تاکہ میں بھی اپنے نام میں ''حاجی'' لگاؤں یا نہ لگاؤں بہتر کیا ہے؟ (: معلوم)

جواب:- اپنے نام کے ساتھ حاجی کا لقب لگانے میں، ریا اور دکھاوے کی بو آتی ہے، حج تو رضائے الٰہی کے لئے کیا جاتا ہے؛ البتہ لوگ اسے ''حاجی صاحب'' کہیں تو مضائقہ نہیں؛ اس لئے خود اپنے نام کے ساتھ ''حاجی'' کا لفظ لکھنا یا بولنا مناسب نہیں ہے۔

زیارت مدینہ

روضۂ اطہر پر دوسروں کی طرف سے سلام

سوال: رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر پر اگر کسی اور کی طرف سے سلام پہنچانا ہو تو اس کا کیا طریقہ ہے، اور کیا دوسروں کی طرف سے سلام پہنچایا جا سکتا ہے؟ (محمد محفوظ، اورنگ آباد)

جواب: رسول اللہ ﷺ کو جیسے قبر شریف پر حاضر ہونے والے خود سلام کر سکتے ہیں، اسی طرح دوسروں کا سلام بھی پہنچا سکتے ہیں، دوسروں کا سلام پہنچانا ہو تو روضۂ مبارک پر یوں عرض کریں:

"السلام علیک یا رسول اللہ من ...." (۱)

"من" کے بعد اس شخص کا نام ذکر کرے جس کی طرف سے سلام پہنچانا ہے۔

مدینہ منورہ جاتے ہوئے کیا نیت کرے؟

سوال: اس بار ہندوستان سے بہت سے جہاز براہ راست مدینہ منورہ جا رہے ہیں، ایسی صورت میں مدینہ جاتے ہوئے عازمین کو کیا نیت کرنی چاہئے، قبر شریف کی زیارت کی یا مسجد نبوی جانے کی؟ جبکہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین ہی مقامات کے لئے سفر کیا جائے، مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ۴۰۳

قیصی۔ (مولوی عبد الماجد، چادر گھاٹ)

جو ل:- اس میں شبہ نہیں کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی بڑی فضیلت ہے، بعض روایتوں میں ایک نماز میں پچاس ہزار نمازوں کے اجر کا، بعض روایتوں میں دس ہزار نمازوں کے اجر کا (۱) اور بعض روایتوں میں ایک ہزار نمازوں کے اجر کا ذکر آیا ہے، (۲) لیکن اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت بھی نہایت ہی سعادت کی بات ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص حج کے لئے جائے اور میری قبر کی زیارت کرے، اس کی فضیلت ایسی ہے کہ جیسے اس نے زندگی میں میری زیارت کی" (۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرے گا، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی: " من زار قبري وجبت له شفاعتي " (۴) اس لئے کون کم نصیب ہوگا جو اس سعادت سے محرومی کو گوارا کرے؛ لہٰذا دونوں نیتیں رکھنی چاہئیں، روضۂ اقدس کی زیارت کی بھی اور مسجد نبوی میں نماز کی بھی، مذکورہ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کہیں کا سفر ہی نہیں کیا جائے، پھر تو جہاد کے لئے، حصول علم کے لئے، کسب معاش کے لئے اور علاج وغیرہ کے لئے بھی سفر کی ممانعت ہو جائے گی، حدیث کا منشا یہ ہے کہ ان تینوں مساجد کو بحیثیت مسجد کے خصوصیت حاصل ہے، باقی ساری مسجدیں اپنی اصل کے اعتبار سے برابر ہیں، اس لئے ان مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کا سفر خصوصی ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کرنا درست نہیں ہے، اس حدیث میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے، یعنی پیغمبروں کی نسبت کی وجہ سے مسجدوں کو جو خصوصیت حاصل ہوئی، اس سلسلہ کی آخری مسجد مسجد نبوی ہے، آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، اور نہ اس نسبت

---

(۱) حلیة الأولیاء: ۸/۳۶

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدي مكة و المدينة، حدیث نمبر: ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹

(۳) وفاء الوفاء: ۴/۱۳۳

(۴) شعب الإیمان للبیهقي، حدیث نمبر: ۳۷۵۹

سے کسی مسجد کو خصوصیت حاصل ہوگی ، اس حدیث کا یہ منشا نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے قصد سے مدینہ کا سفر نہیں کیا جائے ، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے ۔

روضۂ اقدس کی زیارت

سوال :- کیا رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے باعث اجر ہونے پر کوئی معتبر روایت ہے اور کیا خاص اس مقصد کے لئے مدینہ منورہ کا سفر کیا جاسکتا ہے ؟

(حبیب اللہ ، تلہ گولکنڈہ)

جواب :- رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کے باعث اجر و ثواب ہونے پر بہت سی روایتیں منقول ہیں ؛ اسی لئے فقہاء کا اس کے نہایت افضل عمل ہونے پر اجماع و اتفاق ہے ؛ اسی لئے فقہ کی کتابوں میں حج کے احکام کے ساتھ روضۂ شریف کی زیارت کے فضائل و آداب بھی ذکر کئے جاتے ہیں ، من جملہ ان کے ایک روایت یہ ہے جو اہل ایمان کے لئے مژدۂ جاں فزا سے کم نہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جس نے میری قبر کی زیارت کی ، اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہوگی : " من زار قبري وجبت له شفاعتي " (۱) علامہ نیمویؒ نے اس کی سند کو حسن (۲) اور علامہ ظفر احمد تھانویؒ نے " حسن صحیح " قرار دیا ہے ، (۳) —— اتنا بڑا اجر حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے روضۂ شریف کی زیارت کے لئے سفر کو کون حرماں نصیب نادرست سمجھے گا ؟ رہ گئی وہ حدیث کہ حضور ﷺ نے صرف تین مسجدوں کے لئے ہی سفر کی اجازت دی ہے تو اس کا تعلق صرف مسجدوں سے ہے ، یعنی مسجد حرام ، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے بعد اجر و ثواب کے اعتبار سے تمام مسجدیں برابر ہیں اور زیادہ اجر و ثواب حاصل کرنے کے مقصد سے کسی اور مسجد کا خاص طور پر سفر کرنا درست نہیں ، اس حدیث میں آپ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کی نیت سے جانے کو منع نہیں کیا گیا ہے :

---

(۱) الدار قطني ، حدیث نمبر : ۱۹۳ (۲) آثار السنن : ۲/۱۲۶

(۳) إعلاء السنن : ۱۰/۴۹۳

"ولا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: مسجد الحرام ومسجد الأقصى ومسجدي هذا" (۱)

زیارت روضۂ اطہر اور حج

سوال:- اگر کوئی شخص حج کے لئے جائے اور زیارت روضہ ﷺ کیے بغیر آجائے تو اس کا حج مکمل ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر ہو جائے گا تو حدیث کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ سفر کی ان مشکلات کا حل تحریر فرما کر عنایت کے لئے مشکور فرمائیں۔

(متین احمد، بہار شریف)

جواب:- آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے بغیر جو شخص واپس آجائے حج تو اس کا ادا ہوگیا لیکن اس نے بے مروتی سے کام لیا اور زیارت روضہ شریف کی برکات سے محروم رہا، یوں کہہ لیجئے کہ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے لئے جانا ایک مستقل عمل مندوب ہے، جو حج کے اعمال میں تو داخل نہیں مگر جو شخص حج پر جائے اس کے لئے یہ سعادت حاصل کرنا آسان ہے، اس لئے حدیث میں آیا ہے۔

"من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی" (۲)

یعنی: "جس شخص نے بیت اللہ شریف کا حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے میرے ساتھ بے مروتی کی۔"

مسجد نبوی ﷺ کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا اور شفاعت کی درخواست

سوال:- میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الصوم یوم النحر، حدیث نمبر: ۱۹۹۵

(۲) الکامل لابن عدی، حدیث نمبر: ۸۲۶۹، وحسنہ ملا علی قاری فی شرح المناسک

کی زیارت کی نیت سے سفر نہیں کیا جا سکتا اور سنا ہے کہ حضور ﷺ کے روضۂ مبارک پر شفاعت کی درخواست ممنوع ہے، بتلائیں کہ کیا یہ ٹھیک ہے اور روضہ مبارک پر دعا مانگنا کیسا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ کس طرف منہ کر کے مانگیں گے؟ آیا کعبہ کی جانب یا روضہ مبارک کی جانب اور مسجد نبوی ﷺ میں کثرت درود افضل ہے یا تلاوت قرآن؟ (محمد زین العابدین، سلطان شاہی)

جواب:- یہ تو آپ نے غلط سنا ہے یا غلط سمجھا ہے کہ مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) کی نیت سے سفر نہیں کر سکتے، اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ مسجد نبوی کی نیت سے سفر کرنا صحیح ہے۔

"عن أبي هريرة ؓ عن رسول الله ﷺ قال : لا تشد الرحال لا إلى ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ومسجدي هذا ، ومسجد الأقصى " (۲)

البتہ بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت سے سفر جائز نہیں؛ لیکن جمہور اکابر امت کے نزدیک روضۂ شریف کی زیارت کی بھی ضرور نیت کرنی چاہئے، اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا ممنوع نہیں، فقہائے امت نے زیارت نبوی ﷺ کے آداب میں تحریر فرمایا ہے کہ بارگاہ عالی میں سلام پیش کرنے کے بعد شفاعت کی درخواست کرے، امام جزریؒ نے "حصن حصین" میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ (کی قبر مبارک) کے پاس دعا قبول نہ ہوگی تو اور کہاں ہوگی؟ صلوۃ وسلام اور شفاعت کی درخواست پیش کرنے کے بعد قبلہ رخ ہو کر دعا مانگے، مدینہ طیبہ میں درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہئے اور تلاوت قرآن کریم کی مقدار بھی بڑھا دینی چاہئے۔

---

(۲) سنن النسائي، حدیث نمبر: ۷۰۱